116

حسب ونسب

مؤلفہ

مفتی غلام رسول
(لندن)

بحسن اہتمام

انجمن فاطمیہ "یوکے"

ناشر

دارالعلوم قادریہ جیلانیہ انٹرنیشنل
مسلم موومنٹ
والتھم سٹو ٥ لندن ٥ برطانیہ

نام کتاب ———— حسب ونسب
مؤلفہ ———— مفتی غلام رسول
اشاعت ———— ستمبر ۱۹۹۰ء
تعداد اشاعت ———— ۱۰۰۰
کتابت ———— ظہور الٰہی
طابع ———— فضلِ ربی پریس
خورشید پیلس کشمیر روڈ راولپنڈی
فون : ۵۶۸۱۷۶ - ۵۸۱۶۵۳
ناشر ———— انجمن فاطمیہ "یو کے"
قیمت ————

نذرانۂ عقیدت

بحضور

اہلِ بیت اطہار

جن کے نسب کی عظمت وطہارت پر

قرآن شاہد ہے۔

(مفتی غلام رسول)

نسب پاک

اکرم به نسبا طابت عناصرہٗ
اصلاً و فرعاً و قد سادت به البشر

آپ کا نسب کیسا کچھ باکرامت ہے کہ اس کے مواد پاکیزہ ہیں، اصل سے بھی اور فرع سے بھی اور آپ کے سبب سے جنس بشر کو شرف حاصل ہو گیا۔

مفتی غلام رسول

حسب ونسب پڑھنے سے پہلے مندرجہ ذیل نوٹ پڑھ لیا جائے

چونکہ مسئلہ زیر بحث فقہ اور عقائد کے مشترکہ پہلوؤں سے متعلق ہے جو کہ علمی طور پر دقیق ترین مضامین ہیں اور وقتاً فوقتاً علمی اصطلاحات کے استعمال کی وجہ سے متوسط لوگوں کے لیے معانی زیر بار ہو جاتے ہیں اس لیے ایسے مقامات پر نوٹ دے کر ہم نے ذیل میں یا حاشیہ پر آسان ترین الفاظ میں وضاحت کر دی ہے۔ اس لیے قارئین کرام سے درخواست ہے کہ ایسے مواقع کو ہر گز نظر انداز نہ کیا جائے بلکہ ان نوٹس کو بغور پڑھ لیا جائے تاکہ کلام کا اصل مفہوم مکمل طور پر واضح ہو جائے۔

(مفتی غلام رسول)
(لندن)

اغلاط نامہ وصحت نامہ

نمبر شمار	غلط	صحیح	سطر	صفحہ
۱	ہوں ہوں	ہوں	۶	۳۴
۲	برابرہ۱۰	برابر ہونا	۱	۳۶
۳	یہ اسں طبقہ	اسں طبقہ	۸	۳۷
۴	(حاشیہ صہ۳۸) بن نعیم	بن نعیم ہے	۱	۳۸ ش
۵	کنیت اور ابوعبداللہ ہے	کنیت ابوعبداللہ ہے	۱	۳۸
۶	قاضی خان کا بھی قول	قاضی خان کا ہی قول	۵	۴۲
۷	ردالمختار	ردالمحتار	۲۱	۴۲
۸	آپ کا ذالی ارادہ ہے	آپ کا ذاتی ارادہ ہے	۱	۴۶
۹	نفی ہیں	نفی نہیں	۱۰	۴۶
۱۰	شرح مسلم مسلم	شرح مسلم	۵	۴۸
۱۱	شمش الایہ	شمس الائمۃ	۶	۵۰
۱۲	پاس لوٹیں	پاس سے لوٹیں	۷	۵۴
۱۳	فرماتے ہیں فرماتے ہیں	فرماتے ہیں	۱۰	۵۵
۱۴	حسن وحسنین	حسن وحسین	۶	۵۸
۱۵	ہوجائیں ے	ہوجائیں گے	۹	۶۳
۱۶	ینبعی	ینبغی (غ)	۳	۶۴
۱۷	اھل البیث	اھل البیت	۱۲	۶۵

نمبر شمار	غلط	صحیح	سطر	صفحہ
۱۸	ردالمختار	ردالمختار (رح)	۲۰	۷۰
۱۹	بدل، تے ہیں	بدل جاتے ہیں	۱۸	۷۱
۲۰	(حاشیہ ص۷۴) ایک مرد س ہوسکتیں	ایک مرد اور دو عورتیں نہیں ہوسکتیں	۸	۷۴
۲۱	باوجودیکہ ش علت نہیں ہے	باوجودیکہ یہ شرط ہے علت نہیں ہے	۷	۷۴
۲۲	فلا تعضلوضهن	فلا تعضلوهن	۲۱	۷۷
۲۳	عورت کے لئے	عورت کے لئے	۱۰	۷۸
۲۴	عدالت عدالت سے	عدالت سے	۱۸	۸۳
۲۵	ون فتوی موجودین	من فتوٰی موجودین	۹	۸۸
۲۶	قرآن وحدیث کا ذکر کرکے	قرآن وحدیث ذکر کرکے	۱۶	۱۱۰
۲۷	ایسے نہ ں ے	ایسے نکاح کے عدم	۱۹	۱۱۰
۲۸	مجھ سے بعض رکھا	مجھ سے بغض رکھا	۱۵	۱۱۵
۲۹	کل مومن لعدی	کل مؤمن لعدی	۱۴	۱۱۶
۳۰	وآلہ وسلم دونوں متحد	وآلہ وسلم اور علی دونوں متحد	۱	۱۱۷
۳۱	قبیلہ صے لی	قبیلہ طے کی	۲	۱۲۵
۳۲	پسند آئیں آئیں	پسند آئیں	۷	۱۲۵
۳۳	متنرعا ار نہیں پڑ ما	شرعاً اثر نہیں پڑتا	۱۹	۱۲۸
۳۴	یہ مدلورہ	یہ مذکورہ	۲۳	۱۳۸
۳۵	امام امام محمد	امام محمد	۳	۱۴۱
۳۶	دنیا لی سی	دنیا کی کسی	۲	۱۵۰
۳۷	یہ وہ فصلہ	یہ وہ فیصلہ	۷	۱۵۶

نمبر شمار	غلط	صحیح	سطر	صفحہ
۳۸	بے فرمایا	نے فرمایا	۵	۱۶۴
۳۹	اورابن حجر	اورابن حجر	۴	۱۶۹
۴۰	فعل اس پر	فعل کے اس پر	۱۰	۱۷۱
۴۱	کے دل کو	کے ولی کو	۶	۱۷۶
۴۲	اولباء ظاہر	اولیاء ظاہر	۵	۱۷۷
۴۳	ہم ہم کفوء	ہم کفوء	۶	۱۷۷
۴۴	تفسیر روح المعانی محمود بن عمر زمخشری المتوفی ۵۳۸ھ	تفسیر روح المعانی علامہ آلوسی المتوفی ۱۲۷۰ھ	۶	۱۸۵
۴۵	علامہ الوالدین	علامہ علاؤالدین	۱	۱۸۹

مفتی غلام رسول

لندن

فہرست مضامین

حسب ونسب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

زیرِ نظر کتاب "حسب و نسب" میں اس مسئلہ کی تشریح کی گئی ہے کہ سیدزادی کا نکاح غیر سید عجمی مرد کے ساتھ بنیادی طور پر نہیں ہوتا کیونکہ فقہاء کرام نے بیان کیا ہے کہ غیر کفو میں نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ در غیر کفو میں نکاح منعقد نہ ہونے کی وجہ عورت اور خاندان دونوں کی ذلت ہے۔ علامہ شامی غیر کفو میں نکاح کے منعقد نہ ہونے کی علت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں لان وجہ عدم الصحۃ علی ھذہ الروایۃ دفع الضرر عن الاولیاء کہ اس نکاح کے منعقد نہ ہونے کی وجہ اس روایۃ پر (اولیاء) سے ضرر کا دفع کرنا ہے کہ جب نکاح غیر کفو میں ہوگا تو وارثوں کے لیے موجب ذلت و توہین اور باعثِ ننگ و عار ہوگا۔ اسلام تو کسی عام مسلمان کی توہین برداشت نہیں کرتا، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اسلام خاندانِ نبوت کی توہین برداشت کرے جبکہ خاندانِ نبوت و رسالت کی عظمت و عزت کرنے پر بے شمار نصوص شرعیہ موجود ہیں۔ اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و تعظیم فرض و رکن ایمان ہے۔ جب حضور کی محبت و تعظیم فرض اور اصل ایمان ہوئی تو حضور کی اولاد کی محبت بھی فرض اور جزو ایمان ہوگی۔ اسی وجہ سے آج تک جمہور امتِ مسلمہ سے کسی نے بھی اس مسئلہ میں کبھی اختلاف نہیں کیا بلکہ تمام امتِ مسلمہ متفقہ طور پر آلِ رسول اور عترت نبوی کی تعظیم کے قائل ہیں۔ پھر آل رسول ہونے کی حیثیت سے حضور کی تمام اولاد یعنی سادات خواہ ان کا سلسلہ کتنا ہی بعید بھی ہو قابلِ عزت و احترام ہیں۔ سیدنا امام شافعی رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ کچھ لوگ اس میں کوتاہی کرنے لگے ہیں تو آپ نے چند اشعار میں ایسے لوگوں کی سخت مذمت فرمائی۔ وہ شعر یہ ہے: سہ

یا راکبا قف بالمحصب من منیٰ — واھتف بساکن خیفھا والناھض

سحراً اذا فاض الحجیج الی منیٰ — فیضا کملتطم الفرات الفائض

ان کان رفضا حب آل محمد — فلیشھد الثقلان انی رافض

ترجمہ: اے شتر سوار منیٰ کی وادی محصب کے قریب رک جاؤ اور جب صبح کے وقت عازمین حج کا سیلاب ایک ٹھاٹھیں

مارتے ہوئے دریا کی طرح منی کی طرف روانہ ہو تو اس علاقے کے ہر باشندے اور ہر راہرو سے پکار کر یہ کہہ دو اگر صرف آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہی کا نام رفض ہے تو اس کائنات کے تمام جنات و انسان گواہ رہیں کہ میں بھی رافضی ہوں"۔

یہ تھے سیدنا امام شافعی جو کہ اہلِ سنت وجماعت کے عقیدے کا ذکر کر رہے تھے کہ محبتِ اہلِ بیت فرض ہے اس کا رفض سے تعلق نہیں ہے اگر کوئی جہالت یا ناصبیت کی وجہ سے یہ سمجھتا رہے کہ اہلِ بیت رسول کی محبت کا تعلق رفض سے ہے تو امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے بھی رافضی تصور کرلے جبکہ میرا (رفض) سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔ تو ظاہر ہوا کہ محبتِ اہلِ بیت دین کے اصولوں سے ہے۔ جب حضور کے خاندان اور سادات کی تعظیم فرض ہوئی تو اب اگر کوئی غیر سید کسی سیدزادی کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ خون کی ملاوٹ کی وجہ سے توہینِ اہلِ بیت ہوگی۔ کیونکہ سادات کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے اس کا متحمل نہیں ہے کہ کسی غیر خون کے ساتھ ملوث ہو۔ اسی وجہ سے اس پاکیزہ نسب کو مطرد للحکم تسلیم کیا گیا ہے کہ سادات کا ہم کفوء وہی ہوگا جو سادات سے ہوگا۔ کوئی غیر سید سادات کی لڑکیوں کا ہم کفوء نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ سادات کی لڑکیاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہیں اور حضور کا ہم کفوء کوئی نہیں ہے مگر وہی جو عترتِ رسول سے ہو۔ علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں بان اولاد بناته ینسبون الیه واولاد بنات غیرہ لا ینسبون الیه فی الکفاء ولا فی غیرھا (خصائص کبریٰ ج ۲ ص۲۵۵) کہ آپ کی بیٹیوں کی اولاد آپ کی طرف منسوب ہوتی ہے اور غیر کی بیٹیوں کی اولاد اپنے جد (یعنی ننہال) کی طرف منسوب نہیں ہوتی۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی کی اولاد تو آپ کی طرف منسوب ہوگی، اور دوسرے لوگوں میں یہ حکم نہیں ہے۔ پھر یہ حکم صرف حضرت سیّدہ فاطمہ کی اولاد کے لیے ہے، دوسری صاحبزادیوں کی اولاد کے لیے نہیں ہے۔ ان کے بارے میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے باپ ہیں اور وہ آپ کے بیٹے ہیں۔ جس طرح کہ یہ بات اولادِ فاطمہ کے لیے کہی جاتی ہے۔ ہاں دوسری صاحبزادیوں کی اولاد کے متعلق یہ کہا جائے گا کہ وہ آپ کی اولاد اور نسل سے ہیں۔ علامہ یوسف نبہانی لکھتے ہیں ویتفرع علی ھذا انھم لا یکافئھم فی النکاح احد من الناس وبه صرح غیر واحد من الائمة قال الجلال السیوطی فی الخصائص ومن خصائصه صلی اللہ علیه واله وسلم ان آله لا یکافئھم فی النکاح احد من الخلق (الشرف المؤبد ص۳۵۹) اور اس پر یہ مسئلہ متفرع اور مبنی ہے کہ نکاح میں ان کا کوئی ہم کفوء نہیں ہے۔ متعدد اماموں نے اس کی تصریح کی ہے۔ امام سیوطی خصائص کبریٰ میں فرماتے ہیں کہ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مخلوق سے کوئی بھی نکاح میں آپ کے اہل بیت کا ہم کفوء نہیں ہے ۔ اس سے ظاہر ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد حضور کی طرف منسوب ہے اور حضور کی اولاد کا سوائے حضور کی اولاد کے کوئی دوسرا ہم کفوء نہیں ہے اور مفتیٰ بہا (جس پر فتویٰ ہے) روایۃ کے مطابق ہم کفوء ہونا صحتِ نکاح کے لیے شرط ہے، جب کفوء نہ ہوگی تو بنیادی طور نکاح منعقد نہیں ہوگا ۔ اگر کسی غیر سید عجمی نے سادات کی لڑکی سے نکاح کیا تو نسبِ رسول کی توہین ہوگی اور نسبِ رسول یا اولادِ رسول کی توہین ایمان کے خلاف ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ زیرِ بحث "مسئلہ" اگرچہ ظاہر میں ایک فقہی جزئیہ معلوم ہوتا ہے لیکن اپنے نتائج کے لحاظ سے عقائد سے متعلق ہے ۔ اور عقائد میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ نبوت کی معمولی توہین اور گستاخی مسلمان ہونے کے یکسر منافی ہے ۔ جب یہ مسئلہ اپنے مترتبہ نتائج کے لحاظ سے عقائد سے متعلق تھا تو میں نے دیکھا کہ اس وقت بعض لوگ یہ کہہ کر "کہ ہر آدمی خواہ کسی قوم یا برادری سے تعلق رکھتا ہو وہ سید زادی کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے" اس سے یہ صرف سادات کی توہین کے ہی مرتکب نہیں ہوتے بلکہ عام مسلمانوں کے عقائد میں بگاڑ پیدا کر رہے ہیں تو میں نے اہلِ بیت اطہار کی عزت و ناموس کی خاطر اور مسلمانوں کے عقائد کے تحفظ کے پیشِ نظر یہ کتاب "حسب و نسب" ترتیب دی اس کی تحقیق اور تفصیل پر میں نے محنت کی، دوسری طرف میری ذاتی حالت ناگفتہ بہ تھی ۔ مجھے حوادث اور مصائب نے گھیر رکھا تھا جہاں تک انسانی زندگی میں سکون و اطمینان کا تعلق ہوتا ہے وہ مجھے دور سے بھی نظر نہیں آرہا تھا لیکن اس کے ساتھ میری امیدیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے وابستہ تھیں کہ وہی تو ایک ذات ہے جو کہ میرے لیے سکون و اطمینان کے اسباب پیدا فرما سکتا ہے اور مجھے اس کی بے پایاں رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہئیے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک اور اس کی آل کے صدقے مجھ پر بھی اپنا خاص رحم و کرم فرمائے ۔ کیونکہ وہ اتنا رحیم اور کریم ہے جس سے زیادہ تصور نہیں کیا جا سکتا ۔ اس کے لطف و کرم کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے میں نے "حسب و نسب" کو لکھنا شروع کیا اور مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اس ایک فقہی جزئیہ کا مضمون اتنا پھیل جائے گا کہ میرے لیے اس کا سمیٹنا مشکل ہو جائے گا اور نفس مسئلہ کے علاوہ مجھے حوالہ جات کو بھی جمع کرنا تھا بعض دفعہ مجھے ایک ایک حوالہ پر رات اور دن صرف کرنا پڑتا لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل تھا جس حوالہ یا جزئیہ کو مجھے تلاش کرنا ہوتا وہیں تلاش کر ہی لیتا آخرکار اللہ تعالیٰ نے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا ۔ اور میں اس کتاب "حسب و نسب" کو اس شخصیت کی طرف منسوب کرتا ہوں جو اس وقت دنیائے اسلام میں اپنے علم و فکر کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہیں

اور اپنے حسب و نسب کے لحاظ سے "نجیب الطرفین" حسنی حسینی سیّد ہیں جن کی زندگی کا ماحصل بھی خاندانِ نبوت کا ادب و احترام ہے۔ اس عظیم شخصیت سے میری مراد بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، مفکرِ اسلام علامہ پیر سیّد "عبد القادر" شاہ صاحب گیلانی دامت برکاتہم العالیہ ہیں۔ جب "حسب و نسب" کا مسودہ آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو ملاحظہ فرمانے کے بعد اظہارِ خیال کرتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ کتاب "حسب و نسب" اپنے موضوع کے لحاظ سے اور اعتبار سے اوّل اور آخر کتاب ہے۔ اس سے قبل ایسی کتاب دیکھنے میں نظر نہیں آئی۔ میں آخر میں "انجمن فاطمیہ" "یوکے" کا شکرگذار ہوں جنہوں نے حسب و نسب کے چھپوانے اور شائع کرنے کا انتظام اپنے ذمہ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمام مسلمانوں کو اہلِ بیتِ رسول کی مؤدت اور محبت اور ادب کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

مفتی غلام رسول
دار العلوم قادریہ جیلانیہ
(لندن)

حامداً ومصلیاً ومسلماً

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں مرکزی دارالعلوم نقشبندیہ علی پور سیداں شریف ضلع سیالکوٹ (پاکستان) میں پچیس سال سے زائد تدریس اور افتاء کے فرائض سرانجام دیتا رہا۔ وہاں پر ہی میری دیگر تصانیف کے علاوہ فتاوی جماعتیہ دو جلدوں میں مرتب ہو کر شائع ہوا جس میں اس مسئلہ کا ذکر بھی آیا تھا کہ کیا سیدزادی کا نکاح غیر سید کے ساتھ ہو سکتا ہے یا نہیں۔ میں نے اپنی تحقیق کے مطابق لکھا چونکہ یہ نکاح غیر کفوء میں ہے لہذا منعقد نہیں ہوتا۔ جب وہاں سے برطانیہ چلا آیا تو یہاں پر بعض لوگوں نے اس مسئلہ کے متعلق مجھ سے وضاحت طلب کی کہ آپ نے فتاوی جماعتیہ میں لکھا ہے کہ یہ نکاح نہیں ہوتا، بعض حضرات لکھتے ہیں کہ ہو جاتا ہے، اس کی تنقیح کیا ہے۔ میں نے جواباً عرض کیا کہ میں اپنے پہلے مؤقف پر بدستور قائم ہوں کہ یہ نکاح نہیں ہوتا کیونکہ فقہاء حنفیہ کا مسلک ہے کہ غیر کفوء میں نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

لفظ کفوء کی تشریح

کفوء کے اصلی معنی مثل اور نظیر ہے اور محیط المحیط ص۷۸۴ میں ہے الکفوء المثل یعنی کفوء کا معنی مثل ہے۔ الکفاءۃ اس کیفیت کو کہتے ہیں جس کے ساتھ ایک چیز دوسرے کے مثل ہو جائے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ خاوند اپنی بیوی کی مثل ہے۔ علامہ زین الدین ابن نجیم المتوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں الاکفاء جمع کفوء بمعنی النظیر لغۃ والمراد ھھنا المماثلۃ بین الزوجین فی خصوص امور (بحرالرائق ص۱۳۷ ج ۳) علامہ فخرالدین زیلعی المتوفی ۷۶۲ھ لکھتے ہیں النظیر لغۃ یقال کافاہ ای ساواہ (تبیین الحقائق ص۱۲۸ ج ۲) یعنی اکفاء کفوء کی جمع ہے، اس کے اصلی معنی نظیر کے ہیں۔ اس مقام پر چند خاص امور میں مرد اور بیوی کے درمیان مماثلت مراد ہے یعنی نکاح میں کفوء سے مراد ایک مخصوص برابری ہے جس کا اعتبار مرد کی جانب سے ہوتا ہے۔ کیونکہ شریف عورت کے لیے کم تر مرد کا فراش ہونا ناگوار ہوتا ہے اور وہ خسیس مرد کے نیچے رہنا پسند نہیں کرتی بخلاف مرد کے وہ طالب فراش ہوتا ہے جس کے لیے کم تر فراش باعث عار نہیں ہے۔ جن امور میں کفوء کا اعتبار کیا گیا ہے وہ چھ چیزیں ہیں (۱) نسب (خاندان) کیونکہ لوگ نسب پر فخر کرتے ہیں۔ (۲) حریت (آزادی) (۳) اسلام (۴) دیانت (۵) مال

(۶) پیشہ ، نسب کے لحاظ سے مرد کا خاندان عورت کے خاندان کے برابر ہونا چاہیئے ۔ اگر مرد کا خاندان عورت کے خاندان سے ادنیٰ ہوا تو وہ عورت کے لیے کفوء نہ ہوگا ۔ پھر نسب کے لحاظ سے کفوء ہونا یہ عربوں کے لیے ہے عجمیوں کے لیے نہیں کیونکہ عجمی لوگ اپنا نسب ضائع کر چکے ہیں ۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں لان العجم ضیعوا انسابھم (شرح وقایہ ص۲۶ ج ۲ ، بحرالرائق ص۱۴۰ ج ۳ ، طحطاوی ص۴۲) جب عجمی لوگوں کے نسب کا اعتبار نہیں تو اسی وجہ سے عجمی مرد عربیہ عورت کے لیے کفوء نہیں ہوگا ، العجمی لایکون کفوا للعربیۃ ولوکان العجمی عالما او سلطانا وھوالاصح (درمختار ص۹۲ ج ۳) وظاھر الروایۃ انہ لایکافئھا فھوالمذھب (منحۃ الخالق ص۱۴۰) وظاھرالروایۃ ان العجمی لایکون کفوا للعربیۃ (بحرالرائق ص۱۴۰ ج ۳) عجمی اگرچہ بادشاہ اور عالم ہی کیوں نہ ہو عربی عورت کے لیے کفوء نہیں ہو سکتا ۔ یہی ظاہر روایۃ ہے اور یہی مذہب ہے اور یہی صحیح ہے ۔ اور درمختار میں یہ بھی ہے الحسیب بذی المنصب والجاہ غیرکفوء للعلویہ کما فی الینابیع[1] (درمختار ص۹۲ ج ۳) فتاویٰ عالمگیری میں ہے والاصح لایکون کفوا للعلویۃ (فتاوی عالمگیری ص۲۹۰) یعنی صاحبِ منصب وجاہ ذی حسب مرد علویہ خاتون کے لیے کفوء نہیں ہوسکتا جیسے کہ ینابیع میں ہے اور فتاوی عالمگیری میں اسی کو صحیح کہا گیا ہے اور یہ بات واضح ہے کہ جب ایک عجمی عالم اور بادشاہ ، عربی عورت کے لیے ظاہر روایۃ کے مطابق کفوء نہیں ہوگا تو یہ علویہ خاتون کے لیے بطریق اولیٰ کفوء نہیں ہوگا ۔ اور یہ بات بھی مسلّمہ ہے کہ فتویٰ ظاہر روایۃ پر ہوتا ہے اسی وجہ سے مسائل حنفیہ تین طبقات پر ہیں ۔ اوّل طبقہ وہ مسائل ہیں جو ظاہر روایات سے ثابت ہیں ۔ طبقہ دوم وہ مسائل ہیں جو نادر روایات سے ثابت ہیں ۔ طبقہ سوم میں وہ مسائل ہیں جو متاخرین مشائخ نے اصولِ حنفیہ کے مطابق حسبِ ضرورت خود اجتہاد کر کے ثابت کیے ہیں جن کو فتاویٰ اور واقعات کہتے ہیں ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ نے "عقد الجید" میں مفتی بہا مسائل کی تین قسمیں بیان کی ہیں ۔ اوّل قسم وہ ہے جو ظاہر روایت سے ثابت ہوں اور ان کا حکم یہ ہے کہ فتویٰ میں بلا تامل قبول کیے جائیں ۔ دوسری قسم وہ ہے جو آئمہ ثلاثہ سے بروایت شاذہ مروی ہیں ۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اصول کے موافق ہوں تو قبول کیے جائیں ورنہ نہیں ۔ تیسری قسم متاخرین کی تخریج ہے کہ اس پر جمہور متفق نہیں ہیں ، پس ان کو اصول اور کلامِ سلف کے نظائر سے مطابق کیا جائے ، اگر مطابق ہوں تو قبول کیا جائے ورنہ ترک کیا جائے ۔ "ظاہر روایات" امام محمد المتوفی ۱۸۹ھ کی وہ چھ کتابیں ہیں جن میں انہوں نے امام ابو حنیفہ المتوفی ۱۵۰ھ ، امام ابو یوسف المتوفی ۱۸۲ھ اور اپنے متفق علیہ ومختلف فیہ سب مسائل لکھ دیئے ہیں ۔ یعنی مبسوط ، زیادات ، جامع صغیر ، جامع کبیر ،

---

[1] ینابیع فی معرفۃ الاصول والتفاریع قدوری کی شرح ہے ، تفصیل بحث تاشیع میں دیکھیئے ۱۲

سیر صغیر، سیر کبیر، ان کتابوں کو ظاہر روایۃ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ مصنّف سے بروایت متواترہ و مشہور ثابت ہوئی ہیں لوگوں کا ان پر اعتماد ہے اور ان کے مسائل کو عام طور پر علماء حنفیہ نے تسلیم کیا ہے۔ "نوادرات" جو آئمہ مجتہدین سے ظاہر روایات کے سوا اور کتابوں سے ثابت ہیں، جیسے "رقیات" یعنی وہ مسائل جو امام محمدؒ نے شہر رقہ میں جمع کیے تھے اور کیسانیات" یعنی وہ مسائل جو امام محمدؒ نے ابن عمرو سلیمان بن شعیب کیسانی کو لکھوا دیئے تھے۔ اور "ہارونیات" جو امام محمدؒ نے خلیفۃ المسلمین ہارون رشید المتوفی ۱۹۳ھ کے عہد میں جمع کیے تھے، اسی طرح "جرجانیات" و نوادر ابن سماعۃ المتوفی ۲۳۳ھ، و نوادر ابن رستم المتوفی ۲۱۱ھ، ان کو نوادر اس لیے کہتے ہیں کہ یہ متفرق روایات ہیں: یہ ظاہر روایت کی طرح مشہور نہیں ہیں۔ "نوازل اور واقعات" وہ مسائل ہیں جو متاخرین نے حسبِ ضرورت اجتہاد کرکے ثابت کیئے ہیں جیسے نوازل سمرقندی یہ اس طبقہ میں فقیہ محقق ابواللیث سمرقندی المتوفی ۳۷۳ھ نے سب سے پہلے کتاب تصنیف کی ہے۔ اس کے بعد اس میں اور بہت سی کتابیں تصنیف ہوئیں۔ جیسے کہ ناطفی[1] نے مجموع نوازل اور صدر شہید[2] نے الواقعات تحریر کیں، (مقدمہ فتاوی ہندیہ صـ۹۴، فتاوی جماعتیہ صـ۲۹۴ ج ۲) ثابت ہوا کہ عجمی مرد عربی عورت کے لیے کفو نہیں بن سکتا، یہی ظاہر روایت اور مفتی بہ قول ہے۔ جب عجمی مرد عربی عورت کے لیے کفو نہیں ہو سکتا تو یہ مرد علویہ عورت کے لیے بطریقِ اولیٰ کفو نہیں ہوگا۔ جب علویہ خاتون کے لیے کفو نہیں ہوگا تو ظاہر ہے کہ سیّدہ کے لیے ہرگز کفو نہیں ہوگا، جب سیّدہ کے لیے غیر سیّد کفو نہیں بن سکتا تو نکاح بھی منعقد نہیں ہوگا۔ جب غیر کفو میں نکاح منعقد نہیں ہوتا تو اس سے یہ واضح طور پر ثابت ہوا کہ نکاح میں کفو کا بنیادی طور پر اعتبار ہے۔

ہمارے بعض معاصرین مسئلہ کفاءت میں اپنا موقف واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قرآن مجید، احادیث، آثارِ صحابہ اور مذاہب اربعہ کے فقہاء کے اقوال سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ نکاح میں کفو کا اصلاً اعتبار نہیں ہے (اردو شرح صحیح مسلم صـ۹۹۱ ج ۳) اس معاصر کا یہ قول غلط ہے کیونکہ نسب کی اہمیت قرآن سے ثابت ہے اور نکاح میں کفو کا اعتبار احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، ملاحظہ کیجئے امام حاکم اپنی سند کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا علی ثلاث لا تؤخرھن الصلوۃ اذا آنت والجنازۃ اذا حضرت والایم اذا وجدت کفوًا ھذا حدیث غریب صحیح ولم یخرجاہ، کہ اے علی تین چیزوں میں تاخیر نہ کرنا، ایک نماز جبکہ

---

[1] ابوالعباس احمد بن محمد بن عمر ناطفی المتوفی ۴۴۶ھ (مقدمہ ہدایہ صـ۱۲)

[2] امام حسام الدین صدر شہید المتوفی ۵۳۶ھ، ۱۲ (مفتی غلام رسول)

اس کا وقت آجائے اور دوسرا نماز جنازہ جب جنازہ حاضر ہو جائے اور تیسرا کہ غیر شادی شدہ عورت کا جب کفو مل جائے
یہ حدیث صحیح ہے امام بخاری اور امام مسلم نے اس کی تخریج نہیں کی (مستدرک ص ۱۶۲ ج ۲) حافظ ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ
بھی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے (تلخیص ذہبی ص ۱۶۲)

سوال امام ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں وما اراہ اسنادہ متصلا کہ میرے
خیال میں اس حدیث کی سند متصل نہیں ہے یہ حدیث منقطع ہے۔

جواب شیخ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ دقول الترمذی فیہ لا اری اسنادہ متصلا منتف مما ذکرناہ
من تصحیح الحاکم۔ امام ترمذی کا یہ کہنا کہ اس کی سند متصل نہیں ہے یہ حاکمؒ کی تصحیح کی وجہ سے منتفی ہے۔

ے امام حاکم کا اسم گرامی محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویہ بن نعیم اور کنیت اور ابو عبداللہ ہے۔ آپ نیشاپور کے رہنے والے ہیں۔ آپ
کی پیدائش ۳۲۱ھ ماہ ربیع الثانی میں ہوئی۔ آپ نے تحصیل علم کے سلسلہ میں نہایت جدوجہد کی۔ خراسان اور ماوراء النہر اور دیگر
بلادِ اسلامیہ میں جا کر دو ہزار مشائخ سے سند حدیث حاصل کی۔ آپ کے والد بھی ان کے تحصیل علم میں معاون رہے۔ اور آپ کے
والد امام مسلم کو دیکھنے والے تھے۔ امام حاکم اپنے والد سے بھی روایت کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں ابوالعباس محمد بن یعقوب اصم ابوعبداللہ
یعقوب بن الاخرم، ابوالعباس بن محبوب ابوعمرو عثمان بن سماک اور ابو علی حافظ نیشاپوری سے بھی روایت کرتے ہیں۔ امام دارقطنی
ابوذر ہروی المتوفی ۴۳۴ھ، ابویعلی، علامہ خلیلی المتوفی ۴۴۶ھ، ابوالقاسم قشیری ۴۶۵ھ، اور امام بیہقی آپ سے روایت کرتے ہیں۔
چونکہ عہدہ قضا پر فائز تھے لہٰذا آپ کا لقب حاکم پڑا۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی المتوفی ۱۲۳۹ھ لکھتے ہیں کہ امام حاکم کے زمانہ میں چار
شخص بہت بڑے محدث شمار کیے جاتے تھے، امام دارقطنی بغداد میں، امام حاکم نیشاپور میں، ابوعبداللہ بن مندہ المتوفی ۳۹۵ھ اصفہان میں اور
عبدالغنی المتوفی ۴۰۹ھ مصر میں، علماء محققین فرماتے ہیں کہ دارقطنی معرفت علل حدیث میں ممتاز مقام رکھتے تھے اور امام حاکم کو فن تصنیف
اور ترتیب میں اعلیٰ مقام حاصل تھا اور ابن مندہ کو کثرت حدیث میں برتری تھی اور عبدالغنی کو اسباب کی معرفت میں تبحر حاصل تھا۔ امام
حاکم کی تصنیف میں سے مستدرک کے علاوہ تاریخ نیشاپور، کتاب المدخل اور معرفت علوم الحدیث وغیرہ بھی ہیں۔ علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں
کہ ان کی تصانیف ایک ہزار پانچ سو اجزاء کے قریب پہنچی ہے۔ امام حاکم علوم میں مہارت تامہ رکھتے تھے مگر علم حدیث میں زیادہ مشغلہ رکھنے کی وجہ
سے فن حدیث میں زیادہ مشہور ہوئے۔ آپ نے تفسیر میں بھی کتاب الاکلیل تحریر فرمائی ہے جو نہایت معیاری تفسیر اور بہت عمدہ ہے۔ شاہ
عبدالعزیز محدث دہلوی آپ کی وفات کے متعلق لکھتے ہیں کہ ایک دن حمام میں غسل کے لیے تشریف لے گئے فارغ ہونے کے بعد
کپڑے پہنے ہوئے باہر تشریف لائے تو ایک آہ کھینچی اور جان بحق ہو گئے۔ یہ واقعہ ماہ صفر ۴۰۵ھ میں ہوا۔ انتقال کے بعد کسی شخص

یعنی جب امام حاکم اس کی صحت بیان کر رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ حدیث صحیح ہے تو پھر امام ترمذی کا قول درست نہیں ہے، اور حافظ ذہبی اور ابن ہمام بھی کہہ رہے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے جس سے ثابت ہوا کہ اعتبار کفو کے سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث سند صحیح سے مروی ہے اور نکاح میں کفو کا اعتبار ہے۔ اور امام حاکم اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت بھی کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا **تخیروا لنطفکم فانکحوا الاکفاء وانکحوا الیھم تابعہ عکرمہ بن ابراھیم عن ھشام بن عروۃ** (مستدرک ص۱۶۲ ج ۲) کہ اپنی اولاد کے لیے رشتہ پسند کرو خود بھی کفو میں نکاح کرو اور کفو میں رشتہ دو۔ عکرمہ بن ابراہیم نے اس کی متابعت کی ہے، یعنی عکرمہ بن ابراہیم نے بھی اس حدیث کو بیان کیا ہے۔

سوال: علامہ ذہبی لکھتے ہیں **قلت الحارث متھم وعکرمۃ ضعفوہ** (تلخیص ذہبی ص۱۶۳) کہ یہ حدیث حارث سے مروی ہے اور وہ متہم ہے، اور عکرمہ بن ابراہیم نے اس کی متابعت کی ہے اور اس کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اس سے نکاح میں کفو کا معتبر ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

جواب: علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ حضرت انس اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے بلکہ متعدد طرق سے مروی ہے۔ یہ حدیث حسن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہونے کی وجہ سے قابلِ حجت اور قابلِ استدلال ہے۔ حدیث کی صحت اور حجیت کے لیے یہی کافی ہے۔ اس کے علاوہ برہان الدین حلبی المتوفی ۸۴۱ھ نے شرح بخاری میں، علامہ بغوی المتوفی ۵۱۶ھ سے ذکر کیا ہے انہ حسن کہ یہ حدیث حسن ہے، ثابت ہوا کہ یہ حدیث عائشہ صحیح ہے اور قابلِ استدلال ہے اور نکاح میں کفو معتبر ہے۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا **الا لا یزوج النساء الا الاولیاء ولا یزوجن الا من الاکفاء** (درایہ ص۶۸۵) کہ عورتوں کا نکاح صرف ان کے کفو میں کیا جائے اور ان کا نکاح صرف ان کے اولیاء کریں اور ان کا مہر دس درہم سے کم نہ ہو۔ اس حدیث کو صاحب ہدایہ نے ہدایہ ص۲۹۹ میں اور علامہ زیلعی نے شرح کنز میں بھی ذکر کیا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نکاح میں کفو کا اعتبار ہے۔

نے خواب میں دیکھا تو یہ فرما رہے تھے کہ میں نے نجات پائی۔ دیکھنے والے نے دریافت کیا کہ کس سبب سے؟ تو جواب دیا کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر سے (بستان المحدثین ص۲۰) علامہ ابن ہمام کہتے ہیں کہ امام حاکم نے جب اس حدیث کی تصحیح بیان کر دی ہے تو اب امام ترمذی کا اس کو منقطع بتانا درست نہیں ہے بلکہ حدیث صحیح ہے، ۱۲ (مفتی غلام رسول)

سوال : حافظ زیلعی اس کی سند پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کی سند میں ایک راوی مبشر بن عبید ہے ۔ دارقطنی نے کہا ہے کہ مبشر بن عبید متروک الحدیث ہے ، اس کی حدیث کا کوئی متابع نہیں ہے ۔

جواب : علامہ ابن ہمام کہتے ہیں اگرچہ اس کی سند میں مبشر بن عبید ہے لکنہ حجۃ بالتضافر والشواھد لیکن یہ حدیث اپنے شواہد کی وجہ سے صحیح اور قابلِ حجت ہے ۔ امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے قال لامنعن فروج ذوات الاحساب الا من الاکفاء کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ممانعت کروں گا مگر یہ کہ شریف زادیاں اور بڑی عزت والیاں اپنی کفوء میں نکاح کریں یعنی میں چاہتا ہوں کہ بڑے خاندان والیاں اپنے کفوء میں ہی نکاح کریں ۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی حدیث جابر کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث بھذا الاسناد حسن اس سند کے ساتھ صحیح ہے ۔ (فتح القدیر ص ۲۹۲) اور حافظ زیلعی نے شرح کنز میں نکاح میں کفوء کے معتبر ہونے پر خود اس حدیث جابر کو بطور استدلال پیش کیا ہے ۔ ملاحظہ کیجئے فرماتے ہیں اعلم ان الکفاءۃ معتبرۃ فی النکاح لما روی جابر انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام قال الا لایزوج النساء الا الاولیاء ولایزوجن الا من الاکفاء ، زیلعی شرح کنز ص ۱۲۸ کہ نکاح میں کفوء کا اعتبار کیا گیا ہے کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کا نکاح صرف ان کے اولیاء کریں اور نکاح صرف ان کے کفوء میں کیا جائے اور جو لوگ کفوء کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمام لوگ برابر ہیں ، عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے ، فضیلت کا معیار صرف تقویٰ اور پرہیز گاری ہے ۔ حافظ زیلعی نے آخر میں ان کا جواب بایں الفاظ دیا ہے قلنا المراد بہ فی حکم الآخرۃ و کلامنا فی الدنیا (زیلعی شرح کنز ص ۱۲۸ ج ۲) کہ یہ جو کہا گیا ہے کہ فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے اس کا تعلق صرف آخرت سے ہے اور ہماری بات دنیا سے متعلق ہے ۔ یعنی نکاح میں کفوء کا معتبر ہونا اس کا تعلق دنیا سے ہے اور تقویٰ کا تعلق صرف آخرت سے ہے ۔ جب علامہ زیلعی خود اس حدیث جابر سے اعتبار کفوء پر استدلال پیش کر رہے ہیں تو ان کی جرح غیر معتبر ہو گی ۔

صاحب معارف القرآن" حدیث جابر کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار و اقوال سے اس کی تائید ہو کر حدیث قابلِ استدلال ہو جاتی ہے ۔ امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ میں یہ حکم جاری کروں گا کہ کسی بڑے اونچے معروف خاندان کی لڑکی کا نکاح دوسرے کم درجے والے سے نہ کیا جائے ۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی تائید کی کہ نکاح میں کفاءت کی رعایت کی جائے جو متعدد اسانید سے منقول ہے ۔ امام ہمام نے

بھی فتح القدیر میں اس کی تفصیل لکھی ہے (معارف القرآن ص۱۵۷) اس سے بھی ظاہر ہے کہ حدیث جابر صحیح اور قابلِ استدلال ہے۔ جب اس حدیث جابر کی صحت علامہ ابن ہمام، حافظ ابن حجر عسقلانی ذکر کر رہے ہیں اور حافظ زیلعی اس کو قابلِ استدلال اور قابلِ حجت سمجھتے ہیں اور فقہاء احناف اس کو کفوء کے معتبر ہونے پر بطور دلیل پیش کر رہے ہیں تو یہ حدیث صحیح ہے لہذا ہمارے معاصر کا یہ کہنا کہ نکاح میں کفوء کا اصلاً اعتبار نہیں ہے، صرف غلط ہی نہیں بلکہ باطل بھی ہے۔ دیکھئے فقہاء حنفیہ نکاح میں کفوء کے معتبر ہونے کے متعلق لکھتے ہیں قدوری میں ہے "والکفاءۃ فی النکاح معتبرۃ" قدوری ص۱۳۷، ہدایہ میں ہے "الکفاءۃ فی النکاح معتبرۃ" ہدایہ ص۲۹۹، علامہ زیلعی لکھتے ہیں "اعلم ان الکفاءۃ معتبرۃ فی النکاح" زیلعی شرح کنز ص۱۲۸، علامہ شلبی فرماتے ہیں "ان الکفاءۃ معتبرۃ" حاشیہ ص۱۲۸، علامہ ابن ہمام کہتے ہیں "الکفاءۃ فی النکاح معتبرۃ" فتح القدیر ص۲۹۱ عنایہ شرح ہدایہ میں ہے "فہی معتبرۃ فی النکاح" درمختار میں ہے "تعتبر الکفاءۃ للزوم النکاح" درمختار ص۸۶ ج ۳، فتاوی قاضیخان میں ہے "الکفاءۃ معتبرۃ فی النکاح" فتاویٰ خانیہ ص۳۴۹ فتاوی عالمگیری میں ہے "الکفاءۃ معتبرۃ فی الرجال للنساء للزوم النکاح کذا فی محیط السرخسی" شامی میں ہے "وذھب جمہور مشائخنا الی انہا معتبرۃ" رد مختار ص۸۶ ج۳ ان عبارات سے ثابت ہوا کہ نکاح میں کفوء کا اعتبار ہے اور علامہ شامی ساتھ یہ بھی لکھتے ہیں کہ علامہ نوح نے حاشیہ درر میں لکھا ہے کہ امام ابوالحسن کرخی اور امام ابوبکر حصاص یہ دونوں عراق کے بہت بڑے عالم تھے اور مشائخ عراق ان کے تابع تھے ان سب نے کہا ہے کہ نکاح میں کفوء کا اعتبار نہیں ہے ولو لم تثبت عندھم ھذہ الروایۃ عن ابی حنیفۃ لما اختاروھا (ردالمحتار ص۸۶ ج ۳) اور اگر ان اماموں کے نزدیک امام ابوحنیفہ کا ایسا قول نہ ہوتا تو وہ اس قول کو اختیار نہ کرتے۔ ہمارا معاصر لکھتا ہے کہ علامہ شامی کی اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ کفوء کے غیر معتبر ہونے میں امام ابوحنیفہ کا بھی قول موجود ہے اور یہی قرین قیاس بھی ہے لیکن ہم کہتے ہیں امام کرخی اور ابوبکر جصاص کے نزدیک امام ابوحنیفہ کا کوئی قول نہیں تھا کہ نکاح میں کفوء کا اعتبار نہیں ہے بلکہ امام کرخی نے یہ قول امام مالک اور سفیان ثوری کا لیا ہے اور ابوبکر جصاص نے اپنے استاذ کرخی سے لیا ہے۔ ان دونوں میں سے کسی کے پاس بھی ابوحنیفہ کی روایت موجود نہیں تھی۔ حاشیہ درر میں علامہ نوح سے یہ تساہل ہوا بلکہ غلطی ہوئی اور اسی تساہل اور غلطی کا اعادہ علامہ شامی نے کر دیا۔ دیکھئے قاضی خان لکھتے ہیں الکفاءۃ معتبرۃ فی النکاح خلافا لمالک رحمہ اللہ تعالیٰ وسفیان وجماعۃ من الصحابۃ رضوان اللہ علیہم اجمعین وعن الکرخی رحمہ اللہ انہ اخذ بقولہم (فتاویٰ قاضی خان ص۳۴۹) کہ کفاءت نکاح میں معتبر ہے لیکن امام مالک اور سفیان ثوری کفاءت فی النکاح کے قائل

نہیں ہیں اور کرخی نے بھی ان کا قول لیا ہے قاضی خان نے جب تصریح کردی ہے کہ کرخی نے امام مالک اور سفیان وغیرہ کا قول لیا ہے تو اب ظاہر ہے کہ امام کرخی نے ابوحنیفہ کا قول نہیں لیا کیونکہ ابوحنیفہ سے کفو کے غیر معتبر ہونے میں کوئی قول موجود نہیں تھا۔ جب تصریح موجود ہو تو پھر یہ کہنا کہ قرین قیاس یہ ہے کہ کفو کے غیر معتبر ہونے میں امام ابوحنیفہ کا قول موجود ہے صراحۃً غلط ہے کیونکہ ابوحنیفہ سے کفو کے غیر معتبر ہونے میں کوئی روایت ہی نہیں ہے پھر جبکہ قاضی خان تصریح کر رہے ہیں کہ امام کرخی نے امام مالک اور سفیان ثوری کا قول لیا ہے تو پھر قاضی خان کا بھی قول معتبر ہوگا۔ علامہ نوح اور علامہ شامی کا قول معتبر نہیں ہوگا کیونکہ قاضی خان فقہاء کے "طبقہ ثالثہ" یعنی مجتہد فی المسائل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا منصب یہ ہے کہ جہاں صاحب مذہب سے کوئی نص صریح نہ ہو تو یہ صاحب مذہب کے مقرر کردہ قواعد وضوابط کے مطابق اجتہاد واستنباط کرتے ہیں لہٰذا ان کا قول معتمد علیہ ہوتا ہے اسی لیے علامہ قاسم قطلوبغا کہتے ہیں "قاضی خان اجل من یعتمد علیہ وتصحیحہ مقدم علی تصحیح غیرہ اگر قاضی خان کسی مسئلہ کی کسی کے مقابلہ میں تصحیح کریں تو قاضی خان کی تصحیح کا اعتبار ہوگا۔ لہٰذا جب قاضی خان نے تصریح کردی ہے کہ امام کرخی نے امام مالک اور سفیان ثوری کے قول کو اخذ کیا ہے تو ثابت ہوا کہ ابوحنیفہ نکاح میں کفو کے معتبر ہونے کے قائل ہیں اسی لیے جو فقہاء صحیح معنوں میں امام ابوحنیفہ کے مقلد ہیں، وہ کفارت فی النکاح کے قائل ہیں۔ امام ابوحنیفہ سے کوئی معتمد علیہ روایت اس کے خلاف مروی نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی بھی فرماتے ہیں "الکفاءۃ تعتبر" کہ نکاح میں کفو کا اعتبار ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ص۷۹) غرضیکہ فقہاء حنفیہ نکاح میں کفو کو معتبر سمجھتے ہیں۔ اور یہ بات بھی پیش نظر ہے کہ مسئلہ کفاءت میں ایک ظاہر روایت ہے اور دوسری حسن بن زیاد کی روایت ہے، تفصیل آگے آرہی ہے لیکن مفتیٰ بہا روایۃ حسن بن زیاد کی ہے۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے وان لم یکن کفوا لا یجوز النکاح اصلاً وھو المختار فی زماننا روایۃ الحسن قال الشیخ الامام شمس الائمۃ السرخسی روایۃ الحسن اقرب الی الاحتیاط اور اگر کفو نہ ہو تو نکاح بالکل ہی منعقد نہیں ہوگا اور ہمارے زمانہ میں حسن بن زیاد کی روایت ہی مختار ہے۔ شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں کہ حسن بن زیاد کی روایت احتیاط کے بہت قریب ہے۔ اور علامہ شامی نے لکھا ہے "تعتبر الکفاءۃ للزوم النکاح ای علی ظاہر الروایۃ ولصحتہ علی روایۃ الحسن المختارۃ للفتویٰ (ردالمحتار ص۸۶ ج ۳) ظاہر روایت کے مطابق نکاح کے لزوم میں کفاءت معتبر ہے۔ اور حسن بن زیاد کی روایت یہ ہے کہ کفاءت نکاح کی صحت کی شرط ہے اور یہی مفتیٰ بہا ہے۔ ہمارا معاصر یہ بھی لکھتا ہے کہ علامہ شامی اور دیگر فقہاء نے ظاہر روایت کو چھوڑ کر اور حسن بن زیاد کی روایت پر فتویٰ دے کر

خلافِ اصول کیا ہے، کیونکہ اصول یہ ہے کہ فتویٰ ظاہر روایت کے مطابق ہوتا ہے اور جب دو روایتوں میں تعارض ہو جائے تو پھر بھی فتویٰ ظاہر روایت کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ اس کی غلط فہمی ہے کیونکہ اس اصول پر اس وقت عمل ہوتا ہے جب کہ فقہاء یہ تصریح نہ کریں کہ فتویٰ ظاہر روایت کے خلاف ہے۔ اگر فقہاء ظاہر روایت کے خلاف کسی دوسری روایت پر فتویٰ دے کر یہ کہتے ہیں کہ فتویٰ کے لیے یہ مختار روایت ہے اور یہی اقرب الی الاحتیاط ہے اور یہ ہی فسادِ زمانہ کی وجہ سے فتویٰ کے لیے مختار ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، تو اتنے تصریحات ہونے پر اس اصول مذکورہ بالا پر عمل نہیں ہوگا بلکہ اس اصول سے یہ قاعدہ گویا کہ مستثنیٰ ہوگا کہ بوقت تعارض فتویٰ ظاہر روایت پر ہوگا لیکن اگر فقہاء نے تصریح کردی کہ فتویٰ ظاہر روایت پر نہیں ہوگا بلکہ دوسری روایت پر ہوگا تو یہ اصول کے خلاف نہیں ہے بلکہ اصول سے اقرب الی الاحتیاط ہونے کی وجہ سے یہ صورت مستثنیٰ ہوگی جیسے کہ مسئلہ زیر بحث میں اگر آزاد عاقلہ بالغہ عورت نے غیر کفوٗ میں نکاح کیا تو ظاہر روایت کے مطابق نکاح کے لزوم میں کفاءت معتبر ہے۔ لیکن حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق کفاءت نکاح کی صحت کی شرط ہے اور فتویٰ اسی پر ہے کہ نکاح بالکلیہ منعقد نہیں ہوگا۔ اصول تو یہ ہی ہے کہ فتویٰ ظاہر روایت کے مطابق ہوتا ہے لیکن اس پر عمل اس وقت ہوگا جب فقہاء ظاہر روایت کے خلاف کسی اور روایت پر فتویٰ دینے کی تصریح نہ کریں، اگر تصریح کردیتے ہیں تو پھر فتویٰ ظاہر روایت پر نہ ہوگا بلکہ دوسری روایت پر ہوگا جس کو مفتیٰ بہا قرار دیا جا رہا ہے یہ صورت نہیں ہوئی کہ انہوں نے خلافِ اصول فتویٰ دے دیا بلکہ یہ لوگ ہم سے فتویٰ کے اصولوں کو زیادہ جانتے ہیں۔ یہ بھی ان کا ایک اصول ہے کہ جب کسی وجہ سے ظاہر روایت کے خلاف فتویٰ دے دیں تو فتویٰ اسی روایت پر ہوگا ظاہر روایت پر نہیں ہوگا جیسے کہ شمس الائمہ سرخسی اور قاضی خان اور علامہ شامی اور دیگر فقہاء نے تصریح کی ہے کہ فتویٰ حسن بن زیاد کی روایت پر ہے اور ظاہر روایت پر نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی بھی لکھتے ہیں یفتی فی غیر الکفوء بعدم جوازہ اصلاً وھو المختار للفتویٰ لفساد الزمان کہ اگر نکاح غیر کفوٗ میں ہوا تو اس کے عدم جواز کا بالکلیہ فتویٰ دیا جائے گا اور یہی قول فساد زمانہ کی وجہ سے فتویٰ کے لیے مختار ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ص۶۹ ج ۵) کیا یہاں بھی یہ ہی کہا جائے گا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے خلاف اصول فتویٰ دیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے معاصر کو غلط فہمی ہوگئی ہے کہ فقہاء خلافِ اصول فتویٰ دے رہے ہیں۔ خلافِ اصول اس وقت بات ہوتی جب فقہاء دوسری روایت کے مفتیٰ بہا ہونے کی تصریح نہ کرتے۔ جب بڑے بڑے آئمہ اور فقہاء نے تصریح کردی ہے کہ فتویٰ حسن بن زیاد کی روایت پر ہے تو پھر یہ خلاف اصول نہیں ہے بلکہ یہ ایک استثنائی قاعدہ ہے جس کے مطابق حسن بن زیاد کی روایت کو قابلِ فتویٰ قرار دیا گیا ہے۔ اور مقدمہ ہدایہ

ھدایہ ص ۹۷ میں ہے کہ واضح ہو کہ کبھی ظاہر مذہب کی روایت کو چھوڑ کر روایت نادرہ لیتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی نے اپنی بیوی سے حالت حیض میں جماع کیا تو شمس الائمہ نے کہا کہ تکفیر ہے اور نوادر میں امام محمد سے مروی ہے کہ تکفیر نہیں ہے "وھو الصحیح کذا ذکرہ القاری" اور فتویٰ اس روایت پر ہے کہ وہ کافر نہیں ہوتا اور یہی صحیح ہے جیسے کہ علی قاری نے ذکر کیا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ بعض دفعہ ظاہر روایت کے خلاف فتویٰ دیا جاتا ہے، وہ خلافِ اصول نہیں ہوتا کیونکہ روایت نادرہ کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ خلافِ اصول ہے بلکہ روایت بطریق ندرت ہے۔ بایں معنی کہ دوسرے شاگردوں سے متابعت نہیں پائی جاتی۔ (مقدمہ ہدایہ ص ۹۷) لہٰذا قاضی خان اور شمس الائمہ اور علامہ شامی اور دیگر فقہاء نے حسن بن زیاد کی روایت پر فتویٰ دیا ہے وہ اصول کے مخالف نہیں ہے کیونکہ روایت نادرہ پر فتویٰ دینا خلافِ اصول نہیں ہے۔ پھر حسن بن زیاد کی روایت کو امام سرخسی، قاضی خان اور صاحب ہدایہ بھی ذکر کر رہے ہیں۔ امام سرخسی اور قاضیخان طبقہ ثالثہ سے تعلق رکھتے ہیں جو کہ درجہ اجتہاد پر فائز ہیں اور صاحب ہدایہ طبقہ خامسہ سے ہیں جو کہ صاحبِ ترجیح ہیں جیسے کہ عنقریب تفصیل آرہی ہے۔ اگر یہ ظاہر روایت کے خلاف کوئی روایت ذکر کریں تو ان پر اعتماد کیا جاتا ہے نعم اذا وجد النقل عن النوادر مثلاً فی کتاب مشھور کالھدایہ والمبسوط کان ذالك تعویلاً علی ذالك الکتاب (مقدمہ عمدۃ الرعایہ ص ۱۱) اس سے واضح بلکہ واضح تر ہوا کہ اگر فقہاء ظاہر روایت کو چھوڑ کر دوسری روایت پر فتویٰ دیتے ہیں تو یہ خلافِ اصول نہیں ہے بلکہ اصول کے قواعد سے ایک استثنائی قاعدہ ہے، جس کے مطابق حسن بن زیاد کی روایت پر فتویٰ دیا گیا ہے کہ غیر کفؤ میں بنیادی طور پر اصلاً نکاح نہیں ہوتا۔ اور یہ کہنا کہ اگر کفاءت شرط ہوتی تو اس کا سب سے زیادہ اعتبار قصاص میں کیا جاتا ہے جتنی احتیاط قصاص کے باب میں ہوتی ہے اور کسی باب میں نہیں ہوتی۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ اعلیٰ شخص کو ادنیٰ شخص کے بدلہ میں قتل کر دیا جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس حدیث کے مقابلہ میں ہے اور جو قیاس حدیث کے مقابلہ میں ہو اس کو ترک کیا جاتا ہے۔ دیکھئے علماء اصول لکھتے ہیں" والراوی ان عرف بالفقہ والتقدم فی الاجتھاد کالخلفاء الراشدین وعائشۃ و ابوموسیٰ الاشعری کان حدیثہ حجۃ یترك بہ القیاس (اصول شاشی ص ۷۵، معلم الاصول ص ۲۲۳، نور الانوار ص ۱۷۸) یعنی اگر راوی فقیہ اور مجتہد ہے تو اس کی مروی حدیث حجت ہے اس کے ساتھ قیاس کو ترک کیا جاتا ہے۔ جب ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ کی مروی احادیث صحیح ہیں اور دونوں راوی فقیہ اور مجتہد ہیں تو ان کی احادیث کے سامنے قیاس کو پیش کرنا اصول کے منافی ہے۔ لہٰذا کفاءت کا نکاح میں تو اعتبار ہوگا اور قصاص میں اعتبار نہیں ہوگا۔

اور ہمارے معاصر نے جو یہ لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش کا نکاح زید بن حارثہ سے کیا تھا اور اپنی دونوں صاحبزادیوں حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان سے کیا تھا اور حضرت علی نے اپنی بیٹی ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر فاروق سے کیا تھا اور فاطمہ صغریٰ کا نکاح عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان کے ساتھ ہوا تھا، یہ تمام غیر کفوء میں ہوئے تھے تو ان کے جوابات آگے آ رہے ہیں۔ باقی زبیر بن عبدالمطلب کی لڑکی ضباعہ کا نکاح جو مقداد بن اسود سے کیا گیا تھا اور ابو ہند کا نکاح بنو بیاضہ کی عورت سے ہوا تھا اور حضرت بلال کا نکاح ایک انصاری عورت سے ہوا تھا، اور فاطمہ بنت قیس کا نکاح اسامہ بن زید سے ہوا یہ تمام نکاح غیر کفوء میں تھے تو اسکا جواب صاحب معارف القرآن لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں متعدد نکاح اس طرح غیر کفوء میں اسی قسم کی دینی مصالح کی بنا پر کیئے گئے تھے سے اصل مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا (معارف القرآن ص۱۵۱) صاحب معارف القرآن کی کلام کا مطلب یہ ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں ایسے نکاح ہوئے یعنی غیر کفوء میں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کفاءت کی ہی نفی ہو جائے بلکہ جہاں تک کفوء کا تعلق ہے وہ اپنی جگہ برقرار ہے کہ نکاح میں کفوء کا اعتبار کیا جائے گا۔ ان واقعات کے پیش نظر یہ نہیں کہا جائے گا کہ اب کفوء کا خاتمہ ہو گیا ہے بلکہ ہر لحاظ میں کفوء نکاح میں معتبر ہی معتبر ہے۔ اور ابو حذیفہ کا اپنی بھتیجی ہند بنت ولید بن عتبہ کا نکاح اپنے غلام سالم کے ساتھ کرنے کا جو واقعہ ہے اس سے بھی مطلق کفوء کی نفی نہیں ہوتی۔ دیکھئے "صاحب معارف القرآن" لکھتے ہیں حاصل یہ ہے کہ نکاح میں کفاءت و مماثلت کی رعایت کرنا دین میں مطلوب ہے تاکہ زوجین میں موافقت رہے لیکن کوئی دوسری اہم مصلحت اس کفاءت سے بڑھ کر سامنے آجائے تو عورت اور اس کے اولیاء کو اپنا یہ حق چھوڑ کر غیر کفوء میں نکاح کرلینا جائز ہے خصوصاً جبکہ کوئی دینی مصلحت پیش نظر ہو جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعدد واقعات سے ثابت ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان واقعات سے "اصل مسئلہ کفاءت" کی نفی نہیں ہوتی۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ جہاں تک کفاءت کا تعلق ہے وہ ان جزوی نکاحوں سے جو کسی مصلحت کے ماتحت کیے گئے تھے متاثر نہیں ہوگا اور مسئلہ کفاءت اپنی جگہ برقرار رہے گا اور نکاح میں معتبر ہوگا۔ اور یہ کہنا کہ ابن سیرین بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے مافی شئی من امر الجاھلیۃ غیر شیئین غیر انی الست ابالی ای المسلمین انکحت و بایھن انکحت کہ زمانہ جاہلیت کی صرف دو چیزیں میں نے باقی رکھی ہیں۔ ایک یہ کہ میں کسی مسلمان کے ساتھ رشتہ کروں مجھے اس میں عار نہیں ہے۔ دوسری یہ کہ میں کسی مسلمان عورت کیساتھ نکاح کرلوں مجھے اس میں عار نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہاں دو چیزیں ذکر فرمائی ہیں ایک یہ کہ میں کسی مسلمان کے ساتھ رشتہ

کرلوں یہ ایک آپ کا ذاتی ارادہ ہے جس کا اظہار فرما رہے ہیں۔ اس سے کفوٗ کی نفی نہیں کرتے ہے یہ بھی کسی مصلحت کی بنا پر ہوا جیسے کہ صحابہ کے زمانہ میں بھی اگر کوئی نکاح غیر کفوٗ میں کسی مصلحت کی بنا پر ہوا تو اصل مسئلہ کفارت کو وہ متاثر نہیں کرتا۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی نفس مسئلہ کفاءت کو متاثر نہیں کرے گا۔ دوسرا یہ فرمایا کہ میں کسی مسلمان عورت سے نکاح کرلوں تو مجھے عار نہیں ہے۔ یہ صورت تو پہلے سے ہی جائز ہے کیونکہ مرد خواہ کتنے اونچے نسب کا کیوں نہ ہو وہ اگر کسی گھٹیا اور ادنیٰ قبیلے کی عورت سے نکاح کرتا ہے تو یہ شرعاً جائز ہے کیونکہ کفوٗ کا اعتبار تو مرد کی جانب سے ہوتا ہے کہ اعلیٰ نسب کی عورت کے لیے ادنیٰ نسب کا مرد نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ شریف عورت کو کمتر کا فراش ہونا ناگوار ہوتا ہے اور وہ خسیس کے نیچے رہنا پسند نہیں کرتی بخلاف مرد کے وہ طالب فراش ہوتا ہے جس کے لیے کمتری باعث عار نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ میں کسی مسلمان عورت سے نکاح کرلوں مجھے عار نہیں ہے یہ تو صورت ویسے ہی جائز ہے۔ غرضیکہ دونوں صورتوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کفوٗ کی نفی نہیں کی بلکہ پہلے "کتاب الآثار" کے حوالہ سے گذر چکا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں یہ حکم جاری کروں گا کہ کسی بڑے اونچے خاندان کی لڑکی کا نکاح دوسرے کم درجے والے سے نہ کیا جائے جس سے ظاہر ہے کہ نکاح میں کفاءت کا اعتبار کیا گیا ہے۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ علامہ ابن حزم اندلسی المتوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں کہ حضرت حسن مثنیٰ کی متعدد بیٹیاں تھیں جن میں سے چار کا نکاح غیر سادات سے ہوا ہے۔ حضرت زینب کا نکاح ولید بن عبدالملک سے۔ حضرت فاطمہ کا نکاح معاویہ بن عبداللہ سے، حضرت ملیکہ کا نکاح معاویہ بن عبداللہ سے اور ام قاسم کا نکاح مروان بن آبان بن عثمان بن عفان سے ہوا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حسن مثنیٰ کی جن صاحبزادیوں کے نکاح اموی خاندان میں ہوئے تھے وہ محل نظر ہیں کہ معرکہ کربلا کے بعد یہ شہزادیاں اموی خاندان کے گھرانوں میں برضا کیسے نکاح کرسکتی تھیں۔ اگر بقول ابن حزم ہوئے ہیں تو پھر یہ کسی مصلحت پر مبنی تھے۔ اور صاحب معارف القرآن کے حوالہ سے متعدد مرتبہ گذر چکا ہے کہ جو نکاح کسی دینی مصلحت کی بنا پر غیر کفوٗ میں ہو وہ اصل کفاءت کی نفی نہیں کرتا۔ لہٰذا جہاں تک کفاءت کے مسئلہ کا تعلق ہے وہ برقرار ہے اسی لیے فقہاء حنفیہ بمعہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کفوٗ کو نکاح میں معتبر سمجھتے ہیں اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی فرماتے ہیں کہ نکاح غیر کفوٗ میں اصلاً منعقد نہیں ہوتا۔ اگر ان نکاحوں مذکورہ بالا کے پیش نظر کفوٗ کی نفی ہو جاتی تو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی بار بار فتاویٰ رضویہ میں یہ نہ لکھتے کہ نکاح غیر کفوٗ میں اصلاً منعقد نہیں ہوتا۔ اعلیٰ حضرت کا یہ لکھنا کہ نکاح غیر کفوٗ میں اصلاً منعقد نہیں ہوتا، اس بات کی واضح اور روشن دلیل ہے کہ برتقدیر صدق ان مذکورہ نکاحوں سے کفوٗ کی نفی نہیں ہوتی۔ اور جو ہمارے

معاصر نے کفوٗ کی تحقیق لکھتے ہوئے علامہ سرخسی کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام لوگ کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر ہیں۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت نہیں ہے، افضلیت صرف تقوٰی سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کا جواب علامہ سرخسی خود اس کے بعد دے رہے ہیں دیکھیئے فرماتے ہیں والمراد من الآثار اللتی رواھ فی احکام الآخرۃ و بہ نقول ان التفاضل فی الآخرۃ بالتقوٰی (مبسوط ص۲۳ ج ۴) کہ وہ آثار اور روایات جن سے برابری اور ایک دوسرے پر فضیلت کی نفی معلوم ہوتی ہے ان کا تعلق آخرتؒ سے ہے نہ کہ دنیا سے اور یہی جواب علامہ زیلعی نے بھی شرح کنز میں کفاءت فی النکاح کے معتبر ہونے پر ذکر کیا ہے۔ لہٰذا وہ روایات جن میں ہے کہ تمام لوگ کنگھی کے دندانوں کی طرح ہیں یا کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت نہیں، اس سے نہ تو کفاءت کی نفی ہوتی ہے اور نہ ہی ان روایات اور آیت کریمہ "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" کا نکاح سے تعلق ہے اور نہ ہی امام سرخسی ان روایات اور آیت کریمہ کو پیش کرکے کفاءت فی النکاح کی نفی کرنا چاہتے ہیں۔ دراصل امام سرخسی نے ان روایات اور آیت کا ذکر اس لیے کیا ہے تاکہ وضاحت کریں ان کا اصل مصداق اور مفہوم آخرت سے متعلق ہے۔ اس سے کفاءت فی النکاح کی نفی نہیں ہوتی بلکہ ان کا ایک الگ مفہوم ہے جو آخرت کے ساتھ متعلق ہے۔ اب ہمارے معاصر کا صرف ان رویت کا ذکر کرنا اور جو امام سرخسی نے ان روایات کا جواب ذکر کیا ہے اس کا ذکر نہ کرنا جیسے کہ امام سرخسی کے ساتھ بن وت اور خیانت ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کے ساتھ بھی ایک بہت بڑا فریب اور دھوکہ ہے۔ جب کوئی شخص مسائل شرعیہ میں بھی فریب اور دھوکہ دہی سے باز نہ رہے تو پھر اس کے لیے ایسی دینی تحقیق آخرت کے لیے توشہ نہیں بن سکتی۔ آخر میں یہ صاحب لکھتے ہیں کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ لڑکی اور ولی کی رضا کے باوجود سادات کا نکاح غیر سادات سے حرام ہے یہ محض بے سند قول ہے اور اللہ اور رسول کے حلال کیے ہوئے کو حرام کرنے کے مترادف ہے۔ ہم اس قول سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں، چونکہ اس زمانہ میں اس مسئلہ میں بہت غلو کیا جا رہا ہے اور اگر سادات میں سے کوئی شخص غیر کفوٗ میں رشتہ کردے تو اس کو حرام زنا اور نہ جانے کیا کچھ کہا جاتا رہا ہے اور اب تک کسی شخص نے اس مسئلہ پر تحقیق اور تفصیل

لہ اس کی تائید اس حدیث سے ہے لایسألکم عن احسابکم ولا انسابکم یوم القیمۃ اکرمکم عند اللہ اتقاکم (کنزالعمال ص۹۴ ج ۳) کہ تمہارے حسبوں اور نسبوں سے قیامت کے دن سوال نہیں ہوگا بلکہ اللہ کے ہاں تو وہ مکرم ہوگا جو زیادہ متقی ہوگا۔ اب اس حدیث میں صراحت موجود ہے کہ اس آیت کریمہ کا تعلق آخرت سے ہے۔ اسکا تعلق نکاح وغیرہ سے نہیں ہے اور نہ ہی اس سے کفاءت کی نفی پر استدلال صحیح ہے۔ (مفتی غلام رسول)

سے قلم نہیں اٹھایا تھا تو میں نے توفیقِ الٰہی سے احکامِ شریعت کی احیاء کی خاطر اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو دلائل سے واضح کیا، اللہ تعالیٰ میری اس محنت کو قبول فرمائے اور اس کو میرے لیے توشۂ آخرت کر دے۔ اس مسئلہ کی تحقیق میں ان صفحات پر جو سیاہی خرچ ہوئی ہے وہ یقیناً میرے گناہوں کی سیاہی سے بہت کم ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے عفو و کرم کا یہی اسلوب اور طریقہ ہے کہ وہ نیکی کے ایک قطرہ سے گناہوں کی اتنی سیاہی دھو ڈالتا ہے جس کو دھونے کے لیے سمندروں کا تمام پانی بھی ناکافی ہوتا ہے۔ (اردو شرح مسلم مسلم ص۹۹۲ ج ۳) ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ معاصر صرف نفس مسئلہ کفوء پر ایمانداری سے بحث کرتا تو ممکن تھا کہ اس کے اخلاص کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو اس کے لیے آخرت کا توشہ بنا دیتا لیکن یہ عمداً کفوء سادات کو زیر بحث لے آیا جن کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہے۔ کفوء سادات کا مسئلہ اگرچہ اولاً ایک فقہی جزئیہ معلوم ہوتا ہے لیکن آخر کار یہ ایک عقیدہ کا مسئلہ بن جاتا ہے اور اس کے نتیجہ میں یہ فتویٰ دینا کہ ایک عجمی مرد کے لیے جائز ہے وہ سیدزادی سے نکاح کرے، اس فتویٰ سے فتویٰ دینے والا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کی بے ادبی کا مرتکب ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کی بے ادبی اور توہین کرنا یہ اس بے ادبی اور توہین سے زیادہ سنگین جرم ہے جو شیطان سے سرزد ہوئی تھی۔ ایسی تحقیق میں صفحات پر جو سیاہی خرچ ہوتی ہے ایسی سیاہی ہرگز گناہوں کو نہیں دھوتی بلکہ ایسی سیاہی یقیناً معاصر کے دل اور قلب کو زیادہ سیاہ بنا دے گی بلکہ اس گستاخی اور بے ادبی کی معافی کے لیے اتنی نیکیاں ہوں جو کہ سمندر کے پانی کے قطرات کے مساوی ہوں تو پھر بھی یہ گستاخی اور بے ادبی معاف نہیں ہوتی بلکہ اس کی وجہ سے تمام نیکیاں اکارت چلی جاتی ہیں۔ اس پر قرآن شاہد ہے۔ ہم اللہ اور اس کے رسول کے غضب سے پناہ مانگتے ہیں۔

نکاح میں کفوء کا اعتبار اور اس کی شرعی علت

شریعت اسلامیہ نے نکاح میں کفوء اور نسب کا اعتبار اس لیے کیا ہے کہ نکاح کا مقصد صحیح معنوں میں اس وقت مکمل ہوتا ہے جب مرد اور اس کی بیوی باہمی خاندان میں برابر ہوں۔ اگر مرد خاندانی لحاظ سے عورت کے برابر نہیں ہے تو عورت ایسے مرد کو حقوق زوجیت پیش کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہو گی۔ امام شمس الائمہ سرخسی المتوفی ۵۰۰ھ لکھتے ہیں وفی اصل الملک علی المرأۃ نوع ذلۃ والیہ اشار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال النکاح رق فلینظر احدکم این یضع کریمتہ و اذلال النفس حرام قال صلی اللہ علیہ وسلم لیس لمومن ان یذل نفسہ وانما جوزنا جوز منہ لاجل الضرورۃ وفی استفراش من لا یکافئھا زیادۃ الذل ولا ضرورۃ فی ھذہ الزیادۃ فلھذا اعتبرت الکفاءۃ۔ (مبسوط ص۲۳ ج ۳) علامہ برہان الدین ابوبکر مرغینانی المتوفی ۵۹۳ھ

لکھتے ہیں الکفاءۃ فی النکاح معتبرۃ قال علیہ السلام الا لا یزوج النساء الا الاولیاء و لا یزوجن الا من الاکفاء ولان انتظام المصالح بین المتکافئین عادۃ لان الشریفۃ تأبی ان تکون مستفرشہ للخسیس فلا بد من اعتبارھا بخلاف جانبھا لان الزوج مستفرش فلا تغیظہ دناءۃ الفراش (ہدایہ ص۲۹۹ ج ۲) چونکہ نکاح میں مرد عورت کا ایک لحاظ سے مالک ہوجاتا ہے اور عورت اس کی مملوک ہوتی ہے اور مملوک ہونے میں عورت کی ذلت ہے، اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نکاح عورت کے لیے ایک غلامی ہے۔ جب تم اپنی بیٹی کسی کو دو تو دیکھ لو تم کہاں دے رہے ہو۔ مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے۔ نکاح صرف ضرورت کے لیے جائز ہوا ہے اور ضرورت کفوء میں پوری ہو جاتی ہے اور غیر کفوء میں نکاح کر دینے سے زیادہ ذلت ہوگی اور زیادہ ذلت برداشت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لہذا کفوء کا اعتبار کیا گیا ہے، پھر غیر کفوء میں نکاح کے مقاصد بھی پورے نہیں ہوتے کیونکہ شریف خاندان کی عورت کسی خسیس آدمی کے لیے حقوقِ زوجیت پیش کرنے سے انکار کرتی ہے کیونکہ اس میں دوگنا ذلت ہے، اس سے ظاہر ہوا کہ کفوء میں نکاح کرنے کی علت شرعی یہ ہے کہ انسان ذلت سے محفوظ رہے اور غیر کفوء میں اس لیے ناجائز ہے کہ غیر کفوء میں تذلیل اور توہین ہے۔ اب غیر کفوء میں نکاح کے عدمِ جواز کی علتِ شرعی انسان کی تذلیل و توہین ہوئی فسادِ زمانہ اس کی علت نہیں، بلکہ فسادِ زمانہ عدمِ فسخ نکاح کے لیے ایک قسم کا سبب بن رہا ہے کیونکہ جب غیر کفوء میں کسی وجہ سے نکاح ہو جائے گا تو اس کے فسخ کے لیے مزید ذلت برداشت کرنے پڑے گی۔ ولی کبھی حکام کے دروازوں پر جائے گا، کبھی عدالتوں کے چکر کاٹے گا چونکہ فسادِ زمانہ عدمِ فسخ نکاح کے لیے سبب بن رہا تھا لہذا فقہاء نے کہا کہ فسادِ زمانہ کی وجہ سے مختار اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ یہ نکاح جائز نہیں ہے۔ در اصل غیر کفوء میں نکاح منعقد نہ ہونے کی وجہ ذلت اور توہین ہے کیونکہ علت حقیقت میں وہ ہوگی جس کو فقہاء نے حدیث پاک سے مستنبط کر کے بطور علت ذکر کیا ہو اور جس کو فقہاء نے ذکر کیا ہے وہ تذلیل اور توہین ہے۔

یہ علت ذکر کرنے والوں میں سے امام شمس الائمہ سرخسی اور صاحب ہدایہ بھی ہیں اور شمس الائمہ کا تعلق فقہاء کے تیسرے طبقہ سے ہے اور صاحبِ ھدایہ کا تعلق اصحاب ترجیح سے ہے، علامہ ابن عابدین شامی المتوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں کہ فقہاء کے سات طبقے ہیں۔

۱۔ **طبقہ مجتہد فی الشرع** : یہ طبقہ اپنے اپنے مقرر کردہ قواعد و قوانین پر ادلہ اربعہ کے ساتھ احکام مستنبط کرتے ہیں۔ اصول و فروع میں کسی کی تقلید نہیں کرتے جیسے امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک المتوفی ۱۷۹ھ، امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ، امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ۔

۲۔ **طبقہ مجتہد فی المذہب** : اس طبقہ کے فقہاء اپنے اپنے اماموں کے وضع کردہ قواعد پر مسائل کا استنباط کرتے ہیں، اصول میں ان کا کوئی اختلاف نہیں ہوتا جیسے امام ابویوسف، امام محمد، حسن بن زیاد المتوفی ۲۰۴ھ، امام زفر المتوفی ۱۵۸ھ۔

۳۔ **طبقہ مجتہد فی المسائل** : اس طبقہ کے فقہاء کا منصب یہ ہے کہ جن مسائل میں صاحب مذہب سے کوئی نص صریح نہ ہو ان مسائل کو صاحب مذہب کے مقرر کردہ قواعد وضوابط کے مطابق مستنبط کرتے ہیں جیسے امام خصاف المتوفی ۲۶۱ھ، ابوجعفر طحاوی ۳۲۱ھ، ابوالحسن کرخی المتوفی ۳۴۰ھ، شمس الایمہ حلوائی المتوفی ۴۴۸ھ، شمس الائمہ سرخسی، فخر الاسلام بزدوی المتوفی ۴۸۲ھ، فخر الدین قاضی خان المتوفی ۵۹۳ھ،

۴۔ **اصحاب تخریج** : اس طبقہ کے فقہاء کو فروع واصول میں کمال حاصل ہوتا ہے مگر اجتہاد پر قادر نہیں ہوتے بلکہ ان کا کام صرف مجمل قول کی تفصیل اور قول مبہم کی تعیین کرنی ہوتی ہے۔ جیسے کہ ابوبکر[1] رازی وغیرہ۔

۵۔ **اصحاب ترجیح** : یہ لوگ صاحب مذہب سے جو مختلف روایات ہوں ان میں سے کون افضل ہے، اور کون مفضول ہے اور لوگوں کے حالات کے مناسب کون سی روایت ہے، اس کو بتاتے ہیں جیسے ابوالحسن قدوری المتوفی ۴۲۸ھ، علی بن ابی بکر المتوفی ۵۹۳ھ،

۶۔ یہ وہ فقہاء ہیں جو کہ ظاہر مذہب، ظاہر روایت اور نادر روایت، قوی اور ضعیف میں فرق کرتے ہیں جیسے حافظ الدین ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی المتوفی ۷۱۰ھ، تاج الشریعہ محمود محبوبی المتوفی ۶۷۳ھ، عبداللہ موصلی المتوفی ۶۸۳ھ، ابن ساعاتی المتوفی ۶۹۴ھ، شمس الائمہ کردری المتوفی ۶۴۲ھ، جمال الدین حصیری المتوفی ۶۳۶ھ،

۷۔ اس طبقہ میں وہ مقلد ہیں جو روایات کے درمیان تمیز کرنے پر قدرت نہیں رکھتے، جب شمس الائمہ سرخسی کی شخصیت مسائل میں مجتہدانہ ہے اور صاحب ہدایہ اصحاب ترجیح سے ہیں تو جو انہوں نے غیر کفؤ میں نکاح کے عدم جواز کی علت توہین اور تذلیل نکالی ہے وہی معتبر ہوگی۔ عربی عورت کا کفؤ عجمی مرد نہیں ہوگا کیونکہ عرب اس میں اپنی تذلیل سمجھتے ہیں کیونکہ عرب اپنے نسب پر فخر کرتے ہیں و انما یتفاخرون بالنسب (بحر الرائق ص۱۴۱ ج ۳) جب عجمی مرد عربی عورت کا کفؤ نہیں ہوسکتا تو علویہ اور سیدہ خاتون کا بطریق اولیٰ کفؤ نہیں ہوگا۔

نسب کی اہمیت | قرآن پاک میں ہے والذین اٰمنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنا بھم ذریتھم

---

[1] ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص المتوفی ۳۷۰ھ امام کرخی کے شاگرد ہیں۔

وما التناهم من عملهم من شیٔ، ترجمہ: اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم نے ان کی اولاد ان سے ملا دی اور ان کے عمل میں انہیں کچھ کمی نہ دی یعنی جنت میں اگرچہ باپ دادا کے درجے بلند ہوئے تو بھی ان کی خوشی کے لیے ان کی اولاد ان کے ساتھ ملا دی جائے گی اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس اولاد کو بھی وہ درجہ عطا فرمائے گا اور انہیں ان کے اعمال کا پورا ثواب دے گا اور اولاد کے درجے اپنے فضل وکرم سے بلند کرے گا۔ ابن جریر المتوفی ۳۱۰ھ، ابن المنذر المتوفی ۳۱۸ھ، ابن ابی حاتم المتوفی ۳۲۷ھ، امام حاکم، امام بیہقی المتوفی ۴۵۸ھ، امام بزار المتوفی ۲۹۲ھ، امام طبرانی المتوفی ۳۶۰ھ، ابن مردویہ المتوفی ۴۱۰ھ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں قال ان اللہ تعالی لیرفع ذریتہ معہ فی درجتہ فی الجنۃ وان کان دونہ فی العمل لتقربھم عینہ ثم قرأ الایۃ (تفسیر روح المعانی ص۳۲، تفسیر مدارک ص۲۲۶، تفسیر روح البیان ص۱۹۲، ج ۹، تفسیر الجامع لاحکام القرآن ص۶۶) یعنی اللہ تعالیٰ مومن کی اولاد کا درجہ مومن کے ساتھ جنت میں بلند فرمائے گا اگرچہ اولاد کے عمل کم ہی ہوں گے تاکہ مومن کو خوشی ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ مومن کی مومن اولاد کو جنت میں اس لیے ایک مقام میں رکھا جائے گا کہ وہ ایک مومن کی اولاد ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے نسب کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی مومن اولاد پر یہ مہربانی فرمائی ہے کہ اولاد کو بھی وہی مقام عطا فرمایا ہے جو کہ ان کے باپ کا ہے۔ یہ مقام اولاد کے اعمال صالحہ کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ مقام اولاد کو صرف ان کے آباؤ اجداد کے ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے ملا ہے۔ جب یہ حکم عام مومنوں کا ہے کہ قیامت کے دن ان کی اولاد ان کے ساتھ ملا دی جائیگی اور جو باپ کا مقام ہوگا وہی مومن اولاد کا بھی ہوگا تو ظاہر ہے کہ قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ملا دی جائے گی۔ امام حاکم فرماتے ہیں فاذا کان ھذا فی ذریۃ مطلق المؤمنین فبذریۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولی واجدر (ینابیع المودۃ ص۱۰۹) اگر مومن لوگوں کے نسب کی اللہ تعالیٰ نے رعایت رکھی ہے تو جن کی وجہ سے مومنوں کو ایمان ملا ہے ان کے نسب کی بطریق کمال رعایت رکھی جائیگی۔ اس آیت کریمہ سے نسب کی اہمیت واضح ہے اور قرآن پاک میں ہے وھو الذی خلق من الماء بشرا فجعلہ نسبا وصھرا، ترجمہ: اور وہی ہے جس نے پانی سے بنایا آدمی پھر اس کے رشتے اور سسرال مقرر کیے۔ علامہ قرطبی المتوفی ۶۷۱ھ فرماتے ہیں کہ نسب بیٹے کی جہت سے ہے اور صہر بیٹی کی جہت سے ہے۔ اس آیت کریمہ میں نسب کا تذکرہ بطور نعمت واحسان ہوا ہے جس سے نسب کی اہمیت کا ظاہر کرنا مقصود ہے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نسب کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ان اللہ اصطفی من ولد آدم ابراھیم واتخذہ

خلیلا واصطفی من ولد ابراھیم اسماعیل ثم اصطفی من ولد اسماعیل نزاراً ثم اصطفی من ولد نزار مضرا ثم اصطفی من مضر کنانۃ ثم اصطفی من کنانۃ قریشا ثم اصطفی من قریش بنی ھاشم ثم اصطفی من بنی ھاشم بنی عبد المطلب ثم اصطفانی من عبد المطلب (ذخائر العقبیٰ ص۱، ینابیع المودۃ ص۱۲، مستدرک ص۴۳، تبیین الحقائق ص۱۲۹ ج ۲) اور بے شک اللہ نے اولادِ آدم سے ابراہیم کو پسند کیا اور ان کو اپنا خلیل بنایا اور پھر اولادِ ابراہیم سے اسماعیل کو اور اولادِ اسماعیل سے نزار کو اور اولادِ نزار سے مضر کو اور مضر سے کنانہ کو اور کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے بنی عبد عبد المطلب کو پھر بنی عبد المطلب سے مجھ کو پسند کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا نسب بیان کرنا اس پر واضح دلیل ہے کہ اسلام میں نسب کی بھی حقیقت اور اہمیت ہے

سوال: قرآن پاک میں ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ اور حدیث پاک میں ہے لافضل لعربی علی عجمی کہ عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں ہے۔ اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ نسب کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام لوگ مساوی ہیں اور اس کے ہاں تو وہی بہتر ہے جو زیادہ متقی ہے

جواب: سائل کا یہ کہنا کہ نسب کی کوئی اہمیت نہیں یہ غلط ہے کیونکہ قرآن پاک میں صریح نص موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے نسب بنایا اور اللہ تعالیٰ کا نسب بنانا ہی نسب کی حیثیت کو واضح کرتا ہے البتہ سائل نے جو آیت اور حدیث پیش کی ہے ان کا تعلق آخرت سے ہے۔ شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں والمراد من الآثار التی رواھا فی احکام الآخرۃ وبہ نقول ان التفاضل فی الآخرۃ بالتقویٰ (مبسوط ص۲۳ ج ۳) کہ تقویٰ کی فضیلت جو ہے اس کا تعلق آخرت سے ہے۔ علاوہ ازیں اسلام یہ بھی نہیں چاہتا کہ ایک انسان خود تو انسانی صفات سے بھی محروم ہو اور اعمال شرعیہ سے یکسر خالی ہو اور یہ اپنے آباء و اجداد کے نام پر فخر کرتا رہے ایسے نسبی فخر سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی منع کیا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنے اندر اوصاف انسانیہ اور عجز و انکسار پیدا کرے۔ اگر کسی موقع پر فخر نسبی کا اظہار کرنا پڑے تو ممانعت شرعی بھی نہیں ہے غرضیکہ اسلام میں نسب کی حیثیت بھی ہے اور تمام نسبوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب اعلیٰ و برتر ہے۔ اور اسلام میں اگر عام مومنوں کے نسب کی رعایت کی گئی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کی رعایت بطریق اتم ہوگی۔

حضور کے نسب کی فضیلت

قرآن پاک میں ہے وھو الذی خلق من الماء بشراً فجعله نسباً و صهراً ۔ علامہ قرطبی ابن سیرین[1] کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے، کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دونوں یعنی نسب و صہر حاصل ہیں۔ علامہ اسماعیل حقی المتوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں "

" ابن سیرین گفت این آیت در مصطفیٰ علیہ السلام و علی کرم اللہ وجہہ فرو آمد کہ مصطفیٰ دختر خویشتن را بزنی بعلی داد علی پسر عم بود و شوہر دخترش ہم نسب بود ہم صہر "

قال فی انسان العیون کان فی السنة الثانیه من الهجرة تزویج فاطمة لعلی رضی اللہ عنهما عقد علیها فی رمضان وکان عمرها خمس عشرة سنة وکان سن علی یومئذٍ احدی وعشرین سنة وخمسة اشهر ۔ (تفسیر روح البیان ص۲۳ ج ۶) حضرت خاتون جنت سلام اللہ علیہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ۲ھ ماہ رمضان میں ہوا تھا اور اس وقت خاتون جنت کی عمر پندرہ سال تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت اکیس سال اور پانچ ماہ تھی ۔

یہ آیت کریمہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں ہی نازل ہوئی ہے تو اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب اطہر کی فضیلت ظاہر ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اولاد کا بھی ایک ایسا نسب ہے جو دائمی ہے ۔ قیامت کے دن دوسرے لوگوں کے نسب ختم ہو جائیں گے ان کو صرف تقویٰ اور پرہیزگاری ہی مفید ہوگی، ان کا اپنا ذاتی نسب کوئی فائدہ نہ دے گا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کو حضور کا نسب فائدہ دیگا۔ حدیث پاک میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ المتوفی ۲۳ھ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ینقطع یوم القیامة کل سبب و نسب الا سببی ونسبی (حلیۃ الاولیاء ص۳۱۴ ج ۷، مستدرک ص۱۵۸ ج ۳ ۔ مجمع الزوائد ص۱۷۳ ج ۹، فیض القدیر ص۲۰ ج ۵، ذیل اللآلی للسیوطی ص۶۲ ، مسند احمد بن حنبل ص۳۲۳ ج ۴، ذخائر العقبیٰ ص۳۸ ، کنز العمال ص۹۸ ج ۱ ، تاریخ بغداد ص۱۸۲ ج ۶ ، سنن بیہقی ص۶۴ ج ۷ ، کفایۃ الطالب ص۳۸ ، جامع صغیر ص۲۳۶ ، تذکرۃ الحفاظ ص۱۱۸ ج ۳ ، صواعق محرقہ ص۱۸۶ ، ینابیع المودۃ ص۲۶۷)

---

[1] ابن سیرین المتوفی ۱۱۰ھ

اس حدیث پاک کو بے شمار محدثین روایت کرتے ہیں، اس کی صحت میں کسی قسم کا شک نہیں ہے۔ اسی لیے علامہ سید محمود آلوسی المتوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں، وھو خبر مقبول لا یکاد یردہ الا من فی قلبہ شائبۃ نصب (تفسیر روح المعانی ص۶۵ ج ۹) کہ یہ حدیث مقبول ہے۔ اس میں وہی شک کریگا جس کے دل میں خارجیت اور ناصبیت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کا ایک لڑکا فوت ہو گیا وہ رونے لگیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھوپھی آپ روتی ہیں، جس کا حالتِ اسلام میں بچہ فوت ہو جائے اسے جنت میں گھر ملے گا۔ جب حضرت صفیہ آپ کے پاس لوٹیں تو ایک شخص ملا کہنے لگا، ان قرابۃ محمد لن تغنی عنک من اللہ شیئاً، بے شک محمد کی قرابت سے اللہ کے ہاں آپ کو کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ تو حضرت صفیہ رونے لگیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی آواز سنی تو آپ گھبرا کر باہر تشریف لائے اور حضور ان کی تعظیم فرمایا کرتے تھے اور ان سے محبت کیا کرتے تھے۔ فرمانے لگے "پھوپھی" آپ رو رہی ہیں جبکہ میں نے آپ سے جو کچھ کہا وہ یاد نہیں رہا۔ حضرت صفیہ بولیں میں اس وجہ سے نہیں روئی بلکہ میں تو اس شخص کی بات سے روئی ہوں جب اس کی بات بتائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غضبناک ہو گئے اور فرمایا اے بلال نماز کا اعلان کر دے، انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر آپ کھڑے ہوئے حمد و ثنا کے بعد فرمایا مابال اقوام یزعمون ان قرابتی لا تنفع ان کل سبب ونسب ینقطع یوم القیامۃ الا سببی ونسبی، لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کہتے ہیں میری قرابت فائدہ نہ دے گی۔ سنو! میرا نسب و رحم دنیا و آخرت میں موصول رہے گا اور یہ منقطع اور ختم نہیں ہو گا (ذخائر العقبیٰ ص۶) اس سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب دائمی اور تمام سے افضل ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کے لیے یہ دین و دنیا اور آخرت میں مفید ہے۔

شرفِ انتساب

حضور کی اولاد یعنی سادات کو جو فضیلت حاصل ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ہے کہ سادات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہیں۔ امام احمد بن حنبل اور امام حاکم المتوفی ۴۰۵ھ اپنی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" فاطمہ میرا جزوِ بدن ہے۔ اس کی رضا مندی میں میری رضا مندی ہے، اور اس کی ناراضگی میں میری ناراضگی ہے۔ اور بیشک تمام نسب ختم ہو جائیں گے مگر میرا نسب باقی رہے گا۔ (صواعق محرقہ ص۲۸۵، مدارج النبوت ص۵۴۶، مشکوۃ ص۲۵۴) قد ثبت ھذا الحکم لفاطمۃ ثم ھو لذریتھا من بعدھا

الی یوم القیامۃ ، بے شک جزء رسول ہونے کا حکم اور جزء کی ایذاء وخوشی خود حضور کی ایذا ، رنج وراحت ، ہونے کا حکم فاطمہ بنتِ رسول کے حق میں ثابت ہوا، اور پھر ان کے بعد وہی حکم جزئیت اور رنج و راحت کا ساری اولادِ فاطمہ (سادات) کے لیے بھی ثابت ہے۔ تا روزِ قیامت بالکلیہ کوئی فرق نہیں ہے (غایۃ تلخیص المراد ص۲۹۶)

علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ اصول ثابت ہوا کہ ہر اس فرد کی ایذا حرام ہے جس کی ایذا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء اور تکلیف ہو۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذا بالاتفاق حرام ہے۔ اگرچہ ایذا کا باعث امر مباح اور مشروع ہی کیوں نہ ہوں۔

امام شرف الدین ابوذکریا نووی المتوفی ۶۷۶ھ فرماتے ہیں اس حدیث سے ظاہر ہے کہ ایذاء رسول حرام ہے۔ بکل حال وبکل وجہ اگرچہ امر مباح سے ہو (نووی شرح مسلم ص۲۹۰ ج۲) شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں جو حکم اصل کا ہے وہی فرع کا ہے۔

علی ابن ابی بکر فرماتے ہیں فرماتے ہیں وجزء المرء فی معنی نفسہ کہ آدمی کا جزء اس کے ذات کے حکم میں ہے۔ جب اصل کا حکم فرع کا ہے اور آدمی کا جز اس کی ذات کے حکم میں ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم میں ہے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت فرض ہے اسی طرح حضور کی اولاد کی عزت فرض ہے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین منع ہے اسی طرح حضور کی اولاد کی توہین منع ہے۔ پہلے تلخیص المراد کے حوالہ سے گذر چکا ہے کہ اس حکم میں حضور کی تمام اولاد روزِ قیامت تک داخل ہے کیونکہ ذات کی جزء ذات کے حکم میں ہے۔ قرآن پاک میں ہے، وجعلوا لہ من عبادہ جزءاً اور اس کے لیے اس کے بندوں میں سے اس کا جزء ٹھہرایا یعنی مشرکینِ مکہ نے ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا۔ اور اولاد صاحبِ اولاد کی جزء ہوا کرتی ہے اور اس کے حکم میں ہوتی ہے۔ کفارِ مکہ نے ان کو بھی الہٰ اور معبود سمجھا کہ اللہ کا بیٹا اور بیٹی بھی الہٰ ہی ہے۔ جب اولاد صاحبِ اولاد کی جز ہوتی ہے اور اس کے حکم میں ہوتی ہے تو اولاد کی توہین صاحب اولاد کی توہین ہوگی جب سادات حضور کی اولاد ہیں تو ان کی عزت حضور کی عزت ہے اور ان کی توہین اور بے ادبی حضور کی توہین اور بے ادبی ہوگی جو کہ بالاتفاق حرام ہے۔

ابن حجر مکی المتوفی ۹۷۴ھ نے ابوالشیخ عبداللہ بن محمد المتوفی ۳۶۹ھ، اور امام دیلمی المتوفی ۵۰۹ھ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میری اولاد کے حقوق کی رعایت نہیں کرتا وہ منافق ہے۔ (صواعق محرقہ ص۲۶۳)

حضرت علی الخواص فرماتے ہیں کہ سادات کو رشتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتہ انتساب ہے اور حسنین کریمین کا خون ان کی رگ وپے میں ہے ۔ وہ آپ کے جگر گوشہ ہیں اور احترام وتعظیم کا حکم جز کے لیے کل کی مانند ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد جسد اطہر کے جز کا احترام بالکل اسی طرح ہے جس طرح دنیاوی حیات مبارکہ میں اس جز کا احترام تھا۔ ثابت ہوا کہ سادات کو جو فضیلت عطا ہوئی ہے وہ حضور کی طرف منسوب اور اولاد ہونے کی وجہ سے ہے۔

سادات کا نسب رسول کی طرف منسوب ہے

سید کے لغوی معنی متعدد ہیں، زیادہ تر رئیس اور معزز آدمی پر بولا جاتا ہے لیکن عرف اور اصطلاح میں سید بمعنی نسبی صرف اولاد رسول پر بولا جاتا ہے ۔ مصباح اللغات میں ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک سیّد وہ لوگ ہیں جو خاتونِ جنت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کی اولاد اور نسل سے ہوں ، اور السیّدان، امام امام حسن اور امام حسین کو کہتے ہیں (مصباح اللغات ص۴۰۵) اور محیط المحیط ص۴۳۹ میں ہے السید من المسلمین من کان من سلالۃ الرسول والسیدان الحسن والحسین ابناء علی ، مسلمانوں سے سیّد وہ ہیں جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہیں اور سیّدان حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو کہا جاتا ہے ، جو کہ حضرت علی کے بیٹے ہیں ۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو لوگ خاتونِ جنت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی نسل سے ہیں وہ سیّد ہیں دوسرے لوگ سیّد نہیں ۔ قرآن اور حدیث میں اگرچہ بعض دوسرے لوگوں پر سیّد کا لفظ استعمال ہوا ہے لیکن وہ بمعنی لغوی یعنی معزز کے استعمال ہوا ہے ۔ عرف اور نسب کے لحاظ سے سیّد کا اطلاق صرف خاتونِ جنت کی اولاد پر ہی ہوگا اور کسی پر نہیں ، جس کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے لیے اور حضرت علی ، حضرت خاتونِ جنت اور حسنین کریمین کے لیے لفظ سیّد بطور لقب انتخاب فرمایا ہے ۔ ملاحظہ کیجئے امام مسلم المتوفی ۲۶۱ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ المتوفی ۵۸ھ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ، انا سیّد ولد آدم یوم القیامۃ (صحیح مسلم کتاب الفضائل) کہ قیامت کے دن میں اولادِ آدم کا سردار ہوں گا ۔ اس کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے (سنن ترمذی ص۱۹۵ ج ۲)

امام حاکم اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ، انا سید ولد آدم وعلی سید العرب (مستدرک ص۱۲۴ ج ۲ ، کنز العمال ص۱۵۷ ج ۲ ، حلیۃ الاولیاء ص۶۳ ج ۱ ، ریاض النضرۃ ص۱۷۷ ج ۲ ، تاریخ بغداد ص۸۹ ج ۱۱ ، مجمع الزوائد ص۱۳۱ ج ۹ ، صواعق محرقہ ص۷۳)

امام بخاری المتوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کو فرمایا، اما ترضین ان تکونی سیدۃ نساء اھل الجنۃ او نساء العالمین، فاطمۃ الزہرا کیا تو یہ پسند نہیں کرتی کہ جنت میں عورتوں کی سردار ہو یا یہ فرمایا کہ تمام دنیا کی عورتوں کی سردار ہو (بخاری بدأ الخلق) مسند احمد بن حنبل ص۲۸۲ ج۶، طبقات ابن سعد ص۴۰ ج۲، اسد الغابہ ص۵۲۲ ج۵، خصائص للنسائی ص۳۴، حلیۃ الاولیاء ص۲۹ ج۲، مشکل الآثار ص۲۹ ج۱، سنن ترمذی ص۳۰۶، مستدرک ص۱۵۱ ج۳، کنز العمال ص۲۱۷ ج۶، صحیح ابن حبان ص۲۱۸، ابن عساکر ص۱۰۱ ج۷، ابن جریر ص۱۱۱، ذخائر العقبیٰ ص۴۳)

امام حاکم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل جنت کی تمام عورتوں سے افضل ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب افضل ہیں تو پھر آپ ہی جنت کی عورتوں کی سردار ہیں (مستدرک ص۴۹۷ ج۲، مسند احمد بن حنبل ص۲۹۳ ج۱، استیعاب ص۷۲۰ ج۲، اسد الغابہ ص۴۳۷ ج۵، ذخائر العقبیٰ ص۴۲، اصابہ ابن حجر ص۱۵۸ ج۸، مجمع الزوائد ص۲۲۳ ج۹، مشکل الآثار ص۵۰ ج۱، فتح الباری ص۲۵۸ ج۷، فیض القدیر ص۴۳۲ ج۳، تفسیر ابن جریر ص۱۸۱ ج۳، تہذیب التہذیب ص۴۴۱ ج۱۲)

امام ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ ابو سعید خدری المتوفی ۷۴ھ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، الحسن والحسین سیدا شباب اھل الجنۃ (صحیح ترمذی ص۳۰۶ ج۲، مسند احمد بن حنبل ص۶۲، ص۸۲ و ص۳ ج۳، حلیۃ الاولیاء ص۷۱ ج۵، تاریخ بغداد ص۲۳۱ ج۹، خصائص للنسائی ص۳۶، اسد الغابہ ص۵۷۴ ج۵، کنز العمال ص۲۱۷ ج۶، صحیح ابن حبان ص۲۱۷، ابن عساکر ص۲۰۲ ج۷، مستدرک ص۱۶۷ ج۳، اصابہ ابن حجر ص۲۲۶ ج۱، مجمع الزوائد ص۱۸۲ ج۹، کنوز الحقائق ص۱۸، ذخائر العقبیٰ ص۱۲۹)

جب سیدہ کا لقب حضرت فاطمۃ الزہرا کے لیے اور سید کا لقب حضرات حسنین کریمین کے لیے خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا فرمایا ہے تو اب یہ لقب (سید) ان پر اور ان کی اولاد پر ہی بولا جائے گا۔ ثابت ہوا کہ سید کا خصوصی شرف نسب کے لحاظ سے صرف جناب فاطمہ اور حسنین کریمین کی اولاد کے لیے ہے۔ چونکہ حضرت خاتون جنت

لہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام کے لیے شرف سیادت نص سے ثابت ہے اور بعض نے کہا ہے کہ افضلیت فاطمہ پر اجماع اور اتفاق ہو چکا ہے۔ فتح الباری ص۱۰۹ ج۷، ۱۲ (مفتی غلام رسول)

اور حسنین کریمین کے لیے سیادت کا شرف خاص طور پر ثابت ہے اور سیدہ فاطمہ علیہا السلام کی اولاد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد شمار ہوتی ہے، جیسے کہ حضرات حسنین کو ابنِ رسول کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور قرآن مجید سے آیت مباہلہ کے ضمن میں ابناءنا سے مراد حسنین کریمین ہی ہیں کیونکہ جب یہ آیت کریمہ اتری، تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم، ترجمہ: آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی، حضرت فاطمۃ الزہراء، اور حسن و حسین کو بلا کر فرمایا، اللھم ھؤلاء اھل بیتی (سنن ترمذی ص۱۶۶ ج ۲، صحیح مسلم ص۱۲۰، سنن بیہقی ص۶۳ ج۷، مسند احمد بن حنبل ص۱۸۵ ج ۱، معرفۃ علوم الحدیث ص۵۰، تفسیر ابن جریر ص۲۱۳ ج ۳، اصابہ ص۵۰۳ ج ۲، اسباب النزول ص۷۵، دلائل النبوت ص۲۹۷، صواعق محرقہ ص۹۳، تفسیر ابن کثیر ص۳۷۰، ج ۱، لباب النقول للسیوطی ص۵۰، در منثور ص۳۸ ج ۴) اس سے ظاہر ہے کہ آیت مباہلہ کے نزول کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بالخصوص حضرت علی اور خاتون جنت اور حسنین کریمین کو بلا کر یہ فرمانا کہ یہی میرے اہل بیت ہیں، اس بات پر واضح دلیل ہے کہ خاتونِ جنت کی اولاد حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہے۔

فخر الدین رازی المتوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مباہلہ کے واقعہ میں حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کو ساتھ لے کر یہ ثابت فرما دیا تھا کہ حسنین کریمین میری اولاد اور میرے بیٹے ہیں۔ اور حدیث پاک میں حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کو سیّد کے لقب سے نوازا گیا ہے، آگے ان حضرات کی اولاد اطہار کو سیّد کہنا چاہیے کہ یہ بھی اولادِ رسول سمجھے جائیں اور ان کا امتیاز ظاہر ہو زیادہ مناسب ہے کیونکہ سادات کی اولاد سادات ہی ہوگی اور ان پر یہ سیّد کا اطلاق نسب کی شرافت کی وجہ سے ہوگا۔ جب نسب کی شرافت کے پیش نظر ان پر اطلاق ہوگا تو پھر ان کے ساتھ ہی خاص ہوگا۔ اور جو حسنین کریمین کی اولاد سے نہیں ہوگا اس پر سید کا اطلاق نہ ہوگا۔ اسی لیے علامہ سیوطی "سلالہ زینبیہ" میں لکھتے ہیں کہ سید کا اطلاق ان لوگوں پر ہوگا جو کہ حسنین کریمین کی اولاد سے ہوں (اسعاف الراغبین ص۱۱۲)

ہماری اس تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ سادات کا نسب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہی منسوب ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واقعہ مباہلہ میں حضرت امام حسن اور امام حسین کو ساتھ لے کر یہ ثابت فرما دیا تھا کہ حسنین کریمین میری اولاد ہیں۔ اور پھر ان کو فرمایا یہ سید ہیں اور آگے ان کی جو اولاد ہوگی وہ بھی سید ہوگی کیونکہ سید کی اولاد سیّد ہی ہوتی ہے جبکہ سیّد کا لفظ اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی علامتِ نسب بن چکا ہے۔

سوال : سادات کا نسب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کیسے منسوب ہو سکتا ہے حالانکہ سادات تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد ہیں ۔ نسب نانا کی طرف نہیں ، دادا کی طرف چلتا ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو سادات کے نانا ہیں دادا نہیں ، تو پھر سادات آلِ رسول کیسے ہوئے ؟

جواب : اس سوال کا جواب پہلے بھی آئمہ اہل بیت اطہار دیتے آئے ہیں ۔ دیکھئے جب یہی سوال امام موسیٰ کاظم علیہ السلام المتوفی ۱۸۳ھ سے خلیفۃ المسلمین ہارون الرشید نے کیا تھا کہ تم کس وجہ سے کہتے ہو کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہیں ، تم تو علی کی اولاد ہو ۔ تو امام موسیٰ کاظم نے جواب دیتے ہوئے بطور دلیل درج ذیل آیت کو پیش کیا کہ قرآن پاک میں ہے ، ومن ذریتہ داؤد وسلیمان وایوب ویوسف وموسیٰ وھارون وکذالک نجزی المحسنین و ذکریا ویحییٰ وعیسیٰ والیاس ۔ ولا لعیسیٰ اب وانما الحق بذریۃ الانبیاء من قبل امہ کذالک الحقنا بذریۃ النبی من قبل امنا فاطمۃ (نور الابصار صـ۱۳۲) اور اس کی اولاد یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں سے داؤد ، سلیمان ، ایوب ، یوسف ، موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کو ہدایت عطا کی اور ھم نیکوکار بندوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ھیں ۔ اور ذکریا ، یحییٰ ، عیسیٰ اور الیاس علیہم السلام کو بھی ۔ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے باپ نہیں ہیں ، اس لیے جس طرح ان کے نسب کو ان کی والدہ ماجدہ جناب مریم علیہا السلام کی جانب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ملا دیا گیا ہے اسی طرح ہمارا نسب ہماری والدہ ماجدہ سیدہ فاطمۃ الزہرا کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ملتا ہے ۔ لہٰذا حضرات حسن اور حسین اگرچہ خاتونِ جنت کے بیٹے ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی بیٹے ہیں ۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ، کل بنی آدم ینتمون الی عصبتھم الا ولد فاطمۃ فانی انا ابوھم وانا عصبتھم (مستدرک صـ۱۶۴ ج ۳ ، تاریخ بغداد صـ۲۸۵ ج ۱۱ ، ذخائر العقبیٰ صـ۱۲۱ ، مجمع الزوائد صـ۱۷۲ ، ج ۹ ، کنز العمال صـ۲۱۶ ج ۶) تمام بنی آدم اپنے عصبہ کی طرف منسوب ہوتے ہیں مگر اولادِ فاطمہ کہ میں ان کا باپ اور ان کا عصبہ ہوں ۔ اس روایت سے ظاہر ہے کہ جب حسنین کریمین کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باپ اور عصبہ ہیں تو حسنین کریمین حضور صلی اللہ کے بیٹے ہوئے اور امام حسن کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ، الحسن ابنی ھذا سید ، کہ میرا بیٹا حسن سیّد ہے (صحیح بخاری کتاب الفتن ، ابوداؤد صـ۱۷۴ ، نسائی صـ۲۰۸ ج ۱ ، ترمذی صـ۳۰۶ ج ۲ ، مسند احمد بن حنبل صـ۴۳ ج ۵ ، ابوداؤد طیالسی صـ۱۱۸ ج ۳ ، حلیۃ الاولیاء صـ۳۵ ج ۲ ، تاریخ بغداد صـ۲۱۵ ج ۳ ، کنز العمال صـ۲۲۲ ج ۶ ، ذخائر العقبیٰ صـ۱۲۵ ، مستدرک صـ۱۶۹ ج ۳ مجمع الزوائد

صفحہ ۱۷۱ ج ۹)

امام حاکم نے اپنی سند کے ساتھ یہ روایت بھی ذکر کی ہے کہ. الحسین بن علی علیہما السلام من ذریۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ حضرت امام حسین علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہیں۔ (مستدرک صفحہ ۱۶۴ ج ۲، سنن بیہقی صفحہ ۱۶۶ ج ۶) جب حسنین کریمین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہوئے تو آگے حسنین کی اولاد قیامت تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہوئی اسی لیے تو فرمایا کہ میرا نسب منقطع نہیں ہوگا۔ یعنی قیامت کے دن جب لوگوں کے نسب ختم ہو جائیں گے اس وقت میرا نسب میری اولاد کو فائدہ دیگا۔ اور اس حدیث کا یہ مفہوم بھی ہے کہ میرا نسب قیامت تک جاری رہے گا۔ اس پر وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس میں قرب قیامت حضرت امام مہدی علیہ السلام کے تشریف لانے کا ذکر اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امام مہدی علیہ السلام کے متعلق یہ فرمانا کہ وہ اہل بیت رسول اور حضرت فاطمۃ الزہرا کی اولاد سے ہوں گے۔ ملاحظہ کیجیے امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں، عن ام سلمۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول المھدی من عترتی من ولد فاطمۃ، (ابوداؤد صفحہ ۱۳۷، ابن ماجہ ابواب الفتن، حلیۃ الاولیاء صفحہ ۱۷۷ ج ۳، مسند احمد بن حنبل صفحہ ۸۳ ج ۱، ذخائر العقبیٰ صفحہ ۱۵، مستدرک صفحہ ۵۵۷ ج ۴، اسد الغابہ صفحہ ۲۵۹ ج ۱، استیعاب صفحہ ۸۵ ج ۱، اصابہ صفحہ ۳۰ ج ۷، کنز العمال صفحہ ۱۸۶ ج ۷، مجمع الزوائد صفحہ ۳۱۶ ج ۷، صواعق محرقہ صفحہ ۹۸، میزان الاعتدال صفحہ ۲۴ ج ۲، درمنثور سورۃ محمد پ ۲۶، کنوز الحقائق للمناوی صفحہ ۱۵۲) کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ مہدی میری عترت اولاد فاطمہ سے ہوگا، گویا کہ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسے یہ خبر دی ہے کہ امام مہدی علیہ السلام میرے اہل بیت اور اولاد فاطمۃ الزہرا علیہا السلام سے ہوں گے۔ اسی طرح یہ بھی خبر دی ہے کہ میری نسل قیامت تک ہوگی۔ اسی طرح یہ بھی ثابت ہوا کہ سادات کو جو شرفِ سیادت حاصل ہوا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہوا ہے۔

سوال: حدیث میں ہے کہ حضرت علی سید ہیں، جب حضرت علی سید ہوئے تو اگر باپ سید ہو تو اس کی اولاد سید ہوتی ہے۔ لہٰذا حضرات حسنین کریمین کے علاوہ حضرت علی کے دوسرے بیٹوں کی اولاد بھی سید ہوگی۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری ذریت حضرت علی کے صلب میں رکھی گئی ہے۔ جب حضور کی ذریت حضرت علی کے صلب میں ہوئی تو پھر جیسے حضرت حسن اور حسین کی اولاد سید ہے اسی طرح حضرت علی علیہ السلام کے دوسرے بیٹوں کی اولاد بھی سید ہوگی۔

جواب: ہمارے موضوع کا تعلق جہاں تک ہے وہ ہے سادات کرام کا نسب۔ اور ہم لکھ چکے ہیں کہ سادات کرام

صرف اور صرف حضرت خاتونِ جنت اور امام حسن اور امام حسین کی اولاد ہیں دیگر کوئی سیّد نہیں ہے۔ اور سادات کے نسب کے احکام دوسرے نسبوں سے جدا ہیں، وہ یہ کہ دوسرے لوگوں کے نسب باپ کی طرف منتسب ہوتے ہیں اور سادات کا نسب بواسطہ خاتونِ جنت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ جیسے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہمارا نسب خاتونِ جنت کے واسطے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نسب حضرت مریم کے ذریعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ جب سادات کا نسب حضرت خاتونِ جنت کے واسطے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوا تو یہ نسب اس نسبت کی وجہ سے مخصوص ہوا۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری ذریت علی کی صلب میں رکھی گئی ہے۔ چونکہ خاتونِ جنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی تھیں لہٰذا فرمایا جو حضرت علی سے بواسطہ فاطمہ اولاد ہوگی وہ میری اولاد ہوگی اور میں ان کا عصبہ جدی ہوں گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت علی کی وہ اولاد جو حضرت فاطمہ سے ہوگی وہ حضور کی اولاد ہوگی اور حضرت علی کی دوسری بیویوں سے جو اولاد ہوگی وہ حضور کی اولاد نہ ہوگی۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دوسری اولاد حضور کی اولاد نہ ہوئی تو وہ دوسری اولاد سیّد بھی نہ ہوگی۔ رہی یہ بات کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب سیّد ہیں تو ان کی دوسری اولاد بھی سیّد ہونی چاہیئے۔ تو اس کا جواب اب واضح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وہ اولاد سیّد ہوگی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمۃ الزہرا کی نسبت سے حضور کی اولاد ہوگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیادت اضافیہ کا جہاں تک تعلق ہے وہ بواسطۂ خاتونِ جنت ہے۔ اگر حضرت علی علیہ السلام کا انتساب خاتونِ جنت کی طرف نہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے سیادت اضافیہ کا تخصص نہ فرماتے اسی کی وضاحت فرماتے ہوئے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری ذریت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صلب میں رکھی گئی ہے۔ خلاصہ یہ کہ نسب کے معاملہ میں حضرت علی کی سیادت مخصوصہ ہے، اس تخصیص کی وجہ یہ حدیث اور دیگر احادیث ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ سادات کا نسب حضور کی طرف منسوب ہو رہا ہے حالانکہ دوسرے نسب اپنے باپوں کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور یہ نسب بواسطہ خاتونِ جنت حضور کی طرف منسوب ہے۔ لہٰذا جہاں یہ نسبت مرتفع ہوگی وہاں سیادتِ اضافیہ مؤثر نہ ہوگی۔ سیادتِ اضافیہ وہاں مؤثر ہوگی جہاں خاتونِ جنت کی نسبت ہوگی۔ دیکھئے جعفر بن ابی طالب اور عقیل بن ابی طالب حضرت علی کے بھائی ہیں، ان کو جب سیادتِ اضافیہ حاصل نہیں ہوئی ان کی اولاد بھی سیّد نہیں ہوئی۔ نسبت سے احکام میں تبدیلی آجاتی ہے جیسے کہ آئندہ تفصیل آرہی ہے۔ غرضیکہ سائل نے جو یہ کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب سیّد ہیں تو سیّد کی اولاد بھی سیّد ہوگی۔ یہ قاعدہ وہاں جاری ہے جو کہ سیّد نسبی ہو یعنی وہ سیّد جو حسن اور حسین علیہما السلام کی اولاد سے ہو۔ حضرت علی علیہ السلام نسبی سیّد نہیں ہیں بلکہ سیّد بمعنی لغوی یا اس سے

برتر سیّد بمعنی اضافی ہیں۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سیّد نسبی نہ ہوئے تو آپ کی ہر اولاد سیّد بمعنی نسبی نہ ہوگی بلکہ حضرت علی کی وہ اولاد سیّد ہوگی جو کہ خاتونِ جنت علیہا السلام سے ہے۔ سوال میں جو حدیث مذکور ہے اس سے سائل کی تائید نہیں ہوتی بلکہ اس سے تو اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وہ اولاد جو خاتونِ جنت سے ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے، ان پر ہی احکام مخصوصہ جاری ہوتے ہیں اور وہی سیّد ہوں گے۔

اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیٹی خاتونِ جنت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ دیتے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ نہ فرماتے کہ میری ذریّت علی کی صلب میں رکھی گئی ہے، ظاہر ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ شرافت جو عطا کی گئی ہے وہ حضرت خاتونِ جنت کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا سائل کا سوال بالکلیہ مندفع ہوا۔

سادات کے نسب کی خصوصیات

اس سے مراد یہ ہے کہ جو خصوصیات اس نسب میں ہیں وہ کسی دوسرے نسب میں نہیں ہیں کیونکہ خصوصیت کا مفہوم ہی یہ ہے کہ وہ اسی کے ساتھ مختص ہے۔

علامہ عبدالرحمٰن جامی المتوفی ۸۹۸ھ خاصہ کا معنی لکھتے ہوئے فرماتے ہیں، خاصة الشئ مایختص به ولا یوجد فی غیره (شرح جامی ص۳۱) چیز کا خاصہ وہ ہے جو اس کے ساتھ مختص ہو اور اس کے غیر میں نہ پایا جائے، اب جو سادات کے نسب کی خصوصیات ہوں گی وہ اسی کے ساتھ ہی مختص ہوں گی غیر میں نہیں پائی جائیں گی۔

خصوصیت ۱: سادات کے نسب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اگرچہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد بھی ہیں۔ علامہ ابن المغازلی المتوفی ۴۸۳ھ مناقب علی بن ابی طالب میں لکھتے ہیں کہ حدیث میں آتا ہے۔ ان اللّٰه جعل ذریة کل نبی من صلبه وان اللّٰه عزوجل جعل ذریة محمد من صلب علی بن ابی طالب علیه السلام (مناقب امام علی ص۴۹، ینابیع المودة ص۲۶۳، مجمع الزوائد ص۱۷۲، صواعق محرقة ص۷۴، جامع صغیر للسیوطی ص۲۳، تاریخ بغداد ص۳۱۶ ج۱، ریاض النضرہ ص۱۶۸ ج۲، میزان الاعتدال ص۱۱۶ ج۲، لسان المیزان ص۴۲۹ ج۳، ذخائر العقبیٰ ص۶۸، شرح مواہب لدنیہ ص۶ ج۲) یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی ذریت (اولاد) اس کی صلب (پشت) میں رکھی ہے اور میری ذریت علی کی صلب میں رکھی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ المتوفی ۳۲ھ بھی آپ کے پاس تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سلام عرض کیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام کا جواب دیا اور کھڑے ہوئے معانقہ کیا اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا، حضرت عباس نے دریافت کیا کیا آپ ان سے محبت کرتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خدا ان کے ساتھ مجھ سے بھی زیادہ محبت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی ذریت اس کی صلب میں رکھی ہے اور میری ذریت علی کی پشت میں رکھی (رشفۃ الصادی صـ۴) سادات کے نسب میں یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو دوسرے لوگوں کے نسب میں نہیں ہے۔

خصوصیت ۲ : قیامت کے دن دوسرے لوگوں کے نسب ختم ہو جائیں گے، قرآن پاک میں ہے، فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینھم یومئذ تو جب صور پھونکا جائے گا تو نہ ان میں رشتے رہیں گے جن پر دنیا میں فخر کرتے تھے اور آپس کے نسبی تعلقات منقطع ہو جائیں گے اور قرابت کی محبتیں باقی نہ رہیں گی اور حال یہ ہوگا کہ آدمی اپنے بھائی اور ماں باپ اور بی بی اور بیٹوں سے بھاگے گا۔ لیکن اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب باقی ہوگا اور یہ آپ کی اولاد کے لیے مفید بھی ہوگا۔ علامہ سید محمود آلوسی بغدادی لکھتے ہیں، لا ینفع نسب یومئذ الا نسبہ (صلی اللہ علیہ وسلم) (تفسیر روح المعانی صـ۶۵، ج ۹) کہ قیامت کے دن کسی کا نسب فائدہ نہیں دیگا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب فائدہ دے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ المتوفی ۷۳ھ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن تمام سے پہلے میں اپنے اہل بیت کی شفاعت کروں گا۔ جس سے ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت جب پہلے اہلِ قرابت کے لیے ہوگی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب اہلِ قرابت کے لیے مفید ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں پر حضور کے اہلِ قرابت کی محبت فرض کی گئی ہے، قرآن پاک میں ہے۔ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ، ترجمہ: تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت، جب مسلمان اہلِ قرابت کے ساتھ مؤدت اور محبت کا اظہار کریں گے تو یہی مؤدت اہلِ قرابت قیامت کے دن مسلمانوں کے لیے باعثِ شفاعت ہوگی۔ غرضیکہ یہ ایک ایسا نسب ہے جو کہ قیامت کے دن بھی اولاد کے لیے فائدہ مند ہے یہ خصوصیت کسی دوسرے نسب کے اندر متحقق نہیں ہے۔

خصوصیت ۳ : اہلِ بیتِ رسول کے نسب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے لے کر آج تک محفوظ اور منضبط چلا آ رہا ہے ۔ زمانہ کی گردشیں اور انقلابات اس پر اثر انداز نہ ہوسکے اور طاغوتی قوتیں اس کو منہدم نہ کر سکیں ۔ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ کچھ ایسے افراد پیدا فرماتا رہا ہے جو اس کی حفاظت فرماتے آئے ہیں ۔ علامہ شہاب الدین احمد بن حجر ہیتمی لکھتے ہیں ، ینبغی لکل احد ان یکون لہ غیرۃ علی ھذا النسب الشریف و ضبطہ حتی لا ینتسب الیہ صلی اللہ علیہ احد الا بحق ولم تزل انساب اھل البیت النبوی مضبوطۃ علی تطاول الایام واحسابھم التی بھا یتمیزون محفوظۃ عن ان یدعیھا الجھال واللئام قد الھم اللہ من یقوم بتصحیحھا فی کل زمان و من یعتنی بحفظ تفاصیلھا فی کل اوان (صواعق محرقہ ص۱۳۰) ہر انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب پاک اور اس کے انضباط پر اپنی غیرت کا مظاہرہ کرے یہاں تک کہ بغیر مستحق ہونے کے کوئی فرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنا رشتہ انتساب پیدا نہ کر سکے ۔ اسی لیے انقلاباتِ زمانہ کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کے نسب درست چلے آئے ہیں اور جن کمالات کی وجہ سے وہ ممتاز ہیں ان امتیازی کمالات کے باعث وہ اس امر سے محفوظ ہیں کہ جاہل اور پست فطرت لوگ ان کے مدعی ہوسکیں ۔ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈال دی جو کہ ہر زمانہ میں آپ کے نسب پاک کی حفاظت تفصیلات قابلِ التفات سمجھتے رہے ۔ علامہ ابن حجر کی کلام کا مطلب یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کے لیے عموماً اور سادات کے لیے خصوصاً یہ ضروری ہے وہ نسبِ رسول کی حفاظت کریں اور اس معاملہ میں غیرت و حمیّت کا ثبوت دیں ۔ اگر کوئی غیر سیّد جس کا اس پاکیزہ نسب کے ساتھ دُور کا واسطہ بھی نہیں سیّد بننے کی کوشش کرنے لگے تو اس کو اس سے سختی سے منع کریں ۔ اگر کوئی سیّد اپنی بیٹی کا رشتہ غیر سیّد کے ساتھ کرنے کی ناجائز کوشش کرے تو دیگر سادات اپنی غیرت حیدری کا ثبوت دے کر اس پر بھی پابندی لگا دیں تاکہ سادات کا نسب محفوظ اور منضبط رہے ۔ اگر سیّدزادی اپنی اور اپنے دل کی رضامندی سے غیر کفوء میں نکاح کر لیا تو پھر بھی اس نسب پر زد پڑے گی ، کیونکہ غیر کفوء میں نکاح کرنے سے اس سیّد زادی کا اصل نسب سے رشتہ کٹ جائے گا ، اس کی آگے جو اولاد ہوگی وہ سیّد نہیں رہے گی بلکہ وہ عجمی کی ہم کفوء بن جائے گی ۔

علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں ، من کانت امھا علویۃ مثلا و ابوھا عجمی یکون العجمی کفوء لھا و ان کان لھا شرف ما لان النسب للآباء ولھذا اجاز دفع الزکاۃ الیھا فلا یعتبر التفاوت بینھما من جھۃ الام ۔ (ردالمحتار ص۳۸۲ ج ۳) یعنی جس عورت کی ماں علویہ ہو اور باپ عجمی ہو تو اس عورت کے لیے عجمی مرد بھی کفوء ہوسکتا ہے اس لیے کہ نسب تو باپ کی طرف سے چلے گا ۔ اسی وجہ سے اس عورت کو زکوٰۃ دینا بھی جائز ہے ۔

اس سے ثابت ہوا کہ اگرچہ اس عورت کی ماں علویہ تھی لیکن باپ عجمی ہونے کی وجہ سے یہ عورت عجمی مرد کی ہم کفو بھی ہو جائے گی اور اس کو زکوٰۃ بھی دی جا سکتی ہے۔ گویا کہ اس کا رشتہ اصل (نسبِ سادات) سے کٹ چکا ہے، اب یہ عورت جس کی ماں علویہ اور باپ عجمی تھا یہ عورت علویہ نہیں رہی۔ اسی طرح اگر سید زادی نے اپنی رضا اور اپنے ولی کی رضا سے کسی عجمی کے ساتھ نکاح کر لیا تو اس کی آگے جو اولاد ہوگی ان کا رشتہ بھی اصل نسب سے کٹ جائے گا، یہی بات اسلامی اور نسبی غیرت کے خلاف ہے۔ لہٰذا علامہ ابن حجر نے تمام مسلمانوں اور سادات کو تنبیہ کی ہے کہ سادات کا نسب چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہے لہٰذا تمام پر فرض ہے کہ وہ غیرت اور حمیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس کی حفاظت کریں۔ اگر کوئی مسلمان یا سید اس کی حفاظت میں سست رویہ اختیار کرتا ہے تو وہ اس کی عدمِ غیرت کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے نسب کی حفاظت کے لیے کسی نہ کسی کو پیدا فرما ہی دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر آج تک یہ نسب منضبط اور محفوظ چلا آ رہا ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا۔

خصوصیت ۴۲: اہلِ بیت اطہار اور سادات کے نسب کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ یہ ایک پاکیزہ نسب ہے۔ اور یہ خصوصیت صرف اور صرف اسی نسب کو حاصل ہے۔ دنیا کے کسی دیگر نسب میں یہ خصوصیت نہیں پائی جاتی۔ قرآن پاک میں ہے۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیراً۔ ترجمہ: اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا فرما دے۔

امام حاکم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ صبح کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ آپ چادر مبارک لیے ہوئے تھے۔ حضرت حسن اور حضرت حسین علیہما السلام آئے، آپ نے ان دونوں کو اس میں داخل کر لیا۔ پھر فاطمہ آئیں انہیں بھی داخل کر لیا۔ پھر علی آئے انہیں بھی داخل کر لیا، پھر فرمایا۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ اور یہ بھی فرمایا یہ میرے اہلِ بیت ہیں، اے اللہ ان سے رجس دُور کر دے اور انہیں پاکیزہ بنا دے۔

(مستدرک ص۱۴۷، ج ۳، سنن بیہقی ص۱۴۹ ج ۲، ابن جریر ص۲۲ ج ۵، ترمذی ص۲۰۹ ج ۲، مشکل الآثار ص۳۳۵ ج ۱، اسد الغابہ ص۱۲ ج ۲، مسند احمد بن حنبل ص۳۰۶، تہذیب التہذیب ص۲۹۷ ج ۲، ذخائر العقبیٰ ص۲۱، کنز العمال ص۱۰۳ ج ۷، تاریخ بغداد ص۱۲۶ ج ۹، درمنثور ص۱۹۹ ج ۵، مجمع الزوائد ص۱۶۷ ج ۹، اسباب النزول للواحدی ص۲۶۷، خصائص للنسائی ص۳، ریاض النضرہ ص۱۸۸ ج ۲، الاستیعاب ص۵۹۸ ج ۲، مسند ابوداؤد طیالسی ص۲۷۴ ج ۸)، ورعلماء نے اس بات کی تصریح بھی کی ہے کہ آیتِ تطہیر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جتنی اولاد قیامت تک ہونے والی ہے

داخل ہے۔ دیگر احادیث صحیحہ میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے لوگو میں تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، اگر تم ان سے تمسک کرو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے، کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی۔ (ترمذی ص۳۰۸ ج ۲، خصائص للنسائی ص۲۱، طبرانی ص۳۹۰ ج ۶، صواعق محرقہ ص۸۹، مسند احمد بن حنبل ص۱۷ ج ۳، مجمع الزوائد ص۱۶۳ ج ۹، طبقات ابن سعد ص۲ ج ۲، فیض القدیر ص۱۴ ج ۳، حلیۃ الاولیاء ص۳۵۵ ج ۱، تاریخ بغداد ص۴۴۲ ج ۸، اسد الغابہ ص۱۴۷ ج ۲، ریاض النضرہ ص۱۷۷، قصص الانبیاء للثعلبی ص۱۴، سنن بیہقی ص۱۴۸ ج ۲، سنن دارمی ص۴۳۱ ج ۲، مسند عبد بن حمید ص۱۰۷ ج ۷، مشکل الآثار ص۳۶۸ ج ۴) ایک کتاب اللہ اور دوسری اپنی عترت واہلِ بیت، نیز یہ بھی فرمایا کہ یہ دونوں جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر مجھے ملیں گے۔ اور نیز یہ بھی فرمایا کہ آخر زمانہ میں امام مہدی ہوں گے جو میری اہلِ بیت سے ہوں گے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سنو! واللہ میرا نسب دنیا و آخرت میں موصول ہے۔ محب الدین طبری نے ۶۹۴ھ نے اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ذخائر العقبیٰ ص۱۶) یہ احادیث و روایات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ پاکیزہ نسل قیامت تک رہے گی اور یہ آیت تطہیر (انما یرید اللہ) میں داخل ہیں۔ یہ ایسی خصوصیت ہے جو ان ہی میں متحقق ہے۔

خصوصیت ۵: جو سادات اس نسب اطہر سے متعلق ہیں ان کی تعظیم فرض ہے۔ قرآن پاک میں ہے، وتعزروہ وتوقروہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کرو، الامر بالشی نھی عن ضدہ، کہ کسی شی کا امر اس کے ضد و خلاف سے نہی ہے۔ جب تعظیم فرض ہے تو توہین منع ہے۔

امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ جب بھی حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے کھڑے ہو جاتے اور حضرت فاطمۃ الزہرا کو بوسہ دیتے اور اپنے پاس بٹھا لیتے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے جاتے تو سیدہ فاطمۃ الزہرا آپ کی تعظیم کے لیے کھڑی ہو جاتیں۔ فقبلتہ واجلستہ فی مجلسھا (صحیح ترمذی ص۳۱۹ ج ۲، ابو داؤد ص۲۲۳، فی باب ماجاء فی القیام، مستدرک ص۲۷۲ ج ۴، ادب المفرد ص۱۳۶، فتح الباری ص۲۰۸ ج ۱۱، استیعاب ص۷۵۰ ج ۲، سنن بیہقی ص۱۰۱ ج ۷، کنز العمال ص۱۱۱ ج ۷، فیض القدیر ص۱۷۶ ج ۵، مسند احمد بن حنبل ص۲۸۲ ج ۱۱، اسد الغابہ ص۵۲۲ ج ۵، مجمع الزوائد ص۲۴ ج ۸، ذخائر العقبیٰ ص۳۶، حلیۃ الاولیاء ص۳۰ ج ۲) اور حدیث پاک میں ہے کہ قیامت کے دن میں چار آدمیوں کا شفیع ہوں گا۔ المکرم لذریتی، والقاضی لھم حوائجھم، والساعی لھم

فی امورهم عندما اضطروا الیہ ، والمحب لهم بقلبه ولسانه (ذخائر العقبیٰ ص۱۸) (کنز العمال ص۱۵۱ ج ۸) میری اولاد کی عزت کرنے والا ، اور ان کی ضروریات پوری کرنے والا ۔ اور ان کے معاملات میں کوشش کرنے والا جبکہ وہ اس کے محتاج ہوں ، اور ان سے دل اور زبان سے محبت کرنے والا ۔

ابوبکر بن عیاش کا قول ہے کہ میں نے حضرت علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ سادات کی تعظیم ہم پر فرض ہے کیونکہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتہ انتساب حاصل ہے اور حسنین کریمین کا خون ان کے رگ و پے میں گردش کر رہا ہے ۔ عزت و احترام کا حکم جزء کے لیے بھی کل کی طرح ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد جسدِ اطہر کے جزء کا احترام بالکل اسی طرح ہے جس طرح (دنیاوی) حیات مبارکہ میں اس جزء مبارک کی عزت و عظمت تھی ، قال بعض العلماء ومن حقوق الشرفاء علینا ان بعد وا فی النسب نعظمهم ونوقرهم ولا نجلس فوق سریر وهم علی الارض (نور الابصار ص۱۰۶) بعض علماء نے کہا ہے کہ سادات اگرچہ نسب میں بعید بھی ہوں اس کے باوجود ہم پر ان کے حقوق ہیں ۔ من جملہ ان سے یہ بھی ہے کہ ہم ان کی عزت و توقیر بجا لائیں اور جب وہ زمین پر بیٹھے ہوں تو ہم چارپائیوں پر نہ بیٹھیں ۔

قاضی عیاض المتوفی ۵۴۴ھ شفا شریف میں لکھتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت المتوفی ۴۵ھ نے کسی کی نماز جنازہ پڑھی ، نماز جنازہ سے فارغ ہو کر کے بعد جب وہ سوار ہوئے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی رکاب تھام لی ۔ حضرت زید نے فرمایا اے رسول اللہ کے چچا کے بیٹے ایسا نہ کرو ۔ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ ہم علماء کے ساتھ ایسا ہی کریں ۔ فقبل زید ید ابن عباس وقال ھکذا امرنا ان نفعل مع اهل بیت رسول الله صلی الله علیه وسلم ۔ (یہ سن کر) حضرت زید نے حضرت ابن عباس کے ہاتھ کا بوسہ لے لیا اور فرمایا کہ ہمیں بھی یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم رسولِ خدا کے اہلِ بیت سے یہی سلوک روا رکھیں (رشفة الصادی ص۱۴۲، نور الابصار ص۱۰۵) حضرت عمر بن عبدالعزیز المتوفی ۱۰۱ھ کے پاس عبداللہ بن حسن المثنیٰ تشریف لائے تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان کو بلند جگہ پر بٹھایا اور ان کے ضروریات کو پورا فرمایا ۔ آخر میں عرض کی کہ قیامت کے دن شفاعت کرتے وقت مجھے یاد رکھنا اور فرمایا کہ میں نے ایک ثقہ آدمی سے حدیث سنی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہ میری جگر گوشہ ہے جو چیز اسے خوش کرتی ہے مجھے خوش کرتی ہے ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا مجھے معلوم ہے کہ حضرت فاطمہ میرے اس فعل سے خوش ہوں گی اور بنی ہاشم سے ہر ایک کو شفاعت

کا حق ہے، میں امید کرتا ہوں کہ میں عبداللہ[1] بن الحسن المثنیٰ کی شفاعت میں ہوں گا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ المتوفی ۲۳ھ جب مالِ غنیمت وغیرہ تقسیم کرتے تو پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں سے شروع کرتے۔ ایک دفعہ آپ مال تقسیم کرنے لگے تو آپ نے ابتدا حضرت حسن اور حضرت حسین سے کی تو آپ کے بیٹے عبداللہ بن عمر نے کہا، باپ میں زیادہ حقِ تقدیم رکھتا ہوں کیونکہ آپ خلیفہ ہیں۔ تو حضرت عمر نے فرمایا حسنین کریمین کے باپ جیسا باپ اور نانے جیسا نانا لا تاکہ تجھے مقدم کروں۔

حضرت امام مالک المتوفی ۱۷۹ھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلِ بیت اور قریبی رشتہ داروں کی بہت عزت کرتے تھے۔ ایک دفعہ جعفر بن سلیمان عباسی (مدینہ منورہ کے گورنر) نے آپ کو کوڑے لگوائے، آپ بے ہوش ہوگئے ہوش آنے کے بعد فرمایا لوگو: تم گواہ رہنا میں نے جعفر بن سلیمان کو معاف کردیا ہے کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ دار ہے۔ امام ابو حنیفہ نے اہلِ بیت کی تعظیم و توقیر کے لیے متعدد مرتبہ قابل تحسین موقف اختیار کیا جس کی بنا پر سنِ کہولت میں حکومت وقت کی طرف سے عتاب نازل ہوا اور آخر کار حق کے ساتھ تمسک اور نہایت بے نیازی کی حالت میں عترتِ نبوی کی عزت و محبت میں مقامِ شہادت حاصل کیا۔ (رشفۃ الصادی ص ۱۴۵، مقدمہ فتاویٰ جماعتیہ ص ۳۴)

امام شافعی اہل بیت کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ آپ نے تصریح فرمائی ہے کہ میں اہلِ بیت کے تابعداروں سے ہوں یہاں تک کہ آپ کے بارے میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں تو آپ نے جواباً فرمایا اگر آلِ محمد کی محبت رفض ہے فلیشهد الثقلان انی رافض تو جن وانس گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں۔ امام احمد بن حنبل اہلِ بیتِ رسول کا بہت احترام اور تعظیم کرتے تھے۔ ایک مرتبہ امام احمد بن حنبل جامع مسجد کے دروازہ پر بنو ہاشم کے ایک چھوٹے لڑکے سے ملے جو دروازے سے باہر جانا چاہتا تھا مگر اس نے امام کو دیکھا تو تعظیماً کھڑا ہوگیا تاکہ آپ نکل جائیں۔ امام صاحب نے جونہی دیکھا تو پیچھے ہٹ گئے اور ہاشمی بچے کو پکڑ کر بوسہ دیا اور کھڑے ہوگئے حتیٰ کہ وہ بچہ مسجد سے باہر چلا گیا، فرمایا یہ بچہ اہل بیت سے ہے اللہ تعالیٰ نے ان کا احترام فرض کیا ہے۔

محی الدین ابن عربی المتوفی ۶۳۸ھ کے پاس اگر کوئی سید تعلیم کے لیے آتا تو اس کو بلند جگہ پر بٹھاتے اور خود نیچے بیٹھتے۔ حضرت بایزید بسطامی المتوفی ۲۶۱ھ جن کی ولایت کا شہرہ تمام دنیائے اسلام میں ہے مشہور روایت

---

[1] عبداللہ بن الحسن المثنیٰ بن حسن المجتبیٰ المتوفی ۱۴۵ھ، ۱۲ ۱۲

کے مطابق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام المتوفی سنہ ۱۴۸ھ کے گھرانے میں پانی بھرا کرتے تھے۔ حضرت امام کرخی المتوفی سنہ ۲۰۰ھ جو صوفیاء کے پیشوا ہیں وہ حضرت امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام المتوفی سنہ ۲۰۳ھ کے دربان تھے۔ امام شعرانی المتوفی سنہ ۹۷۳ھ اپنی کتاب "الیواقیت والجواہر" میں عقائد کی بحث میں لکھتے ہیں کہ واجب ہے کہ وجوب محبت ذریت نبی علیہ السلام کا اعتقاد رکھا جائے، وہ حسن وحسین، حضرت فاطمۃ الزہرا کے دونوں بیٹے اور ان کی اولاد ہے روزِ قیامت تک۔ ثابت ہوا کہ اہل بیت اور سادات کی تعظیم و توقیر فرض شرعی ہے جو ان کی ہی خصوصیت ہے۔

خصوصیت ۶: اس نسب کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ سادات صرف وہ ہوں گے جو حضرت فاطمۃ الزہرا یا حسنین کریمین کی صلبی اولاد سے ہوں گے جیسے کہ پہلے گذر چکا ہے اور حضرت فاطمۃ الزہرا کی دو صاحبزادیاں حضرت زینب اور حضرت ام کلثوم اگرچہ اولادِ رسول ہیں لیکن آگے ان کی اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہو کر سادات میں شمار نہ ہوگی بلکہ ان دونوں صاحبزادیوں کی اولادیں بجائے ماں کے اپنے اپنے باپ کی طرف منسوب ہوں گی۔ پس جو نسب باپ کا ہوگا وہی اولاد کا ہوگا۔ اسی لیے علماء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا کی اولاد بھی آپ کی طرف منسوب ہے اور حضرت فاطمہ کی صاحبزادیوں (حضرت زینب، حضرت ام کلثوم) کی اولاد کے لیے اس قسم کا ذکر نہیں کیا۔ پس سیدہ فاطمۃ الزہرا کے نواسوں اور نواسیوں وغیرہم پر شریعت مطہرہ کا وہی عام قاعدہ جاری ہوگا جس میں اولاد بلحاظ نسب صرف اپنے باپ کے تابع ہوتی ہے ماں کے نہیں۔ اور اسی لیے سلف اور خلف کے نزدیک یہ بات مسلمہ ہے کہ ایک سیدزادی کی اولاد اس وقت سید نہیں کہلا سکتی جب تک اس کا باپ سید نہ ہو۔ پس سیدہ فاطمہ کی اولاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت ہوگی اور حسنین کی اولاد حسنین کی طرف اور حضور کی طرف نسبت ہوگی۔ اور حسنین کریمین کی بہنوں زینب، ام کلثوم کی اولاد اپنے باپ عبداللہ بن جعفر اور محمد بن جعفر کی طرف نسبت ہوگی نہ کہ اپنی ماؤں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جو حضرت فاطمۃ الزہرا کے واسطہ سے حضرت زینب اور حضرت ام کلثوم کے والد گرامی ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کی بیٹی (نواسی) کی ہے نہ کہ آپ کی اپنی بیٹی کی۔ اور اس خصوصیت پر دلیل یہ حدیث ہے۔ لکل بنی انثی عصبة الاولفاطمۃ نانا ولیھم وعصبتھم۔ ہر ماں کی اولاد کا ایک جدی ولی ہوتا ہے مگر فاطمہ کے دو بیٹے (حضرت حسن اور حضرت حسین) پس میں حضرت فاطمۃ الزہرا کا ولی ہوں اور حضرت حسن اور حضرت حسین کا عصبہ جدی ولی ہوں۔

یہ بات بھی پیش نظر ہے کہ اس مذکورہ بالا حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف حضرت فاطمۃ الزہرا اور ان کی اولاد کے متعلق فرمایا ہے کہ میں ان کا عصبہ (جدی ولی) ہوں۔ باوجودیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تین صاحبزادیاں اور بھی تھیں، حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت کلثوم، ان کا ذکر نہیں کیا۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ خصوصیت صرف حضرت فاطمہ کی اولاد کے لیے ہے دوسری صاحبزادیوں کی اولاد کے لیے نہیں ہے۔ ان کے بارے میں یہ نہ کہا جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے باپ ہیں اور وہ آپ کے بیٹے ہیں جس طرح کہ یہ بات اولادِ فاطمہ کے لیے کہی جاتی ہے، ہاں یہ کہا جائے گا کہ وہ آپ کی اولاد اور نسل سے ہیں۔ غرضیکہ جو اولاد فاطمۃ الزہرا اور امام حسن اور امام حسین سے ہے وہ تو سادات ہیں اور جو دوسری صاحبزادیوں کی اولاد ہے یا حضرت فاطمۃ الزہرا کے نواسے اور نواسیاں ہیں وہ سادات سے نہیں ہیں۔ یہ بھی وہ خصوصیت ہے جو نسب سادات کے ساتھ متعلق ہے اور کسی نسب میں نہیں ہے۔

خصوصیت ۵: ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ غیر کفوء میں نکاح منعقد نہیں ہوتا لیکن بقول ان لوگوں کے جو کہ کہتے ہیں کہ نکاح ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی سیدزادی غیر کفوء میں نکاح کرے گی تو سادات کے نسب سے کٹ جائے گی اور اس کے آگے جو اولاد ہوگی وہ عجمیوں کی ہم کفوء ہو جائے گی اور سادات کے احکام اس پر لاگو نہیں ہوں گے، جو کہ سادات کے نسب میں بہت بڑا عیب ہے۔

علامہ محمد بن علی الصبان المصری "سلاسہ زینبیہ" کے حوالہ سے لکھتے ہیں، ولھذا اجری السلف والخلف علی ان ابن الشریفۃ لایکون شریفا اذ لم یکن ابوہ شریفا، اور اسی لیے سلف وخلف کے نزدیک یہ بات مسلمہ ہے کہ ایک سیدزادی کی اولاد اس وقت تک سید نہیں کہلا سکتی جب تک اس کا باپ سید نہ ہو۔

علامہ شامی لکھتے ہیں، من کانت امھا علویۃ مثلا وابوھا عجمی یکون العجمی کفوًا لھا وان کان لھا شرف ما لان النسب للآباء ولھذا اجاز دفع الزکاۃ الیھا فلا یعتبر التفاوت بینھما من جھۃ شرف الام (ردالمحتار ص۸۲ ج ۳) یعنی جس عورت کی ماں علویہ ہو اور باپ عجمی ہو تو اس عورت کے لیے عجمی مرد بھی کفوء ہو سکتا ہے کیونکہ نسب تو باپ دادا کی طرف سے چلے گا۔ اسی وجہ سے اس عورت کو زکوٰۃ دینا بھی جائز ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس عورت کی اگرچہ ماں علویہ تھی لیکن باپ عجمی ہونے کی وجہ سے یہ عورت عجمی مرد کے لیے ہم کفوء ہو جائے گی اور ماں کی طرف سے جو شرافت تھی وہ بھی ختم ہو جائیگی اور اس کو زکوٰۃ بھی دی جا سکتی ہے اور اس کا رشتہ

جو ماں کی طرف سے علویوں سے وابستہ تھا وہ کٹ چکا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی سیدزادی اپنی اور اپنے ولی کی رضا سے غیر کفوء میں نکاح کر لیتی ہے تو اس کی آگے جو اولاد ہوگی ان کا رشتہ سادات سے بحیثیت سادات کٹ جائے گا۔

خصوصیت ۸: اہلِ بیت کرام اور سادات کے نسب کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جو اُن کی طرف نسبت ہو جائے اس کے احکام بھی بدل جاتے ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری ص۲۹۱ ج ۱ میں ہے وصولاۃ الهاشمی لاتکافیٔ مولاۃ القرشی کذا فی التمرتاشی، کہ قریشی ہاشمی کی لونڈی قریشی غیر ہاشمی کے غلام کا کفوء نہیں بن سکتی۔ اب یہاں لونڈی بحیثیت لونڈی میں کوئی فوقیت نہیں بلکہ یہ صرف شرافت اس کو ہاشمیت کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ملی ہے، کہ وہ ہاشمی کی لونڈی ہونے کے لحاظ سے قریشی غلام کی ہم کفوء نہیں رہی۔ اب ہاشمیہ یا سیدہ کا خود ہی اندازہ کر لیجیے۔

علامہ سید شہاب الدین لکھتے ہیں کہ سید کی لونڈی اور سید کی مطلقہ بیوی جو کہ غیر سیدہ ہو، سے بھی نکاح نہیں کرنا چاہیے کیونکہ وہ کسی وقت سید کی زوجہ رہ چکی ہے۔ اس نسبت کے پیشِ نظر اگرچہ اس نے طلاق دی ہے اس سے نکاح نہ کرنا چاہیے اور نسبت کی تبدیلی سے حکم کی تبدیلی ہو جاتی ہے۔ اس کی یہ مثال بھی پڑھ لیجیے۔ علامہ ابو جعفر طحاوی المتوفی سنہ ۳۲۱ھ شرح معانی الآثار میں لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک بنی ہاشم کے غلام تو غلام، موالی (آزاد کردہ غلام) کے لیے بھی زکوٰۃ حرام ہے۔ ہمارے آئمہ کرام سے کسی نے بھی اس میں اختلاف نہیں کیا۔ (فتاویٰ جماعتیہ ص۲۹۶ ج ۲) ظاہر ہے کہ اہلِ بیت کرام اور سادات کی طرف جو منسوب ہوگیا اس کے احکام بھی بدل گئے۔ غرضیکہ سادات کے نسب کی یہ خصوصیت بھی ہے جو ان کی طرف منسوب ہو جائے اس کے احکام بھی بدل جاتے ہیں۔

خصوصیت ۹: ہم نے جو خصوصیت ۸ میں ذکر کیا ہے کہ اہلِ بیت کرام و سادات کی طرف جس کی نسبت ہو جائے اس کے احکام بدل جاتے ہیں۔ جیسے کہ ہاشمی کی لونڈی کا کفوء قریشی غیر ہاشمی کا غلام نہیں بن سکتا باوجودیکہ ہاشمی بھی قریشی ہے لیکن اس کی وجہ وہ احادیث ہیں جو بنو ہاشم کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں جن میں سے ایک حدیث ہم نے نسب کی اہمیت کی بحث میں ذکر کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کنانہ سے قریش کو پسند کیا، پھر قریش سے بنی ہاشم کو۔ اب قریش سے بنی ہاشم کو پسند کرنا بنی ہاشم کے افضل ہونے کی دلیل ہے۔ یہ افضلیت اس بات کی بھی علت ہے کہ ہاشمی لونڈی کے لیے قریشی

غیر ہاشمی کا غلام ہم کفوء نہیں بن سکتا۔ اسی طرح جہاں اس سے بھی زیادہ افضلیت ثابت ہوگی وہاں افضلیت کا حکم بھی ثابت ہوگا کیونکہ حکم اپنی علت کے ساتھ دائر ہوتا ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ بنی ہاشم سے بنی عبدالمطلب کو پسند کیا اور عبدالمطلب سے مجھ کو پسند اور برگزیدہ کیا۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب سے افضل ہوئے تو آپ کی لونڈیوں کا حکم بھی تمام قریش، بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کی لونڈیوں سے جدا ہوگا کہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کا غلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لونڈی کا کفوء نہیں ہوگا۔ جب یہ حکم لونڈیوں اور غلاموں کا ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کا حکم قریشیوں، ہاشمیوں اور مطلبیوں کی اولادوں سے بھی یقیناً جدا ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کے قریشی، ہاشمی اور مطلبی ہم کفوء نہیں ہوں گے۔

چنانچہ ابن حجر مکی اپنے فتاوی کبریٰ میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص سے یہ بھی ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا کی اولاد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بحیثیت نسب منسوب ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی ہم کفوء اور مثل نہیں ہے۔ آپ کی اولاد کا بھی کوئی ہم کفوء نہیں ہے مگر وہی جو آپ کے نسب عترت میں سے ہو۔ فالعباسی لایکون کفوا للشریفۃ وان کانا من بنی ھاشم۔ پس عباسی سیّدہ کے لیے کفوء نہیں ہے اگرچہ دونوں بنی ہاشم سے ہیں۔

سوال:۔ فقہاء تو کہتے ہیں کہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب ایک ہی ہیں، لہٰذا یہ ایک دوسرے کے ہم کفوء ہوں گے۔

جواب:۔ ایک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مالِ غنیمت اور صدقات وغیرہ کے حکم میں ایک ہیں کفوء میں ایک نہیں ہیں۔ علامہ ابن حجر کی کلام کا مفہوم بھی یہی ہے کہ عباسی اور سیّدہ ہم کفوء نہیں بن سکتے اگرچہ دونوں بنی ہاشم سے ہیں۔ جہاں فقہاء نے یہ بیان کیا ہے کہ دونوں کا حکم ایک ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ صدقات، مالِ غنیمت وغیرہ میں ایک ہیں نہ کہ کفوء میں ایک ہیں۔ جب کفوء میں ایک نہ ہوئے تو اب عباسی مرد کا نکاح سیّد زادی کے ساتھ نہ ہوگا۔

سوال:۔ قریش باہمی ایک دوسرے کے کفوء ہیں اور سیّد بھی قریش ہیں لہٰذا قریش سادات کے ہم کفوء ہوں گے۔ حدیث میں بھی ہے، قریش بعضہم اکفاء لبعض، کہ بعض قریش بعض کے لیے ہم کفوء ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا کہ سیّدہ کا ہم کفوء صرف سیّد ہے صحیح نہیں ہے۔

جواب: سائل نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے اس کو امام حاکم نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں شجاع بن ولید المتوفی ۲۰۴ھ جس سے روایت کرتا ہے وہ مجہول ہے۔ ابویعلی المتوفی ۳۰۷ھ نے بھی اس کو روایت کیا ہے لیکن اس کی سند میں عمران بن فضل جو ہے محدثین نے اس کے متعلق کہا ہے وہ موضوع روایات بیان کرتا ہے۔ اس کو دارقطنی المتوفی ۳۸۵ھ نے بھی ابن عمر سے روایت کیا ہے لیکن اس میں بقیہ بن ولید ضعیف ہے اور محمد بن فضل مطعون فی الحدیث ہے۔ ابن عدی المتوفی ۳۶۵ھ نے کامل میں بھی اس حدیث کو حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے لیکن اس میں بھی ایک راوی علی بن عروہ ہے جو کہ منکر الحدیث ہے اور دوسرا راوی عثمان بن عفان ہے جو کہ مجہول سے روایت کرتا ہے۔ یہ حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے لیکن وہ بھی ضعیف ہے۔ اس حدیث کو امام بزار المتوفی ۲۹۲ھ نے بھی روایت کیا ہے لیکن ان کی سند میں ایک راوی سلیمان بن ابی الجون ہے جس پر ابن قطان المتوفی ۱۹۸ھ نے جرح کی ہے اور دوسرا راوی ابن معدان ہے جس کا سماع معاذ بن جبل سے ثابت نہیں۔ غرضیکہ اس حدیث کے تمام طرق ضعیف ہیں، اسی لیے علامہ ابن ہمام المتوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں کہ حدیث ضعیف ہے اگرچہ متعدد طرق کی وجہ سے مقام حسن تک پہنچ سکتی ہے۔ (فتح القدیر ص ۲۹۵)

سائل کی پیش کردہ حدیث پر محدثین نے جو جرح کی ہے اس سے اولاً تو واضح یہ ہوا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اگر بوجہ تعدد طرق پایہ حسن تک پہنچ جائے اور سائل اس کا مفہوم عام ہی سمجھے تو پھر ہم کہیں گے یہ عام مخصوص عنہ البعض ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصوصیات سے ہے کہ آپ کی اولاد کا کوئی بھی ہم کفو نہیں ہے۔ قریش اگرچہ باہمی ایک دوسرے کے کفو ہیں لیکن قریش سے سادات مخصوص ہیں۔ قریش ان کے کفو نہیں بن سکتے جیسے کہ ابن حجر نے تصریح کی ہے۔ فالعباسی لایکون کفوًا للشریفۃ۔ کہ عباسی مرد سیدہ کے لیے کفو نہیں ہے اگرچہ دونوں بنی ہاشم سے ہیں۔ جب سیدہ کے لیے عباسی کفو نہیں بن سکتا تو قریشی کیسے ہوگا۔ لہٰذا لازمی طور پر حدیث یا مخصوص ہوگی یا ضعیف ہوگی۔ علاوہ ازیں حدیث "قریش بعضھم اکفاء لبعض" قضیہ کلیہ نہیں ہے کہ جس میں اہل بیت رسول کو داخل کرکے قریش کے کفو قرار دیا جائے بلکہ خود قضیہ کے لفظ ہی "جزئیت" اور "بعضیت" پر دلالت کر رہے ہیں۔ جب "قضیہ کلیہ" نہیں بلکہ "بعضیہ" ہے تو اس میں سادات داخل ہی نہ ہوں گے۔ اب حدیث کا مفہوم یہ ہوگا کہ بعض قریش بعض کا کفو ہیں اور بعض قریش کل قریش کا کفو نہیں ہیں، جیسے کہ قریشی سادات کا کفو نہیں ہیں حالانکہ سادات بھی قریشی ہیں۔ گویا کہ جو قریشی

سادات ہیں وہ بوجہ تخصیص مفہوم حدیث میں داخل نہیں ہیں، یا "بوجہ بعضیت" کے حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ تمام قریش تو ایک دوسرے کا کفوٗ نہیں بن سکتے بلکہ بعض قریش بعض کے کفوٗ ہوں گے جو ان کی برادری سے ہوں گے۔ یعنی اگر قریشی سادات ہیں تو ان قریشیوں کے ہم کفوٗ ہوں گے جو سادات ہوں گے، یہ دوسرے قریشیوں کے ہم کفوٗ نہیں ہو سکتے جو کہ سیّد نہیں ہیں۔ اسی طرح ہاشمی جو ہوں گے وہ ہاشمیوں کے ہم کفوٗ ہوں گے لیکن بنی عدی ہاشمیوں کے ہم کفوٗ نہیں ہوں گے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصیات سے ہے کہ آپ کی اولاد کا کوئی بھی ہم کفوٗ نہیں ہے۔ تو اب سیّدہ کا نہ ہم کفوٗ قریشی ہو سکتا ہے اور نہ ہی ہاشمی اور نہ عباسی اور نہ ہی علوی غیر فاطمی۔ بلکہ سیّد زادی کا ہم کفوٗ صرف اور صرف سیّد زادہ ہی ہوگا۔

خصوصیت نمبر ۱ : علماء شافعیہ سے صاحب تلخیص کہتے ہیں کہ اولاد فاطمہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص سے ہے اور اس امر کو کفاءت میں "مطرد الحکم" تسلیم کیا گیا ہے۔ یعنی اگر دونوں عورت اور مرد میں نسبت قرابت پائی گئی (دونوں سیّد ہوئے) تو نکاح منعقد ہوگا۔ اس وجہ سے کہ یہ دونوں ہم کفوٗ ہیں۔ اگر لڑکی سیّدہ ہے اور لڑکا غیر سیّد ہے تو نکاح نہیں ہوگا کیونکہ اب غیر سیّد، سیّد زادی کا ہم کفوٗ نہیں ہے اور یہاں حکم کی علت قرابت اور انتساب ہے۔ اگر لڑکی سیّد زادی ہو در لڑکا غیر سیّد ہو تو اطراد[1] نہیں ہوگا۔ ظاہر ہے کہ لڑکی بوجہ سیّد زادی ہونے کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف

---

[1] اطراد کا معنی یہ ہے کہ جب وصف پائی جائے تو حکم پایا جائے اور عکس کا معنی جب وصف منتفی ہو جائے تو حکم بھی منتفی ہو جائے اس کو "دوران" بھی کہتے ہیں۔ یہاں علماء حنفیہ اور شافعیہ کا باہمی اختلاف ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں اگر وصف کے پائے جانے سے حکم پایا جاتا ہے تو وصف شرط بنے گا جیسے کہ وضو نماز کے لیے شرط ہے، اور شافعیہ کہتے ہیں کہ وصف علت مؤثرہ ہوگا جیسے کہ عورت کے حلال ہونے کے لیے عقد نکاح علت ہے۔ غرضیکہ حنفیہ کے نزدیک طرد یہ ہے کہ وصف کے پائے جانے سے حکم پایا جائے لیکن یہ وصف قائم مقام شرط کے ہے مثلاً خاوند نے بیوی کو کہا اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے۔ اب عورت اگر حالتِ نکاح میں گھر میں داخل ہوئی تو طلاق واقع ہو گی اگر داخل نہ ہوئی تو طلاق نہ ہو گی۔ یہاں حکم کا دوران وجودی طور پر مکان میں جانے کے ساتھ پایا جاتا ہے باوجودیکہ شرط علت نہیں ہے اور شافعیہ کے نزدیک قائم مقام علت کے ہے مثلاً شافعیہ کہتے ہیں کہ نکاح کے گواہ دونوں مرد ہوں گے، ایک مرد [illegible] س ہو سکتیں کیونکہ نکاح از قسم مال نہیں ہے اور جو مال نہ ہو وہاں عورتیں گواہ نہیں بن سکتی جیسے کہ حدود، قصاص،

منسوب ہے اور لڑکا غیر سید ہونے کی وجہ سے حضور کی طرف منسوب نہیں ہے۔ اب دونوں کے درمیان علت مناسبہ (قرابت اور انتساب) متحقق نہ ہوئی تو اطراد بھی نہ ہوا۔ اصولِ فقہ کا ضابطہ ہے۔ فالاطراد ھو الوجود والانعکاس ھو العدم عند العدم (نور الانوار ص ۲۶۲)۔ جب علت مناسبہ پائی جائے

ہیں عورتیں گواہ نہیں بن سکتیں، لہٰذا اثباتِ نکاح میں دو مرد ہی گواہ ہوں گے، اب نفی علت سے نفی حکم پر دلالت ہوئی۔ صاحب رشفۃ الصادی لکھتے ہیں کہ شوافع سے صاحب تلخیص لکھتے ہیں کہ اولادِ فاطمہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونا حضور کے خصائص سے ہے اور اس امر کو کفاءت میں مطرد الحکم تسلیم کیا گیا ہے یعنی اگر دونوں عورت اور مرد میں نسبت قرابت نسبِ رسول پائی گئی (دونوں سید ہوئے) تو نکاح منعقد ہوگا۔ اس وجہ سے کہ یہ دونوں ہم کفو ہیں۔ اگر لڑکی سیدہ ہے اور لڑکا غیر سید ہے تو نکاح نہیں ہوگا کیونکہ یہ دونوں آپس میں ہم کفو نہیں ہیں اور یہاں حکم کی علت قرابت نسب رسول ہے۔ اگر لڑکی سیدزادی ہو اور لڑکا غیر سید تو اطراد نہیں ہوگا ظاہر ہے کہ لڑکی بوجہ سیدزادی ہونے کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے اور لڑکا غیر سید ہونے کی وجہ سے منسوب نہیں ہے۔ اب دونوں کے درمیان علت مناسبہ (قرابت نسب رسول) متحقق نہ ہوئی تو اطراد بھی نہ ہوا، جب اطراد نہ ہوا تو حکم بھی نہ ہوگا یعنی نکاح بھی منعقد نہ ہوگا۔

سوال: حنفیہ کے نزدیک اطراد دلیل اور حجت نہیں ہے، جب اطراد حنفیہ کے نزدیک دلیل اور حجت نہ ہوا تو غیر کفو میں نکاح منعقد نہ ہونے کا حکم ثابت نہیں ہوگا دوسرے الفاظ میں غیر کفو میں نکاح ہو سکے گا۔

جواب: حنفیہ کے نزدیک اطراد اس وقت حجت نہیں ہوتا جبکہ وصف کا اثر ظاہر نہ ہو اگر وصف کا اثر ظاہر ہو تو پھر حجت ہوتا ہے۔ علماء اصول لکھتے ہیں، لیس ھو حجۃ عندنا مالم یظھر تاثیرہ (نور الانوار ص ۲۳) کہ یہ اطراد اس وقت حجت نہیں جبکہ اثر ظاہر نہ ہو لیکن جو مسئلہ زیر بحث ہے یہاں وصف قرابت نسب رسول ہے، اس وصف کا اثر ظاہر ہے بایں وجہ کہ اس نسب رسول کی تخصیص پر نصوص شرعیہ وارد ہو چکے ہیں، اس کی طہارت پر نص قطعی (قرآن) شاہد ہے اور اس نسب کے خصوصیات پر تمام علماء اسلام کا اتفاق ہے لہٰذا یہاں پر اطراد حجت تامہ ہوگا۔ علاوہ ازیں اگر سائل وصف کا ظہور نہ مانے تو سیدزادی کا غیر کفو میں نکاح کے جواز سے ہتک حرمتِ اہل بیت و نسبِ رسول ہوگی جو کہ ایمان کے یکسر منافی ہے۔ یہ زیر بحث مسئلہ اگرچہ بظاہر فقہ سے متعلق ہے لیکن درحقیقت اس کا تعلق عقیدہ سے بن جاتا ہے، جب یہ مسئلہ عقیدہ سے متعلق ہوا تو پھر حنفیت اور شافعیت کا جزوی اختلاف غیر مؤثر ہوگا۔ جہاں وصف قرابت نسب رسول ہوگی وہاں سیدزادی کا نکاح ہوگا جہاں نہ ہوگی وہاں نہیں ہوگا۔ یعنی سیدزادی کا نکاح غیر کفو میں منعقد نہیں ہوگا۔

(مفتی غلام رسول ۱۲)

گی تو حکم پایا جائے گا۔ اگر علت مناسبہ نہ پائی گئی تو حکم نہیں پایا جائے گا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف انتساب کفوٴ میں حکم کا دارو مدار ہے تو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے اس کا وہ کفوٴ نہیں بن سکتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب نہیں ہے۔ ہم پہلے کفوٴ کی تحقیق میں لکھ چکے ہیں کہ غیر کفوٴ میں نکاح منعقد نہ ہونے کی علت شرعیہ انسان کی تذلیل ہے۔ جہاں ہی انسان کی فی الواقع تذلیل ہو گی وہاں ہی غیر کفوٴ میں نکاح منعقد نہیں ہو گا۔ اگر لڑکی سید زادی ہو اور لڑکا غیر سید ہو تو بایں وجہ کہ لڑکی سید زادی کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے اور غیر کفوٴ میں جس سے نکاح ہو گا وہ غیر سید ہے تو یہاں بہت بڑی ذلت ہو گی تو ظاہر ہوا کہ غیر کفوٴ میں نکاح منعقد نہ ہونے کی علت شرعیہ مناسبہ اور مؤثرہ تذلیل انسان ہے۔ اگر قرابت رسول کو حکم کے لیے مطرد مانا جائے تو اس کا حاصل بھی وہی تذلیل ہے۔ ثابت ہوا کہ غیر کفوٴ میں نکاح نہ ہونے کی علت انسان کی ذلت ہے اور پھر یہاں قرابت حکم کے لیے مطرد ہو رہی ہے۔ اس میں دنیاوی اور شرعی دونوں قسم کی ذلت ہے اور جہاں دونوں قسم کی ذلت ہو گی وہاں نکاح منعقد نہیں ہو گا۔ اس نظریہ کی تائید حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی ہوتی ہے، فرماتے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ حسب و نسب والی لڑکیوں کا نکاح صرف کفوٴ میں کرنے کی اجازت دوں (رشفۃ الصادی ۳۳)

ظاہر ہے اگر نکاح غیر کفوٴ میں ہوا تو تذلیل ہو گی جو کہ نکاح کے غیر کفوٴ میں منعقد نہ ہونے کی علت ہے، فسادِ زمانہ علت نہیں ہے، کیونکہ علت حکم میں مؤثر ہوتی ہے۔ جب یہ بات ثابت ہے کہ علت ہی وجود حکم میں موثر ہوتی ہے تو لامحالہ وصف متعدی ہو گا یعنی جہاں کہیں وہ وصف متحقق ہو گی اس کا حکم بھی ثابت ہو گا۔ اور یہ حکم اپنے مقام تک منحصر نہیں ہو گا بلکہ وصف کی تاثیر کے بالتبع ثابت ہوتا رہے گا۔ اگر نکاح کفوٴ میں ہوا تو ولی کی عزت بحال رہے گی۔ اگر غیر کفوٴ میں ہوا تو ولی (وارث) کی توہین ہو گی اور یہ عزت اور توہین ہی نکاح کے جواز اور عدم جواز میں علت مؤثرہ ہے، اور فسادِ زمانہ کا نکاح کے کفوٴ میں ہونے یا غیر کفوٴ میں منعقد نہ ہونے میں اثر نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ فساد زمانہ عدم فسخ نکاح کے لیے سبب بن سکتا ہے کہ جب غیر کفوٴ میں منعقد ہو جائے گا تو فسادِ زمانہ کی وجہ سے نکاح فسخ نہیں ہو گا۔ کیونکہ ہر ولی عدالت میں فسخ نکاح کے لیے رجوع نہیں کر سکتا نیز ہر قاضی عادل بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ غیر کفوٴ میں نکاح فسخ کر دے اور اگر بالفرض ولی یہ کام عدالت سے کرا سکے اور قاضی بھی عادل ہو تو پھر بھی بعض اوقات حکام کے دروازوں پر چکر لگانے کی ذلت اور اس کام کے مشکل ہونے کی وجہ سے عدالت کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا لہٰذا ضرر ہمیشہ کے لیے پختہ ہو جاتا ہے،

اور اس ضرر سے بچنے کے لیے یہی طریقہ ہے کہ بنیادی طور پر نکاح ہی منعقد نہ ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ فتویٰ کے مختار ہونے کے لیے فساد زمانہ کا تذکرہ صرف اس لیے ہوا ہے کہ فساد زمانہ کی وجہ سے نکاح فسخ نہیں ہو گا۔ یہ صورت نہیں ہے کہ فساد زمانہ نکاح کے کفو یا عدم کفو یا جواز اور عدم جواز کے لیے علت ہے بلکہ علت وہی ہے جو شمس الائمہ اور دیگر فقہاء نے ذکر کی ہے کہ نکاح غیر کفو میں اس لیے نہیں ہو سکتا کہ اس میں ولی (وارث) کی توہین ہے۔

جب قارئین حضرات، مبادی اور تمہیدی کلمات پڑھ چکے ہیں تو اب اصل مسئلہ کے چند تفصیلی مباحث بھی پڑھ لیں۔

بحث اوّل: ولایت لغت میں بمعنی دوست ہے، اور ولایت کا معنی فقہی اصطلاح میں یہ ہے کہ دوسرے پر اپنی بات نافذ کرنے کا حق ہو خواہ دوسرا شخص راضی ہو یا نہ۔ نکاح کے معاملہ میں ولایت دو قسم پر ہے، ایک ولایت اجباریہ صغیرہ، بالغہ بے ہوش اور باندی پر ہوتی ہے۔ دوسری ولایت استحباب، یہ عاقلہ بالغہ پر ہوتی ہے خواہ باکرہ (کنواری) ہو یا ثیبہ (شادی شدہ) اور ثبوت ولایت کے چار اسباب ہیں۔ ۱؎

۱: قرابت، جیسے باپ اپنی بیٹی کا نکاح کرے۔

۲: ملکیت، جیسے آقا اپنے غلام اور باندی کا نکاح کرے۔

۳: ولاء، جیسے آقا اپنے آزاد کردہ غلام کا نکاح کرے۔

۴: امارت، جیسے بادشاہ یا قاضی لاوارث کا نکاح کرے۔

نکاح میں ولی کا مقام

امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن محمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ کے نزدیک نکاح کے لیے ولی کا ہونا ضروری ہے۔ جو نکاح ولی یا اس کے قائم مقام کے بغیر ہو وہ باطل ہے کیونکہ حدیث میں ہے لا نکاح الا بولی، نیز نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے باطل ہے باطل ہے۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک صغیرہ یا کبیرہ یا مجنونہ کے نکاح کے لیے ولی ضروری ہے اور بالغہ باکرہ ہو یا ثیبہ اس کے نکاح کے لیے ولی کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

حنفیہ کی دلیل درج ذیل آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ ہیں فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن بالمعروف۔ تو اے والیو! تم پر مواخذہ نہیں ہے اس کام میں جو عورتیں اپنے معاملہ میں موافق شرع کریں حتی تنکح زوجا غیرہ جب تک دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح نہ کرے فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن تو اے عورت کے والیو! نہ روکو اس سے کہ اپنے شوہروں سے نکاح کر لیں جو کہ انہوں نے اپنے نکاح کے لیے تجویز کیا ہو خواہ وہ نئے ہو یا یہی طلاق دینے والے یا ان سے پہلے جو طلاق دے چکے تھے۔ ان آیات سے ظاہر ہے کہ عورتوں کو نکاح

کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اور حدیث میں ہے کہ بیوہ عورت اپنی ذات کی زیادہ مستحق ہے بہ نسبت اپنے ولی (وارث) کے (صحیح مسلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شوہر دیدہ عورت پر ولی کو کچھ اختیار نہیں ہے (ابو داؤد، نسائی)

حدیث پاک میں ہے کہ ایک باکرہ (کنواری) لڑکی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم) میرے والد نے میری شادی ایسی جگہ کر دی ہے کہ وہ مجھے ناپسند ہے۔ آپ نے اسے اختیار دے دیا (ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد بن حنبل، دارقطنی) نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ باکرہ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے سوا نہ کیا جائے (بخاری، مسلم)

معلوم ہوا کہ عاقلہ بالغہ عورت پر ولی کا جبر استحقاق نہیں ہے بلکہ وہ نکاح کے معاملہ میں خود مختار ہے۔ یہ اور بات ہے کہ عاقلہ بالغہ عورت کے لیے بھی مناسب یہ ہے کہ وہ اپنا نکاح ولی کی رضا پر رکھے تاکہ بیحیائی کی طرف منسوب نہ ہو۔ وانما یطالب الولی بالتزویج کیلا تنسب بالوقاحۃ (ہدایہ ص۲۹۴ ج ۲)

سوال: جب احناف لاتنکح البکر حتی تستأذن (کنواری لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے سوا نہ کیا جائے) کے عموم پر عمل کرتے ہیں تو پھر باکرہ صغیرہ پر ولایت اجبار کے کیوں قائل ہیں

جواب: اس لیے کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ کا نکاح ان کی کم سنی میں ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کر دیا تھا، لہٰذا صغیرہ عموم سے مستثنیٰ ہے۔ علاوہ ازیں ہمارے یہاں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو اپنے مال میں تصرف کر سکتا ہے وہ اپنی ذات میں بھی تصرف کر سکتا ہے۔ ولہذا کان لہا التصرف فی المال ولہا اختیار الازواج۔ (ہدایہ ص۲۹۴ ج ۲) اور عاقلہ بالغہ کو چونکہ اپنے مال میں تصرف کا اختیار ہے لہٰذا اس کو نکاح میں بھی اختیار ہوگا اور صغیرہ کو مال میں اختیار نہیں لہٰذا نکاح میں بھی اختیار نہیں ہوگا۔ علمائے اصول فرماتے ہیں انما یثبت ولایۃ الاب فی مال الصغیرۃ لانہا عاجزۃ عن التصرف بنفسہا فما ثبت الشرع ولایۃ الاب کیلا یتعطل مصالحہا المتعلقۃ بذالک وقد عجزت عن التصرف فی نفسہا فوجب القول لولایۃ الاب علیہا۔ (اصول الشاشی ص۹) چونکہ صغیرہ مال میں تصرف نہیں کر سکتی لہٰذا نکاح میں بھی صغیرہ پر ولایت اجبار ہے اور اصل عموم سے اس کو استثناء کر لیا گیا ہے۔

امام شافعی، امام مالک اور امام احمد نے جو احادیث ذکر کی ہیں ان کا جواب یہ ہے کہ ایک تو وہ نص قرآنی سے متعارض ہیں نیز فنکاحہا باطل، باطل، باطل والی حدیث کی راویہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں، آپ کا عمل کہ انہوں نے اپنی بھتیجی کا نکاح بھائی سے پوچھے بغیر کرا دیا تھا اس حدیث کے خلاف ہے۔ راوی کا جب خود عمل حدیث کے خلاف ہو تو حدیث کی حجیت کو مجروح کر دیتا ہے۔ نیز امام بخاری اور یحییٰ بن معین المتوفی ۲۳۳ھ فرماتے ہیں کہ اشتراط ولی کے باب میں کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں ہو سکی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک نکاح کے لیے ولی کا ہونا ضروری ہے ورنہ نکاح باطل ہوگا۔ اور احناف کے نزدیک صغیرہ یا کبیرہ مجنونہ کے نکاح کے لیے ولی ضروری ہے۔ بالغہ باکرہ ہو یا ثیبہ اس کے نکاح کے لیے ولی ضروری نہیں۔ البتہ اگر غیر کفو میں نکاح کرے اور اولیاء کو اعتراض ہو تو وہ قاضی سے یا عدالت اسلامیہ سے فسخ کرا سکتے ہیں۔ ہدایہ ص۲۹۴ ج ۲ میں ہے لکن للولی الاعتراض فی غیر الکفوٴ وعن ابی حنیفۃ وابی یوسف انہ لایجوز فی غیر الکفوٴ لانہ کم من واقع لایرفع، امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف سے روایت ہے کہ غیر کفوٴ میں نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا کیونکہ جب کسی وجہ سے نکاح غیر کفوٴ میں ہو جاتا ہے تو اس کا فسخ کرانا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہی حسن بن زیاد کی روایت ہے جس کو مفتیٰ بہا کہا گیا ہے جس کا تذکرہ آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ آرہا ہے۔

بحث ثانی: کفوٴ کا معنیٰ برابری ہے۔ نکاح میں کفاءت سے مراد ایک خاص برابری ہے جس کا اعتبار مرد کی جانب سے ہوتا ہے، کیونکہ شریف عورت، خسیس (گھٹیا) مرد کے نیچے رہنا پسند نہیں کرتی۔ لہٰذا شریعت نے کفوٴ کا نسب میں بھی اعتبار کیا کیونکہ نسب عربوں کے نزدیک سبب فخر ہے۔ اسی لیے ظاہر روایت کے مطابق عجمی مرد، عربی عورت کے لیے کفوٴ نہیں ہوگا۔ جب ایک عجمی مرد عربی عورت کے لیے کفوٴ نہیں بن سکتا تو عجمی مرد، قریشیہ، ہاشمیہ اور علویہ عورت کے لیے بھی کفوٴ نہیں ہوگا، جب علویہ کے لیے کفوٴ نہیں ہوگا تو سیدہ کے لیے بھی کفوٴ نہیں ہوگا۔ کیونکہ سادات کا نسب صرف مشہور ہی نہیں ہے بلکہ مخصوص بھی ہے۔

صاحب ہدایہ کفوٴ کے مسئلہ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کفوٴ کا نسب میں اعتبار کیا گیا ہے کیونکہ نسب سبب فخر ہے اور بعض قریش بعض کے کفوٴ ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ امام محمد سے روایت ہے، الا ان یکون نسبا مشہورا کاھل بیت الخلافۃ، اگر نسب مشہور ہے جیسے کہ خلفائے راشدین کا نسب تو پھر افضلیت کا اعتبار کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ خلیفہ کی نسل سے اگر قریشی لڑکی نے قریشی لڑکے کے

ساتھ جو خلیفہ کی نسل سے نہیں ہے، نکاح کیا تو اولیاء کو اعتراض کا حق ہوگا کہ وہ نکاح فسخ کرالیں۔

"شمس الائمہ سرخسی" اور "صاحب ہدایہ" کہتے ہیں کہ یہ امام محمد نے جو کہا ہے صرف تعظیم خلافت کے لیے کہا ہے (ہدایہ ص۳۰۰، مبسوط ص۲۳ ج) شمس الائمہ اور صاحب ہدایہ کی تصریح کے مطابق اگرچہ یہ قول امام محمد نے اہل بیت خلافت کی تعظیم کے لیے اختیار کیا ہے لیکن ہر صورت میں امام محمد نے قریش سے اہل بیت خلافت کو مستثنیٰ کر دیا ہے۔ جب اہلِ بیتِ خلافت کا نسب مشہور ہونے کی وجہ سے بوجہ تعظیم مستثنیٰ ہے تو اہلِ بیتِ رسول کا نسب بھی بوجہ تعظیم کے مستثنیٰ ہوگا اور بوجہ قرابتِ رسول مخصوص ہوگا۔ اسی لیے علماء نے اس کو شرعی احکام میں مطرد الحکم تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ علامہ سید شہاب الدین "رشفہ" میں لکھتے ہیں کہ علماء شوافع میں سے "صاحب تلخیص" نے لکھا ہے کہ اولادِ فاطمہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف انتساب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص سے ہے اور یہ امر کفاءت میں مطرد الحکم ہے "روضہ" میں بھی اس کو خصائص سے شمار کیا گیا ہے۔

علماء نے اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ حضور کی طرف قواعد انتساب سے یہ بھی ہے کہ حضور کو ان کا باپ اور انہیں آپ کی اولاد کہا جائے جیسے کہ "آیت مباہلہ" اور احادیث میں ہے اور اس کا اعتبار احکام میں بھی کیا جائے جیسے وقف، وصیّت اور کفارت وغیرہ میں اسی وجہ سے جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب نہیں ہے وہ اس کا کفوء نہیں بن سکتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے۔

بنو ہاشم و بنو عبد المطلب ایک دوسرے کے کفوء ہیں مگر ان سے کوئی بھی اولادِ حسن وحسین کا کفوء نہیں ہے، کیونکہ مقصد تو یہ ہے کہ کفاءت کی قربِ رسول میں مساوات ہو اور وہ اس بارے میں مساوی نہیں گویا کہ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو بنات قریش میں نہیں پائی جاتی۔ سید شہاب الدین یہ بھی لکھتے ہیں کہ ہمارے سادات علوی حسنی وحسینی کا یہ قدیم دستور رہا ہے اور اب بھی ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کی شادی شریف صحیح النسب ہی سے کرتے ہیں۔ اس نسب عظیم کی حفاظت کے لیے وہ غیر شریف (غیر سید) سے شادی کی اجازت نہیں دیتے اگرچہ عورت اور اس کا ولی راضی ہوں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس نسب طاہر کا حق اسی کو ہے جو حسنین کی طرف منسوب ہو، یہ حق نہ صرف کسی عورت کو ہے نہ اس کے ولی کو اور سارے اولادِ حسنین کریمین کا راضی ہونا ناممکن ہے۔ آج تک اسی پر عمل ہے۔ یہ لوگ بہترین نمونہ اور قابل تقلید ہیں۔ کیونکہ ان میں فقہاء صلحاء واقطاب و اولیاء ہیں، جن کی مخالفت ہمارے لیے جائز نہیں ہر اس چیز میں جس کی انہوں نے اساس رکھ دی ہے اور جس پر وہ عمل پیرا رہے ہیں ہمیں صرف انہی کی سیرت پر چلنا اور ان کی اقتدا کرنا چاہیئے۔ انہیں ایسے اختیارات

اور ایسی نگاہیں حاصل ہیں کہ نقیہ ان کے اسرار کو نہیں پہنچ سکتا۔ ان کے اس اختیار و نظریہ کی تائید سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے قول سے ہوتی ہے کہ فرماتے ہیں میں چاہتا ہوں حسب و نسب والی لڑکیوں کی شادی کو صرف کفؤ میں کرنے ہی کی اجازت دوں انتھیٰ ۔ اس سے ظاہر ہے کہ سادات کے نسب میں یہ خصوصیت ہے کہ ان کا ہم کفؤ وہی ہوگا جو اُن کی طرح نسب عترت میں سے ہو جیسے کہ خصوصیت ۹ میں ہم نے ذکر کیا ہے اگر کسی کو یہ قرابت حاصل نہیں ہے تو وہ سادات کا ہم کفؤ نہیں ہے اگرچہ عورت اور اس کا ولی راضی بھی ہو جائیں ۔ کیونکہ یہ نسب دوسرے عام نسبوں کی طرح نہیں ہے ۔ اس کی وہ خصوصیات ہیں جو دوسرے نسبوں میں نہیں ۔ جیسے کہ ہم نے اس کے دس خصوصیات بیان کیے ہیں ۔ دوسرے عام نسبوں میں اگر عورت اور اس کا ولی راضی ہو جائیں تو غیر کفؤ میں نکاح کر سکتے ہیں لیکن سادات کے نسب کا تعلق چونکہ قرابتِ رسول سے ہے اور یہ قرابت ایسی ہے جس کی مثل دیگر نسبوں میں معدوم ہے ۔ لہٰذا اگر عورت اور اس کا ولی راضی بھی ہو جائیں تو پھر بھی غیر کفؤ میں نکاح نہ ہوگا کیونکہ قرابتِ رسول سادات کے نسب کی خصوصیت ہے اور یہ کفاءت میں مطرد الحکم ہے جیسے کہ خصوصیت ۱۰ میں گذر چکا ہے کہ اگر یہ قرابت رسول جو حکم کے لیے علت مناسبہ ہے پائی جائے گی تو حکم بھی پایا جائے گا اگر علت مناسبہ نہ پائی گئی تو حکم بھی نہ پایا جائے گا ۔ یعنی سیدہ کی نسبت چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے اس کا ہم کفؤ بھی وہی ہوگا جو کہ سید ہو ، جس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہو ۔ اگر ایسی صورت ہوئی تو حکم بھی پایا جائے گا ، یعنی ان کا باہمی اگر نکاح کیا گیا تو ہو جائے گا ۔ اگر لڑکا غیر سید ہوا تو پھر نکاح نہیں ہوگا اگرچہ لڑکی اور اس کا ولی دونوں راضی بھی ہوں ۔ اگر سیدہ لڑکی کا نکاح غیر کفؤ میں اس کی رضا اور اس کے ولی کی رضا سے منعقد ہو جائے تو پھر نسب سادات کے جو خصوصیات ہیں وہ خصوصیات ہی نہ رہیں گے ۔ حالانکہ ہم پہلے سادات کے نسب کی خصوصیات کی بحث میں ذکر کر آئے ہیں کہ جو سادات کے نسب کے خصوصیات ہوں گے وہ اسی کے ساتھ ہی مختص ہوں گے غیر میں نہیں پائے جائیں گے ۔ مثلاً سادات کے نسب کا خاصہ ہے کہ وہ موصول ہے اور قیامت کے دن بھی منقطع نہیں ہوگا جیسے کہ خصوصیت ۲ میں گذر چکا ہے اور یہ بھی خاصہ ہے کہ سادات اگرچہ حضرت علی علیہ السلام کی اولاد ہیں لیکن ساتھ ساتھ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی اولاد ہیں ، خصوصیت ۱ میں اس کا ذکر ہو چکا ہے ۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا کہ میں حسن اور حسین کا باپ ہوں اور یہ نسب محفوظ اور منضبط ہے جیسے کہ خصوصیت ۳ میں ہے ، یہ نسب پاکیزہ اور طاہر ہے جیسے کہ خصوصیت ۴ میں بیان ہو چکا ہے ، اور سادات جو اس نسب اطہر سے متعلق ہیں ان کی تعظیم فرض ہے ۔ ملاحظہ کیجئے خصوصیت ۵ ، اور

سادات صرف وہ ہوں گے جو حضرت فاطمۃ الزہرا اور حسنین کریمین کی صلبی اولاد سے ہوں گے اور جو سیدزادی غیر کفو میں نکاح کرے گی اصل نسب سے کٹ جائے گی، دیکھئے خصوصیت ۱۶، ۱۷ اور اس نسب کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ اس کے احکام علیحدہ ہیں بلکہ اس کی طرف جو نسبت ہو جائے اس کے بھی احکام بدل جاتے ہیں۔ خصوصیت ۱۸ ملاحظہ کریں۔ جب اس نسب کے خصوصیات ہیں اور احکام علیحدہ ہیں تو اب لڑکی اور اس کے ولی کی رضا سے احکام تبدیل نہیں ہو سکتے۔ اگر لڑکی اور اس کے ولی کی رضا سے غیر کفو میں نکاح منعقد ہو جاتا تو چاہیئے تھا کہ اس کی کی اولاد کا نسب سادات والا برقرار رہتا۔ حالانکہ جب یہ سیدہ غیر کفو میں نکاح کرے گی تو اس کی آگے جو اولاد ہوگی وہ نسب سادات سے کٹ جائیگی۔ جس سے ظاہر ہے کہ سادات کا کفو وہی ہوگا جس کو سادات کی طرح قرابتِ رسول حاصل ہو اگر سادات کا نسب خصائص کے تابع نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تخصیص نہ فرماتے۔ حالانکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سنو : واللہ میرا نسب دنیا و آخرت میں موصول ہے (ذخائر العقبیٰ ص۱۶)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر نسب وسبب قیامت کے دن منقطع ہو جائے گا مگر میرا سبب و نسب باقی رہے گا، اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی ذریت (اولاد) اس کی صلب (پشت) میں رکھی مگر میری ذریت صلبِ علی میں رکھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بالتخصیص نسب کا تذکرہ فرمانا اس پر واضح دلیل ہے۔ اس نسب کا ہم کفو وہی ہوگا جو نسبِ عترت سے ہو اور جو عترت رسول سے نہیں ہے وہ سادات کا ہم کفو نہیں ہو سکتا۔ دوسرے الفاظ میں سیدہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد سے ہے اس لیے اس کا ہم کفو بھی سید ہی ہوگا جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد سے ہوگا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ سیدہ کا نکاح غیر کفو میں منعقد نہ ہونے کی وجہ فساد زمانہ نہیں ہے بلکہ سیدہ کا نکاح غیر کفو میں منعقد نہ ہونے کی وجہ علت مناسبہ یعنی قرابتِ رسول کا نہ ہونا ہے۔ یعنی سیدہ کا نکاح غیر سید کے ساتھ منعقد نہ ہونا فسادِ زمانہ کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ سیدہ کا نکاح غیر سید کے ساتھ اس وجہ سے نہیں ہو رہا کہ سیدہ نسب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہے اور غیر سید حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب نہیں ہے۔ اگر سیدہ کا نکاح غیر سید کے ساتھ ہوگا تو یہ اس کی توہین اور بے ادبی ہوگی، یہی غیر کفو میں نکاح نہ ہونے کی درحقیقت علت ہے جس کا تذکرہ فقہاء نے کیا ہے۔ فسادِ زمانہ علت نہیں ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں، بعدم جوازہ اصلا ھذا روایۃ الحسن عن ابی حنیفۃ لان وجہ عدم الصحۃ علی ھذہ الروایۃ دفع الضرر عن الاولیاء یہ نکاح بالکلیہ جائز نہیں ہوگا۔ یہی روایت

حسن بن زیاد کی امام ابوحنیفہ سے ہے۔ اس نکاح کے منعقد نہ ہونے کی وجہ اولیاء سے ضرر کا دفع کرنا ہے، کیونکہ جب نکاح غیر کفؤ میں ہوگا تو اولیاء اور وارثوں کے لیے باعث عار ہوگا۔ اب یہاں علامہ شامی نے تصریح کر دی ہے کہ حسن بن زیاد کی روایت جو کہ مفتیٰ بہا ہے اس میں نکاح نہ ہونے کی علت فساد زمانہ نہیں ہے بلکہ اس کی علت اولیاء سے ضرر کا دفع کرنا ہے جو کہ اولیاء کے لیے باعث ننگ و عار تھا۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں، الکفاءۃ فی النکاح معتبرۃ لان انتظام المصالح بین المتکافئین عادۃ لان الشریفۃ تابیٰ ان تکون مستفرشۃ للخسیس فلابد من اعتبارہا (ردالمحتار ص۵۷ ج ۳، ہدایہ ص۲۹۹ ج ۲) کہ نکاح میں کفوء کا اعتبار اس لیے کیا گیا ہے کہ نکاح کے مقاصد اور مصلحتوں کا انتظام باہمی کفوء ہونے سے ہوتا ہے۔ کیونکہ اعلیٰ نسب کی عورت ایک گھٹیا قسم کے مرد کی بیوی بننا پسند نہیں کرتی۔ اعلیٰ نسب کے عورت کے لیے اعلیٰ نسب کا ہی مرد ضروری ہے کیونکہ اگر مرد گھٹیا قسم کا ہوگا تو جیسے عورت کے لیے ننگ و عار کا باعث ہے اسی طرح اس کے ولیوں کے لیے بھی ننگ و عار کا باعث ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ غیر کفوء میں نکاح کے عدم جواز کی علت اولیاء سے ضرر کا دفع کرنا اور ان کو توہین اور عار سے بچانا ہے جو ان کے نسب میں واقع ہو رہی ہے۔ غیر کفوء میں نکاح منعقد نہ ہونے کی علت فساد زمانہ نہیں ہے بلکہ یہ تو نکاح غیر کفوء میں ہونے کے بعد اس کے عدم فسخ کے لیے سبب ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں، وھو المختار للفتویٰ وقال شمس الائمۃ وھذا اقرب الی الاحتیاط کذا فی تصحیح العلامۃ قاسم لانہ لیس کل ولی یحسن المرافعۃ والمخصومۃ ولا کل قاض یعدل ولو احسن الولی وعدل القاضی فقد یترک انفۃ للتردد علی ابواب الحکام واستثقالا لنفس الخصومات فیتقرر الضرر فکان منعہ دفعا، اور یہ فتویٰ کے لیے مختار ہے اور یہ احتیاط کے قریب ہے علامہ قاسم المتوفیٰ ۸۷۹ھ کی تصحیح میں بھی یوں ہے۔ کیونکہ ہر ولی عدالت میں فسخ نکاح کے لیے رجوع نہیں کر سکتا نیز ہر قاضی بھی عادل نہیں ہو سکتا کہ وہ غیر کفوء میں نکاح فسخ کر دے اور اگر بالفرض ولی یہ کام عدالت سے کرا سکے اور قاضی بھی عادل ہو تو پھر بھی بعض اوقات حکام کے دروازوں پر چکر لگانے کی خفت اور عار اور اس کام کے مشکل ہونے کی وجہ سے عدالت کی طرف رجوع نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا ضرر ہمیشہ کے لیے پختہ ہو جاتا ہے۔ پس اس ضرر کا دفعیہ صرف یہی ہے کہ بنیادی طور پر نکاح ہی منعقد نہ ہو۔ علامہ شامی نے فساد زمانہ کی صورتیں بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ بعض دفعہ ہر ولی عدالت کی طرف فسخ کے لیے صحیح رجوع نہیں کر سکتا اور بعض مرتبہ قاضی عادل نہیں ہوتا کہ وہ نکاح کو فسخ کر دے اور بعض دفعہ انسان حکام کے دروازوں

پہ جانے میں عار اور خفت محسوس کرتا ہے۔ گویا کہ ان تمام چیزوں کا فسادِ زمانہ سے تعلق ہے تو ظاہر ہے کہ فسادِ زمانہ کی وجہ سے نکاح منسوخ ہونا مشکل ہوگا۔ جب نکاح فساد زمانہ کی وجہ سے منسوخ ہونا مشکل ہے تو فقہاء نے بنیادی طور پر یہ فتویٰ دیا کہ غیر کفؤ میں نکاح ہی منعقد نہ ہوگا۔ ثابت ہوا نکاح کے فسخ ہونے کا باعث فسادِ زمانہ ہے نہ کہ فسادِ زمانہ نکاح کے عدم جواز کی علت ہے۔ علت تو غیر کفوٗ میں نکاح نہ ہونے کی توہین اولیاء ہے۔

بعض لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو کر یہ کہتے ہیں کہ اگر لڑکی اور اس کا ولی راضی ہو جائیں تو غیر کفوٗ میں بھی نکاح ہو جاتا ہے لیکن یہ عام لوگوں میں تو ہو سکتا ہے کیونکہ عوام میں باہمی رضامندی کے بعد بالخصوص عجمیوں کے اندر ننگ و عار نہیں سمجھا جائے گا کیونکہ یہ لوگ نسب کو اہمیت نہیں دیتے، عرب چونکہ نسب پر فخر کرتے ہیں اور اسکو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں لہٰذا ان کے نزدیک عارضی رضامندی کے بعد بھی یہ عیب اور عار مرتفع نہیں ہوگا۔ خصوصاً جب سیّدہ کا نکاح غیر کفوٗ یعنی کسی عجمی کے ساتھ کیا جائے گا جو کہ "اصل مسئلہ" ہے تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب پاک میں عار اور عیب ہوگا جو کہ کبھی بھی رتفع نہیں ہوگا اگرچہ عورت اور اس کا ولی دونوں راضی بھی ہو جائیں کیونکہ ان کا راضی ہونا وقتی اور دنیادی مفاد پر مبنی ہے اور اس سیدہ کا نسب مخصوص ہے۔ اس کے اندر جو عیب لاحق ہوگا اس کو عیب ہی تصوّر کیا جائے گا اور یہ عیب اور غیر منفک ہوگا کیونکہ اس کے ساتھ انقطاعِ نسب ہوگا جو کہ خود ایک بڑا عیب ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں کہ ہمارا نسب منقطع ہونے والا روزِ قیامت تک نہیں ہے اور یہ غیر کفؤ میں نکاح کرنے والا اور کر دینے والا دونوں نسب کو منقطع کریں۔ اس سے نسبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور بڑی کیا توہین ہوگی۔ اسی لیے علامہ سید شہاب الدین لکھتے ہیں کہ اس نسب عظیم کی حفاظت کے لیے صحیح النسب سادات غیر سید سے شادی کی اجازت نہیں دیتے اگرچہ عورت اور اس کا ولی دونوں راضی بھی ہوں۔ کیونکہ سادات جانتے ہیں کہ اس نسب پاک کا حق اسی کو پہنچتا ہے جو حسنین کریمین کی طرف منسوب ہو۔ یہ حق نہ صرف کسی عورت کا ہے نہ اس کے ولی کا۔

غرض سادات کے نسب کے احکام خاص ہیں۔ یہ عورت اور اس کے ولی کی رضامندی سے بدلتے نہیں اگر عورت اور ولی دونوں رضا سے غیر کفوٗ میں نکاح کریں گے تو یہ نکاح بنیادی طور پر منعقد ہی نہیں ہوگا۔

بحث ثالث : اگر عاقلہ بالغہ عورت نے ولی کی رضا کے بغیر نکاح کیا تو اس کی درج ذیل صورتیں ہیں ۔

۱۔ اگر عورت عاقلہ بالغہ (باکرہ ہو یا ثیبہ) نے نکاح ولی کی اجازت کے بغیر کیا اور کفوء میں کیا تو جائز ہے ۔

۲۔ اگر عورت عاقلہ بالغہ نے نکاح ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفوء میں کیا تو ظاہر روایت کے مطابق نکاح کے لزوم میں کفاءت معتبر ہے لیکن اس روایت پر فتویٰ نہیں ہے ۔

۳۔ حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے اگر عورت عاقلہ بالغہ نے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح غیر کفوء میں کر لیا تو بنیادی طور پر منعقد ہو ہی نہیں سکتا ۔ اس روایت پر فتویٰ ہے اور یہی مختار ہے ۔

۴۔ اگر لڑکی عاقلہ بالغہ نے غیر کفوء میں نکاح کر لیا اور لڑکی کا نسب مشہور ہے جیسے کہ اہل بیتِ خلافت کا نسب مشہور ہے ، مثلاً خلیفہ کی لڑکی سے قریشی لڑکی نے قریشی لڑکے کے ساتھ جو کہ خلیفہ کی نسل سے نہیں نکاح کیا تو اس لڑکی کے وارثوں کو حق حاصل ہو گا کہ وہ نکاح فسخ کرا لیں ۔

۵۔ عاقلہ بالغہ نے نکاح غیر کفوء میں کیا لیکن لڑکی سیدہ نہیں ہے اور اس کا ولی کوئی نہیں جو اعتراض کرے یا ولی غیر کفوء میں نکاح کرنے پر راضی ہے تو نکاح ہو جائے گا ۔ لیکن یہ عام نسبوں میں ہو گا ، سادات میں نہیں ہو گا کیونکہ سادات کا نسب صرف مشہور ہی نہیں ہے بلکہ مخصوص بھی ہے ۔ جب امام محمد کی روایت کے مطابق مشہور نسب (اہلِ بیتِ خلافت) قریشی خاندان سے مستثنیٰ ہے تو سادات کا نسب جو مشہور بھی اور مخصوص بھی ہے بطریق اولیٰ مستثنیٰ ہو کر اس حیثیت میں ہو جائے گا کہ غیر کفوء میں بنیادی طور نکاح ہی منعقد نہ ہو گا ۔ کیونکہ مخصوص نسب اپنے خصائص کے پیش نظر مطرد للحکم ہو گا ۔ یعنی اگر سید کا نکاح سیدہ کے ساتھ ہو گا تو منعقد ہو گا ، اگر سیدہ کا نکاح غیر سید کے ساتھ ہوا تو منعقد نہ ہو گا اور عدم جواز کی علت نسبِ عترت رسول ہے ، اگر متحقق ہوئی تو نکاح ہو جائے گا ، اگر علت متحقق نہ ہوئی تو نکاح نہیں ہو گا ۔

۶۔ اگر لڑکی عاقلہ بالغہ سیدہ نے غیر کفوء یعنی عجمی کے ساتھ نکاح کیا تو نکاح نہیں ہو گا کیونکہ ظاہر روایت میں ہے کہ عربی عورت کا عجمی مرد ہم کفوء نہیں ہو سکتا ، یہ اصل مسئلہ ہے ۔ اسی کے متعلق استفتاء تھا جس کا جواب فتاویٰ جماعتیہ میں لکھا گیا کہ سیدزادی کا نکاح غیر سید کے ساتھ نہیں ہو سکتا ۔ حسن بن زیاد کی روایت (نمبر ۳) ہمارے اصل مسئلہ یعنی سیدہ نے غیر کفوء میں یعنی عجمی مرد کے ساتھ نکاح کیا اس کو

بھی شامل ہے اور لڑکی غیر ستیدہ (مہ۵) نے غیر کفوء میں نکاح کیا اس کو بھی شامل ہے۔ یعنی حسن بن زیاد کی روایت مد۴، مد۵ دونوں صورتوں کو شامل ہے کہ نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ البتہ اگر لڑکی غیر ستیدہ ہے اور یہ اور اس کا ولی دونوں راضی ہو گئے تو پھر نکاح منعقد ہو جائے گا۔ اگر لڑکی ستیدہ ہے تو پھر نکاح بایں وجہ نہیں ہوگا کہ ستیدہ کا نسب صرف مشہور نہیں ہے بلکہ مخصوص بھی ہے۔ جب مشہور نسب والی لڑکی کا نکاح غیر کفوء میں نہیں ہوگا تو پھر جس کا نسب مشہور بھی ہے اور مخصوص بھی ہے اس کا نکاح بھی غیر کفوء میں نہیں ہوگا۔ یعنی اب ستیدہ کا نکاح غیر کفوء یعنی قریشی، ہاشمی اور عباسی مرد کے ساتھ نہیں ہوگا کیونکہ یہ ستیدہ کے ہم کفوء نہیں ہیں کہ ان کو نسب عترت رسول حاصل نہیں ہے جو کہ نکاح کے جواز و عدم جواز کے لیے علت مناسبہ ہے اور حکم کے لیے اطراد ہے۔ جب قریشی اور ہاشمی اور عباسی مرد کے ساتھ نہیں ہوگا تو عجمی کے ساتھ کیسے ہوگا۔ حالانکہ ظاہر روایت کے حوالے سے گذر چکا ہے کہ عربی عورت کا عجمی مرد ہم کفوء نہیں ہو سکتا۔ جب عجمی مرد کا عربی عورت کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا تو عجمی مرد کا ستیدہ کے ساتھ کیسے ہوگا جس کا نسب مشہور بھی ہے اور مخصوص بھی ہے۔ یہاں اگر عورت اور اس کے ولی کی رضامندی بھی ہو جائے تو پھر بھی منعقد نہیں ہوگا کیونکہ اولادِ رسول کا ہم کفوء صرف اولادِ رسول ہی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ کبریٰ کے حوالہ سے پہلے گذر چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی خاتونِ جنت کی اولاد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بحیثیت نسب منسوب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ہم کفوء اور مثل نہیں ہے، آپ کی اولاد کا بھی ہم کفوء نہیں ہے مگر وہی جو آپ کے نسب عترت میں ہو۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ظاہر مذہب والی روایت پر فتویٰ نہیں ہے بلکہ فتویٰ حسن بن زیادہ کی روایت پر ہے کہ اگر کسی عورت نے غیر کفوء میں نکاح کر لیا تو بنیادی طور پر یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا۔

بحث رابع: اگر عاقلہ بالغہ لڑکی نکاح بغیر اجازتِ ولی کے کرتی ہے تو نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ وان لم یکن کفوءًا لا یجوز النکاح اصلاً وھو المختار فی زماننا روایۃ الحسن قال الشیخ الامام شمس الائمۃ السرخسی رحمۃ اللہ علیہ روایۃ الحسن اقرب الی الاحتیاط اذ لیس کل ولی یحسن المرافعۃ الی القاضی ولا کل قاض یعدل فکان الاحوط سد باب التزویج علیھا من غیر کفوء، فتاویٰ قاضی خان ص۲۲۵، فتح القدیر ص۲۵۵ ج ۲، حاشیہ تبیین الحقائق ص۱۲۸، للشلبی، بحر الرائق ص۱۱۸ ج ۳، تبیین الحقائق ص۱۱۷ ج ۳، شرح وقایہ ص۱۱۸ ج ۲، مبسوط ص۱۳ ج ۳۔

فتاویٰ عالمگیری صہ ۲۹۲ ، اور اگر کفوء نہ ہو تو نکاح بالکل منعقد نہیں ہوگا اور ہمارے زمانہ میں حسن بن زیاد کی روایت ہی مختار ہے۔ شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں کہ حسن بن زیاد کی روایت احتیاط کے بہت قریب ہے کیونکہ ہر ولی قاضی کی طرف صحیح طور پر رجوع نہیں کرسکتا اور نہ ہی ہر قاضی عادل ہوتا ہے، پس احتیاط اسی میں ہے کہ غیر کفوء میں نکاح کے منعقد ہونے پر پابندی لگا دی جائے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حسن بن زیاد کی روایت پر ہی فتویٰ ہے۔ جب شمس الائمہ اور قاضی خان اور دیگر فقہاء نے حسن بن زیاد کی روایت کو مفتیٰ بہا کہہ دیا ہے تو اب ظاہر مذہب والی روایت پر فتویٰ ہرگز نہیں ہوسکتا بلکہ حسن بن زیاد کی روایت پر ہی فتویٰ ہوگا، کیونکہ علامہ طرطوسی المتوفی ۵۸۵ھ لکھتے ہیں، لا یعمل بما یخالفہ ولا یرکن الا الیہ ولا یفتی ولا یعول الا علیہ کہ مبسوط سرخسی کے خلاف عمل نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کے خلاف دوسری کتابوں کی طرف توجہ ہوگی اور اسی پر ہی اعتماد کیا جائیگا اور اسی پر ہی فتویٰ دیا جائے گا۔ اسی طرح قاضی خان جب کسی مسئلہ کے متعلق فیصلہ کردیں کہ اس مسئلہ میں یہ قول مختار ہے تو اس قول پر اعتماد کیا جائے گا، قاسم بن قطلوبغا لکھتے ہیں، قاضی خان اجل من یعتمد علیہ وتصحیحہ مقدم علی تصحیح غیرہ کہ قاضی خان ایک معتمد علیہ شخصیت ہیں جب کسی قول کی تصحیح کردیں تو وہی قول صحیح ہوتا ہے۔ جب امام سرخسی اور قاضی خان و دیگر فقہاء نے یہ فیصلہ کردیا ہے کہ فتویٰ حسن بن زیاد کی روایت پر ہے تو فتویٰ اسی پر ہی ہوگا کہ غیر کفوء میں نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ بعض دفعہ ظاہر مذہب اور ہوتا ہے اور مفتیٰ بہ قول اور ہوتا ہے مثال کے طور پر ملاحظہ کیجیے کہ کنز الدقائق بحیثیت متن کے متون اربعہ سے زیادہ مضبوط اور زیادہ مشہور ہے لیکن پھر بھی صاحب کنز الدقائق اپنی اس مایہ ناز، متن میں شتر مسائل وہ لے آئے ہیں جن پر فتویٰ نہیں ہے یعنی فتویٰ دوسرے اقوال پر ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر عاقلہ بالغہ آزاد عورت نے غیر کفوء میں نکاح کیا تو صاحب کنز فرماتے ہیں یہ جائز ہے (کنز الدقائق صہ ۲۸۵) لیکن فتویٰ اس پر نہیں ہے بلکہ فتویٰ حسن بن زیاد کی روایت پر ہے کہ بنیادی طور پر یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا (رد المحتار صہ ۲۱۱)

اسی طرح صاحب کنز نے اس بات کا بھی اپنی اس متن میں التزام کیا ہے کہ وہ اس میں وہ مسائل ذکر کریں گے جو کہ ظاہر روایت ہوں گے لیکن پھر بھی مصنف کنز میں ۳۵ ایسے مسائل لے آئے ہیں جو کہ ظاہر روایت نہیں ہیں بلکہ نادر روایات ہیں ہیں مثلاً "کتاب النکاح فصل فی الاکفاء" میں کفارت کے سلسلہ میں حرفت اور پیشہ کا اعتبار کرتے ہیں حالانکہ یہ ظاہر روایت کے خلاف ہے کیونکہ ظاہر روایت میں اس کا اعتبار نہیں ہے فتح القدیر صہ ۲۲۴ ج ۲۔
اس سے واضح ہوا کہ بعض مواقع پر فقہاء اگرچہ ظاہر مذہب کا ذکر کر دیتے ہیں لیکن وہ مفتیٰ بہ نہیں ہوتا۔

فتویٰ دوسرے قول پر ہوتا ہے جیسے کہ یہاں فتویٰ حسن بن زیاد کی روایت پر ہے، اس لیے فتویٰ دینے والے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ یہ بھی دیکھے کہ فتویٰ کس روایت پر ہے تاکہ ایسی صورت نہ ہونے پائے کہ غیر مفتیٰ بہ قول کو مفتیٰ بہ سمجھ کر فتویٰ دے دے۔ لہٰذا مفتی پر لازم ہے کہ وہ مفتیٰ بہ قول کا تجسس کرے اور فتویٰ دیتے وقت صریح جزئیہ تلاش کرے بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ فتویٰ قرآن و حدیث سے دینا چاہیئے یہ ان کی صریح غلط فہمی ہے کیونکہ مجتہدین اور فقہاء کرام نے قرآن و حدیث سے مسائل مستنبط کرکے علم و فقہ کی صورت میں مدوّن کر دیئے ہیں اور اس زمانہ میں چونکہ فتویٰ دینے والے حضرات مجتہد نہیں ہیں بلکہ ان کی حیثیت صرف ناقل کی ہے اور ناقل کے لیے ضروری ہے کہ وہ سوال کے جواب میں فقہ سے صریح جزئیہ ذکر کردے۔ علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں۔ واما غیر المجتھد ممن یحفظ اقوال المجتھد فلیس بمفت والواجب علیہ اذا سئل ان یذکر قول المجتھد کابی حنیفۃ علی جھۃ الحکایات فعرف ان مایکون فی زماننا من فتوی موجودین لیس بفتویٰ بل ھو نقل کلام المفتی لیاخذ بہ المستفتی، (فتح القدیر ص۲۵۶ ج ۷، عمدہ الرعایہ ص۱۱) ترجمہ۔ اور جو مجتہد نہیں اقوال مجتہد یاد رکھتا ہے تو وہ مفتی نہیں ہے۔ اس سے جب سوال کیا جائے تو اس پر واجب ہے کہ کسی مجتہد مثل امام ابوحنیفہ کا قول بطریق حکایت نقل کردے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے زمانہ میں جو موجود لوگوں سے فتویٰ لیا جاتا ہے یہ فتویٰ نہیں بلکہ مفتی کی کلام کی نقل ہے کہ سوال کرنے والا اس کے موافق عمل کرے۔ علامہ سید احمد حموی المتوفیٰ ۱۰۹۸ھ حواشی الاشباہ والنظائر میں لکھتے ہیں۔ لا یحل الافتاء من القواعد والضوابط وانما علی المفتی حکایۃ النقل الصریح کما صرحوا بہ (عمدۃ الرعایہ ص۱۱) کہ قواعد و ضوابط سے فتویٰ دینا حلال نہیں بلکہ یہی مفتی پر واجب ہے کہ نقل صریح کو بیان کرے جیسے کہ فقہاء نے تصریح کر دی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مفتی پر لازم ہے کہ وہ سوال کے جواب میں فقہاء کی عبارات سے صریح جزئیہ ذکر کرے نہ کہ قواعد و ضوابط سے خود استنباط کرنے کی کوشش کرے بلکہ اس کی حیثیت چونکہ ناقل کی ہے لہٰذا اپنی حیثیت سے باہر ہونے کی کوشش نہ کرے، قرآن و حدیث کی وہی عبارات تحریر کرے جو فقہاء نے ذکر کی ہیں۔ اس زمانہ کے مفتی کے لیے قرآن و حدیث سے فتویٰ دینا کوئی اصول نہیں ہے بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ جواب میں فقہی عبارات ذکر کرے بلکہ صریح جزئیہ ذکر کرے، جب "اصل مسئلہ" میں حسن بن زیاد سے صریح نص موجود ہے کہ غیر کفوء میں بنیادی طور پر نکاح نہیں ہوتا اور فقہاء فرماتے ہیں کہ اسی پر فتویٰ ہے۔ تو اب ظاہر مذہب کی آڑ لے کر ظاہر مذہب پر فتویٰ نہیں دیا جائے گا بلکہ جس روایت کو فقہاء نے مفتیٰ بہا کہا ہے اسی پر ہی فتویٰ ہوگا، یعنی حسن بن زیاد کی روایت پر فتویٰ ہوگا کہ غیر کفوء میں بنیادی طور نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔

بحث خامس : قاضی خان نے اور دیگر فقہاء نے کہا ہے کہ حسن بن زیاد کی روایت پر فتویٰ ہے، فقہاء نے لفظ "فتویٰ" استعمال کر کے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ ظاہر مذہب کی روایت قابلِ فتویٰ نہیں ہے بلکہ قابلِ فتویٰ حسن بن زیاد کی روایت ہے۔ کیونکہ فتویٰ کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ سے زیادہ تر "فتویٰ" کا لفظ ہی وقیع اور معتبر ہے تو گویا کہ فقہاء نے حسن بن زیاد کی روایت کو مفتیٰ بہا قرار دینے کے لیے "فتویٰ" کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ حسن بن زیاد کی روایت جمہور فقہاء کے نزدیک بھی قابلِ فتویٰ ہے۔ مزید برآں لفظ "مختار" اور "احتیاط" نے اس کو مضبوط تر بنا دیا ہے کہ ظاہر مذہب والی روایت حسن بن زیاد کی روایت کے مقابلہ میں قابلِ عمل نہیں ہے بلکہ معتبر اور قابلِ عمل اور قابلِ فتویٰ روایت حسن بن زیاد کی ہے کیونکہ اس کے لیے "وھو المختار للفتویٰ" کے مضبوط ترین الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ فقہاء کرام اور مفتیانِ عظام "فتویٰ" کے لیے جو اپنی زبان اور اصطلاح میں الفاظ استعمال کرتے ہیں ملاحظہ کیجیے "علیہ الفتویٰ" اسی پر فتویٰ ہے۔ "وبہ یفتی" اور اسی پر فتویٰ دیا جائیگا۔ "وبہ ناخذ" اور ہم اسی کو لیتے ہیں۔ "وعلیہ الاعتماد" اور اسی پر اعتماد ہے۔ "وعلیہ عمل الیوم" اور اسی پر ان دنوں عمل ہے۔ "وھو الظاھر" اور یہی ظاہر ہے۔ "وعلیہ عمل الامۃ" اور اسی پر امت کا عمل ہے۔ "وھو الصحیح" اور یہی صحیح ہے۔ "او الاصح" اور یہ بہت صحیح ہے۔ "او الاظھر" اور بہت اظہر ہے۔ "او الاشبہ" یہ اشبہ ہے۔ "او الاوجہ" یہ اوجہ ہے۔ "او المختار" یہ پسندیدہ ہے۔ "وبہ یعتمد" اور اسی پر اعتماد کیا جائے۔ "بہ جری العرف" اسی کے ساتھ عرف جاری ہوا۔ "وھو المتعارف" اور یہی متعارف ہے۔ (درمختار ص۲۰، مقدمہ ہدایہ ص۱۰، مقدمہ عمدۃ الرعایہ ص۱۱) جب لفظ "فتویٰ" تمام الفاظ فتویٰ سے مضبوط تر ہے تو حسن بن زیاد کی روایت کو ترجیح دینے کے لیے بڑے بڑے فقہاء نے "وھو المختار للفتویٰ" کے الفاظ لا کر اس کو راجح قرار دے دیا ہے کہ غیر کفوء میں بالکل عدم جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے اور فسادِ زمانہ کے لحاظ سے فتویٰ کے لیے یہی قول مختار ہے جیسے کہ اس راجح روایت کو لفظ "وھو المختار" اور "اقرب الی الاحتیاط" نے مضبوط تر کیا ہے۔ اسی طرح لفظ "اصلاً" نے اس کو مضبوط سے مضبوط تر کر دیا ہے کہ غیر کفوء میں بالکل عدم جواز کا فتویٰ دیا جائے گا۔ اب اس کی یہ "تاویل" کرنا کہ اگر لڑکی اور اس کا ولی راضی ہو جائیں تو "فسادِ زمانہ" والی بات ختم ہو جائے گی اور نکاح منعقد ہو جائے گا۔ پہلے یہ بات ہی غلط ہے کہ غیر کفوء میں نکاح کے عدم جواز کے لیے علت فسادِ زمانہ ہے بلکہ غیر کفوء میں نکاح منعقد نہ ہونے کی علت ننگ و عار ہے۔ فسادِ زمانہ تو عدم فسخ نکاح کے لیے سبب ہے جیسے کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے۔ اگر عورت اور اس کا ولی دونوں راضی ہو جاتے ہیں تو یہ عام لوگوں کے نسب میں ننگ و عار کا ختم ہونا

تو ممکن ہے لیکن سادات کے نسب میں ننگ و عار کا ختم ہونا ممکن نہیں ہے۔ اگر سیدہ نے غیر کفوء میں نکاح کیا تو ظاہر روایت کے مطابق یہ عجمی مرد عربی عورت کا ہم کفوء نہیں ہو سکتا۔ جب عربی عورت کا ہم کفوء نہیں ہو گا تو قریشیہ ، ہاشمیہ اور عباسیہ کا ہم کفوء کیسے ہو سکتا ہے۔ اور مزید برآں امام محمد نے اہل بیت خلافت کو قریش سے مستثنٰی کر لیا ہے۔ جب عجمی مرد عربی عورت کا ہم کفوء نہیں ہو سکتا اور امام محمد نے اہل بیتِ خلافت کو قریش سے نکال لیا ہے تو پھر سیدہ کے لیے یہ عجمی کیسے ہم کفوء ہو سکتا ہے۔ ہم پہلے متعدد مرتبہ ذکر کر چکے کہ سیدہ کا نسب چونکہ رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہے اس کا ہم کفوء وہی ہو گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہے۔ اگر غیر سید ہو گا جیسے کہ عجمی تو پھر سیدہ کے ساتھ نکاح کرنے سے اگرچہ سیدہ اور اس کا ولی راضی بھی ہوں تو ننگ و عار ختم نہیں ہو گا۔ سیدہ کے لیے صرف ننگ و عار ہی نہیں ہو گا بلکہ اس کے لیے باعثِ تضحیک بھی ہو گا۔ کیونکہ سیدہ کے لیے "قرابت رسول" "مطرد للحکم" ہے، اس کا ہم کفوء وہی ہو گا جو اسی کی طرح قرابت رسول رکھتا ہو۔ اگر قرابتِ رسول نہیں رکھتا تو وہ ہم کفوء نہیں ہو گا۔ لہٰذا سیدہ کا نکاح غیر کفوء میں بنیادی طور پر منعقد نہیں ہو گا۔ جہاں اطراد ہو وہاں عورت اور اس کے ولی کی رضا کا اعتبار نہیں ہے بلکہ علتِ مؤثرہ کا اعتبار ہو گا۔ ایک دو افراد کی رضامندی سے علل مناسبہ اور ان کے احکام میں تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی۔ البتہ عام نسبوں میں اگر عورت اور اس کا ولی راضی ہو جائیں تو گنجائش ہے کیونکہ عام نسبوں میں کسی قسم کا اطراد شرعی نہیں ہے لیکن سادات کے نسبوں میں چونکہ "قرابتِ رسول" "مطرد للحکم" ہے جیسے کہ "رشفہ" کے حوالہ سے گذر چکا ہے کہ "قرابت رسول" کو کفاءت وغیرہ میں علماء نے "مطرد للحکم" مانا ہے۔ لہٰذا علت مؤثرہ کی عدم موجودگی میں حکم بھی معدوم ہو گا اور غیر کفوء میں نکاح بالکل منعقد نہیں ہو گا۔

حاصل بحث یہ ہے کہ اگر سیدہ نے اپنی اور اپنے ولی کی رضا سے غیر کفوء میں نکاح کیا تو سرے سے نکاح ہی منعقد نہ ہو گا۔ اور یہ ممکن ہے کہ ان دونوں نے دنیاوی مفاد کے پیش نظر یہ فیصلہ کیا ہو اور دونوں غیر کفوء میں نکاح کرنے پر راضی ہو گئے ہوں لیکن ان دونوں کی باہمی رضامندی عام نسبوں میں تو ننگ و عار کو ختم کر سکتی ہے کیونکہ عام نسبوں میں کوئی صورت "مطرد للحکم" نہیں ہے لیکن سادات کے نسب میں چونکہ قرابت رسول مطرد للحکم ہے۔ لہٰذا اگر عورت میں قرابتِ رسول متحقق ہوئی اور مرد میں نہ ہوئی تو پھر بنیادی طور پر نکاح منعقد نہ ہو گا۔ عورت اور اس کے ولی کی رضا سے ننگ و عار کا خاتمہ نہیں ہو گا بلکہ اضافہ ہو گا اور تذلیل و تضحیک ہو گی۔ اسی وجہ سے فقہاء نے کہا ہے کہ فسادِ زمانہ کی وجہ سے فتوی حسن بن زیاد کی روایت پر ہے کہ غیر کفوء

میں بنیادی طور پر نکاح ہی منعقد نہیں ہوتا۔

بحث سادس: اگر عورت نے غیر کفوٗ میں نکاح کیا تو حسن بن زیاد کی روایت ہے کہ یہ نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر سیدزادی نے غیر کفوٗ میں نکاح کیا تو حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق نکاح نہیں ہوگا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ احناف صرف فساد زمانہ کی بنا پر غیر کفوٗ میں نکاح کے عدم جواز کا فتویٰ دیتے ہیں اگر یہ خطرہ نہ ہو اور ولی اور عورت دونوں رضامند ہوں تو کسی خاندان میں بھی نکاح ہو سکتا ہے۔ اسی طرح سیدہ کا نکاح غیر سید کے ساتھ منعقد ہو جانا از روئے شریعت محمدی ناجائز نہیں بشرطیکہ لڑکی اور اس کا ولی دونوں اس پر رضامند ہوں۔ ہم کہتے ہیں کہ ان کا یہ کہنا کہ سیدہ کا کسی خاندان میں بھی غیر سید کے ساتھ نکاح ہو جانا ہے نہایت سخت ترین توہین آمیز الفاظ ہیں۔ اگر ایک گھٹیا قسم کا آدمی ان الفاظ پر غور کرے تو کیا نتیجہ اخذ کرے گا۔ اگر کسی خاندان میں جیسا ہی وہ ہو نکاح ہو سکتا ہے تو پھر نسب کا کیا اعتبار رہا۔ اگر صرف عورت اور اس کے ولی رضامندی کی صورت تھی تو پھر نکاح میں کفوٗ کا کوئی تعلق ہی نہ رہا باوجودیکہ حدیث پاک میں ہے۔ الا لا یزوج النساء الا الاولیاء ولا یزوجن الا من الاکفاء، اس حدیث کا مفہوم ظاہر ہے کہ نکاح ولی کریں اور کفوٗ میں کریں تو جب کفوٗ کا شریعت میں اعتبار ہے تو پھر یہ کہنا کہ سیدہ بھی کسی خاندان میں غیر سید کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے کتنا ناقص جملہ ہے کیونکہ اصل مسئلہ جو زیر بحث ہے وہ ہے "سیدزادی کا نکاح غیر کفوٗ یعنی عجمی مرد کے ساتھ کرنا"۔ اس مسئلہ کا تعلق چونکہ ایک مخصوص نسب کے ساتھ ہے جس کی افضلیت اور تخصیص خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی جیسے کہ پہلے گذر چکا ہے اور یہ کہنا کہ فساد زمانہ کی بنا پر احناف عدم جواز کا فتویٰ دیتے ہیں یعنی نکاح نہ ہونے کی علت فسادِ زمانہ ہے۔ یہ بھی غلط ہے کیونکہ اس نکاح کے عدم جواز کی علت وہ ہے جو امام سرخسی، صاحب ہدایہ، علامہ شامی اور دیگر فقہاء نے بیان کی ہے کہ غیر کفوٗ میں نکاح نہ ہونے کی علت ننگ و عار ہے، جب ننگ و عار ہوئی تو اگر سیدہ نے غیر کفوٗ میں نکاح کیا تو اس کی سخت توہین ہوگی جس کی وجہ سے نکاح غیر کفوٗ میں منعقد نہیں ہوگا اور غیر کفوٗ میں سیدہ کے نکاح کے عدم جواز کا فتویٰ دیتے ہوئے خواجہ خواجگان پیر مہر علی شاہ گولڑی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی علت بیان فرمائی ہے۔ دیکھئے فرماتے ہیں:

"مودت و حب قرابت نبویہ را بر خود فرض واز اصول ایمان شمارند جور بے حد و ستم بے عد نمودہ چہ پر ظاہر است کہ در صحت نکاح سیدہ ہاشمیہ فاطمیہ در غیر کفوٗ بناءً علی المودۃ فالمحبۃ المذکورہ ہزارہا

دل بوجہ ہتک حرمتِ اہلِ بیت رنجیدہ وشکستہ خواہند بود متون فقہ مملو اند و مشحون از عدم ایں چنیں نکاح لعدم کفاءۃ العجمی لایکون کفوًا للعربیۃ ولو کان عالما او سلطانا وھو الاصح،
(درمختار) ویفتی فی غیر الکفوء بعدم جوازہ اصلاً وھو المختار للفتوی لفساد الزمان"

، کہ اہلِ قرابت سے محبت رکھنا تمام اہلِ اسلام اہلِ ایمان اصولِ ایمان سمجھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ نکاح مذکورہ کی وجہ سے ہزاروں دل اہلِ بیت کی ہتک وحرمت سے رنجیدہ ہوں گے اور تمام متون فقہ اس قسم کے نکاح کے عدم جواز پر متفق ہیں کیونکہ یہ نکاح غیر کفوء میں ہے جیسے کہ درمختار میں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نکاح غیر کفوء میں جائز نہیں ہے۔

حضرت خواجہ خواجگان پیر مہر علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے اس نکاح کے عدم جواز کی علت فساد زمانہ کو نہیں قرار دیا بلکہ تصریح کی ہے کہ اس کی علت ہتک حرمت اہل بیت ہے لہٰذا یہ نکاح نہیں ہے۔ اسی لیے آپ نے اپنے اس تمام فتوٰی میں محبت اور مودتِ اہلِ بیت کا بار بار ذکر کیا ہے کہ جب اہلِ قرابت سے محبت رکھنا تمام اہلِ اسلام اصول ایمان سمجھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ نکاح مذکورہ کی وجہ سے ہزاروں دل اہلِ بیت کی ہتکِ حرمت سے رنجیدہ ہوں گے۔

غور کیجئے کہ واضح تصریح موجود ہے کہ اس نکاح میں ہتک حرمتِ اہلِ بیت ہے جس سے ثابت ہوا کہ غیر کفوء میں نکاح کے عدم جواز کی علت اصل مسئلہ میں ہتک حرمت اہل بیت ہے۔ اس میں آپ نے یہ تخصیص نہیں فرمائی کہ اگر عورت اور ولی راضی ہیں تو پھر ہتک حرمت اہل بیت نہیں ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ نکاح میں عزت برقرار نہیں رہتی کیونکہ سادات کا نسب مخصوص ہے۔ سیدہ کو جو قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حاصل ہے وہ غیر سید کو حاصل نہیں۔ لہذا صورت مذکورہ میں نکاح ہرگز ہرگز منعقد نہیں ہوگا۔

بحث سابع : سیدہ کا نکاح غیر کفوء میں یعنی عجمی مرد کے ساتھ ہونے کے عدم جواز کا فتوٰی دیتے ہوئے حضرت گولڑی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی علت ہتک حرمتِ اہلِ بیت بیان کی ہے لیکن آپ نے فتوٰی کی بنیاد مودت ومحبت اہلِ بیت پر رکھی ہے کیونکہ جس کے ساتھ محبت ہوگی یقیناً انسان اس کی توہین نہیں کرتا۔ خصوصاً جب اہلِ بیت کے ساتھ مودت ومحبت کا حکم شرعی ہو اور مسلمانوں پر فرض ہو جیسے قرآن پاک میں ہے، قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربٰی۔ تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب "آیت" قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ

فی القربیٰ، نازل ہوئی تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ من قرابتك هؤلاء الذین وجبت علینا مودتهم قال علی وفاطمة وولداهما وہ آپ کے کون قریبی ہیں جن کی مؤدت (محبت) فرض ہوئی ہے۔ فرمایا علی اور فاطمہ اور ان کی اولاد (تفسیر درمنثور) زیر آیت قل لا اسئلکم سورہ شوریٰ، تفسیر ابن جریر طبری ص۲۵، حلیة الاولیاء ص۲۰۱ ج ۳، مستدرک ص۱۷۲ ج ۳، ذخائر العقبیٰ ص۱۳۸، مجمع الزوائد ص۱۳۶ ج ۹، صواعق محرقہ ص۱۰۱، اسد الغابہ ص۳۶۷ ج ۵، کنز العمال ص۲۱۸ ج ۱، تفسیر کشاف سورة شوریٰ، تفسیر کبیر سورة شوریٰ، نور الابصار ص۱۰۱،

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے خصوصاً فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ جس کا میں دوست ہوں پس علی اس کے دوست ہیں۔ صحیح ترمذی ص۲۹۸ ج ۲، ابن ماجہ ص۱۲، مسند احمد بن حنبل ص۲۸۱ ج ۴، مستدرک ص۱۰۹ ج ۳، ریاض النضرہ ص۱۶۹ ج ۲، کنز العمال ص۳۹۷ ج ۶، مرقات شرح مشکوٰة ص۵۶۸ ج ۵، خصائص للنسائی ص۲۲، حلیة الاولیاء ص۲۳ ج ۴، فیض القدیر ص۲۱۸ ج ۶، مجمع الزوائد ص۱۰۴ ج ۹، اسد الغابہ ص۲۸ ج ۴، مشکل الآثار ص۳۰۸ ج ۲، تاریخ بغداد ص۳۷۷ ج ۷، صواعق محرقہ ص۲۵، الاصابہ ص۵۷ ج ۲۔

حضرت خاتونِ جنت علیہا السلام کے لیے بالاختصاص فرمایا فاطمة بضعة منی فمن اغضبها اغضبنی فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جس نے فاطمہ کو ناراض کیا اس نے مجھ کو ناراض کیا (صحیح بخاری کتاب بدأ الخلق، کنز العمال ص۲۲۰ ج ۶، فیض القدیر ص۴۲۱ ج ۴، خصائص للنسائی ص۳۵، مسند احمد بن حنبل ص۳۲۸ ج ۴، حلیة الاولیاء ص۴۰ ج ۲، ترمذی ص۳۱۹ ج ۲، صحیح مسلم فی کتاب فضائل صحابہ، مستدرک ص۱۰۹ ج ۳، صواعق محرقہ ص۱۰۱، الامامة والسیاسة ص۱۴، تہذیب التہذیب ص۴۴۱ ج ۱۲، میزان الاعتدال ص۷۲ ج ۲، ذخائر العقبیٰ ص۳۹، سنن بیہقی ص۶۴ ج ۶۔ اس حدیث میں حضرت فاطمة الزہرا سلام اللہ علیہا کے ساتھ عقیدت رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

حضرت امام حسن اور امام حسین کے لیے انفرادی طور پر فرمایا هذان ابنای وابنا ابنتی اللهم انی احبهما فاحبهما واحب من یحبهما، یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں اے اللہ میں ان کے ساتھ محبت رکھتا ہوں تو بھی ان کے ساتھ محبت رکھ اور جو اُن کے ساتھ محبت رکھے، تو اس کے ساتھ محبت رکھ (ترمذی ص۲۴۰ ج ۲، ابن ماجہ فضائل حسین وحسین، مسند احمد بن حنبل ص۲۸۸ ج ۲، تاریخ بغداد ص۱۴۱ ج ۱، کنوز الحقائق ص۱۳۴، مسند ابو داؤد طیالسی ص۳۳۲ ج ۱۰، کنز العمال ص۲۲۱ ج ۶، مجمع الزوائد ص۱۸۰ ج ۹، سنن بیہقی ص۲۶۳ ج ۲، حلیة الاولیاء ص۳۰۵ ج ۸، اصابہ ص۱۲ ج ۲، تاریخ کبیر ص۲۰۲ ج ۴، استیعاب ص۱۴۸ ج ۱، مستدرک ص۱۶۶ ج ۳، سنن بیہقی ص۲۸ ج ۴، تہذیب التہذیب ص۳۰۱ ج ۲، ذخائر العقبیٰ ص۱۲۳۔

علامہ محمد بن یوسف گنجی شافعی المتوفیٰ ۶۵۸ھ نے "کفایۃ الطالب فی مناقب علی ابن ابی طالب" میں بھی اسی حدیث کی تخریج کی ہے۔ ان احادیث و روایات میں اجتماعی اور انفرادی طور پر اہلِ بیت کی محبت اور دوستی مسلمانوں پر فرض اور لازم قرار دی گئی ہے۔ جب اہلِ بیت کرام کی مؤدت و محبت فرض ہوئی تو ان کی توہین منع ہوئی اور سیدہ کا نکاح غیر کفوؤ میں عجمی مرد کے ساتھ کرنے سے توہین لازم آتی ہے لہٰذا نکاح منع ہوا اگر کرے گا تو بوجہ ہتکِ حرمتِ اہلِ بیت نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

جب فتویٰ میں خواجہ خواجگان قبلہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے بار بار مؤدت اور محبتِ اہلِ بیت کا ذکر کیا ہے تو ظاہر ہے کہ صورت مذکورہ میں نکاح کے عدم جواز کی علت ہتک حرمت اہل بیت ہے۔ نکاح کے عدم جواز کی علت فسادِ زمانہ نہیں ہے۔ جب فسادِ زمانہ علت نہ ہوا تو اگر عورت اور اس کا ولی راضی بھی ہو جائیں تو ہتک حرمت اہل بیت برقرار رہنے کی وجہ سے نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ اسی لیے آپ نے فسادِ زمانہ کو علت قرار نہیں دیا بلکہ ہتکِ حرمتِ اہلِ بیت کو علت ٹھہرایا ہے۔ جب نکاح غیر کفوؤ میں ہو تو چونکہ ہتک برقرار رہتی ہے لہٰذا فرمایا کہ صورت مذکورہ میں نکاح بنیادی طور پہ نہیں ہوا اور فرمایا کہ اہلِ اسلام پہ لازم ہے کہ عجمی کو سیدہ سے جدا کریں اور یہ نہیں فرمایا کہ اگر عورت اور اس کا ولی راضی ہو جائیں تو پھر جدائی نہ کریں کیونکہ اکثر اغواء کی صورت میں یہ ہوتا ہے کہ جب عورت سے نکاح کر لیا جاتا ہے اور زیادہ تر اس صورت میں عورت کی بھی رضا شامل ہوتی ہے اور پھر آپس میں فریقین صلح کر لیتے ہیں اور جو پہلے نکاح ہو جاتا ہے اسی کو برقرار رکھا جاتا ہے۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر مصالحت ہو جائے تو پھر تفریق اور جدائی نہ کریں، بلکہ فرمایا کہ اہلِ اسلام پہ لازم ہے کہ وہ عجمی کو اس سیدہ سے جدا کریں کیونکہ صورتِ مذکورہ میں نکاح نہیں بلکہ زنا ہے۔ کیونکہ نکاح جب غیر کفوؤ میں ہو تو ظاہر روایت کے مطابق نکاح کے لزوم میں کفاءت معتبر ہے اور حسن بن زیاد کی روایت یہ ہے کہ کفاءت نکاح کی صحت کی شرط ہے اور یہی روایت مختار اور مفتیٰ بہا ہے۔ چونکہ یہاں بنیادی طور پہ نکاح ہوا نہیں ہے لہٰذا قبلہ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر ولی راضی ہو جائیں تو پھر جدائی نہ کریں یا عدالت سے جا کر فسخ کرائیں، کیونکہ فسخ وہاں ہوتا ہے جہاں پہلے نکاح منعقد ہو۔ جب بنیادی طور پہ بروایت حسن بن زیاد منعقد ہی نہیں ہوا تو پھر فسخ کا کیا مطلب۔ لہٰذا حضرت خواجہ خواجگان، گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے صورت مسئولہ کا جواب دیتے ہوئے یہی فرمایا کہ ان کی جدائی کرا دیں کیونکہ یہ نکاح نہیں ہے اس کی واحد وجہ یہ تھی کہ صورت مسئولہ کا تعلق سادات سے تھا اور اس کے نہ ہونے کی علت ہتکِ حرمتِ

اہلِ بیت تھی لہٰذا یہاں فسخ والی صورت نہیں بننے دی بلکہ فرمایا نکاح ہی نہیں ہے جب نکاح نہ ہوا تو فسخ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا البتہ وہ دونوں چونکہ ناجائز طور پر جمع ہوئے تھے لہٰذا فرمایا کہ ان دونوں کے درمیان جدائی کر دی جائے۔ چونکہ حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق کفاءت نکاح کی صحت کی شرط ہے لہٰذا نکاح بنیادی طور پر نہیں ہوگا۔ حضرت قبلہ پیر صاحب نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر ولی اپنا حق استعمال کرے تو نکاح ہو سکتا ہے بلکہ صورت مذکورہ میں دونوں روایتوں یعنی ظاہر روایت اور حسن بن زیاد کی روایت کو پیش نظر رکھتے ہوئے فرمایا کہ نکاح منعقد نہیں ہوا۔ ایک تو صورت مذکورہ میں اولیاء کی رضا نہیں ہوئی جیسے کہ استفتاء میں مذکور ہے اور دوسرا سیدہ کا نکاح ہے جس میں ہتک حرمتِ اہلِ بیت ہے جو کہ غیر کفوء میں نکاح کے عدمِ جواز کی علت ہے لہٰذا نکاح منعقد نہ ہوا۔ اور احتمالی صورت کہ ولی اپنا حق استعمال کرے اور عورت بھی راضی ہو جائے یہ دوسرے نسبوں میں تو ہو سکتا ہے لیکن سادات کے نسب میں اگر ولی اور عورت دونوں راضی ہو جائیں یا عورت نے غیر کفوء میں نکاح کر لیا اور ولی کوئی نہیں ہے یا ولی نے اپنا حق استعمال کر کے غیر کفوء میں ہونے والے نکاح کو جائز رکھا، ان تمام صورتوں میں نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نکاح کے عدمِ جواز کی علت ہتکِ حرمتِ اہلِ بیت ہے۔ چونکہ یہ ہتکِ حرمتِ اہلِ بیت نکاح کے بعد بھی مرتفع نہیں ہوتی لہٰذا نکاح بھی منعقد نہیں ہوگا، اسی لیے فرمایا کہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ اہلِ بیت کی عزت کو بچاتے ہوئے اس عجمی کو سیّدہ سے جدا کریں۔

سوال ۱: حسن بن زیاد کی یہ روایت کہ غیر کفوء میں نکاح پر مطلقاً عدم جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے اور زمانہ کے خراب حالات کی وجہ سے یہی قول فتویٰ میں مختار ہے۔ یہ قول حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں، وھذا اذا کان لھا ولی لم یرض بہ قبل العقد فلا یفید الرضاء بعدہ "بحر" واما اذا لم یکن لھا ولی فھو صحیح نافذ مطلقا اتفاقا لان وجہ عدم الصحۃ علی ھذہ الروایۃ دفع الضرر عن الاولیاء اما ھی فقد رضیت باسقاط حقھا فصح (ردالمحتار ص ۴۰۹ ج ۲) اور یہ اس صورت پر محمول ہے جب اس عورت کا ولی ہو اور وہ اس نکاح پر عقد سے پہلے راضی نہ ہو تو بعد میں اس کی رضا غیر معتبر ہوگی (بحر) جب عورت کا کوئی ولی نہ ہو تو یہ نکاح بالاتفاق صحیح اور نافذ العمل ہے کیونکہ اس روایت کی بنا پر نکاح کے صحیح نہ ہونے کی وجہ اس کے ولی سے ضرر کو رفع کرنا ہے۔ لیکن جب وہ عورت خود اپنا حق ساقط کر کے غیر کفوء میں نکاح کرنے پر راضی ہے تو نکاح صحیح ہوگا، جب یہ نکاح حسن بن زیاد کی روایت پر بھی صحیح ہوگا تو یہ حکم مطلق ہے خواہ عورت سیّدہ ہو یا غیر سیّدہ تو آپ نے بلا وجہ تخصیص

کرکے جو یہ کہا ہے کہ سیدزادی نے اگر اپنی اور اپنے ولی کی رضا سے غیر کفوء میں نکاح کیا منعقد نہیں ہوتا، یہ تخصیص بلا وجہ درست نہیں ہے۔

جواب : یہ تخصیص بلا دلیل نہیں ہے۔ امام محمد نے کہا ہے اگر نسب مشہور ہو تو اصل مسئلہ سے نسب مشہور کی تخصیص ہو سکتی ہے جیسے کہ اہلِ بیتِ خلافت کے نسب کو قریش کے نسب سے امام محمد نے خاص کیا ہے اور سادات جو ہیں ان کا نسب صرف مشہور ہی نہیں بلکہ مخصوص بھی ہے اور مخصوص ہونے کی بنا پر مطرد للحکم بھی ہے۔ دیگر کوئی نسب بھی مطرد للحکم نہیں ہے۔ جب سادات کا نسب مشہور اور مخصوص اور مطرد للحکم ہوا تو ان اوصاف کی بنا پر یہ نسب قابلِ تخصیص ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے حسن بن زیاد کی روایت جو کہ مفتیٰ بہا ہے اس کو سادات کے حق میں خاص کر کے یہ کہا ہے کہ اگر سیدزادی اپنی اور اپنے ولی کی رضا سے غیر کفوء میں نکاح کرے گی تو نکاح منعقد نہیں ہوگا کیونکہ مخصوص نسب اپنے خصائص کے پیشِ نظر مطرد للحکم ہوگا۔ یعنی اگر سیدزادی کا نکاح سید کے ساتھ ہوا تو منعقد ہوگا، اگر سیدزادی کا نکاح غیر سید عجمی مرد کے ساتھ ہوا تو منعقد نہیں ہوگا۔ کیونکہ نکاح کے عدم جواز کی علت کفوء کا نہ ہونا ہے۔ سادات کی لڑکیوں کے غیر سادات کفوء نہیں ہیں۔

علامہ یوسف نبہانی المتوفی ۱۳۵۰ھ لکھتے ہیں ویتفرع علی ھذا انھم لا یکافئھم احد من الناس وبہ صرح غیر واحد من الائمۃ قال الجلال السیوطی فی الخصائص ومن خصائصہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان آلہ لا یکافئھم فی النکاح احد من الخلق (الشرف المؤبد ص ۲۵۹) اور اس پر یہ مسئلہ مبنی ہے کہ نکاح میں ان کا کوئی ہم کفوء نہیں ہے۔ متعدد آئمہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ امام سیوطی نے خصائص کبریٰ میں کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ کوئی مخلوق سے نکاح میں آپ کے اہلِ بیت کے ہم کفوء نہیں ہے۔

امام شعرانی فرماتے ہیں وان لا یکافئھم فی النکاح احد من الخلق (کشف الغمہ ص ۴۲ ج ۲) کہ کوئی بھی مخلوقات سے اولادِ رسول کا نکاح میں ہم کفوء نہیں ہے۔ جب سادات کی لڑکیوں کا غیر سادات کفوء نہیں بن سکتے اور سادات کا نسب مطرد للحکم ہے ہے تو اسی وجہ سے حسن بن زیاد والی روایت جو کہ

مختار اور قابلِ فتویٰ ہے اس کو سادات کے حق میں خاص کر کے یہ کہا جائے گا کہ اگر سیدزادی نے اپنی اور اپنے ولی کی رضا سے غیر کفوء میں نکاح کیا تو نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

بحث ثامن: ہم ساتویں بحث میں لکھ چکے ہیں کہ سیّدہ کا نکاح اگر غیر کفوء میں عجمی کے ساتھ کیا گیا تو منعقد نہیں ہوگا جس کے منعقد نہ ہونے کی علت ننگ و عار ہے، سادات کا نسب اس سے بلند تر ہے کہ اس کو کسی عجمی کے ساتھ ملوث کیا جائے اور یہی علت فقہاء نے ذکر کی ہے۔ اسی علت کی بنا پر حضرت گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے اصل مسئلہ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ صورت مذکورہ میں نکاح نہیں ہوا۔ چونکہ آپ کا یہ فتویٰ ہم نے فتاویٰ جماعتیہ میں ذکر کیا تھا اب پھر وہ تمام استفتاء اور فتویٰ یہاں ذکر کرتے ہیں اور ساتھ ہی اس کا صحیح تجزیہ بھی کرتے ہیں تاکہ مزید وضاحت ہو جائے کہ صورت مذکورہ میں نکاح کے عدم جواز کی علت ننگ و عار ہے جس کی بنا پر یہ نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

---

[1] **سوال:** جو آپ نے یہ کہا ہے کہ یہ تخصیص بلادلیل نہیں ہے کیونکہ امام محمد نے اہل بیت خلافت کی تخصیص کی ہے لہٰذا سادات کے نسب کی بھی تخصیص ہوگی، امام محمد تو درجۂ اجتہاد پر فائز تھے وہ تو کسی مسئلہ کی تخصیص کر سکتے تھے، آپکو چاہیئے کہ کسی صریح جزئیہ سے اسکی تخصیص ظاہر کریں۔

جواب: ہم نے خود اپنی طرف سے تخصیص نہیں کی بلکہ اس مسئلہ زیر بحث کی تخصیص صاحب رشفۃ الصادی نے اپنے ان الفاظ میں کی ہے کہ اس نسب عظیم کی حفاظت کے لیے وہ غیر شریف سے شادی کی اجازت نہیں دیتے اگرچہ عورت اور اسکا ولی راضی ہوں (رشفۃ الصادی ص۱۵۸) اب دیکھئے صاحب رشفۃ الصادی نے حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق اگر ولی اور عورت دونوں راضی ہو جائیں تو نکاح منعقد ہو جائے گا لیکن صاحب رشفۃ الصادی اس کو مخصوص کر کے یہی فرماتے ہیں اگر عورت اور ولی راضی بھی ہو جائیں تو نکاح منعقد نہیں ہوگا اگر سائل کہے کہ صاحب رشفۃ الصادی تو شافعی المذہب ہیں حنفیہ انکی تخصیص کو کیسے معتبر سمجھیں گے، تو جواب یہ ہے کہ مسئلہ زیر بحث اگرچہ ظاہری طور پر فقہی اور جزوی ہے لیکن اصل میں یہ مسئلہ عقیدے سے متعلق ہے۔ جب یہ اپنے مبادی اور نتائج کے لحاظ سے عقیدہ سے وابستہ ہے تو پھر حنفیت اور شافعیت کا اختلاف غیر معتبر ہے۔ عقائد میں شافعیہ کے اقوال یوں ہی معتبر ہیں جیسے کہ حنفیہ کے ہیں جب صاحب رشفۃ الصادی نے تخصیص کر دی ہے اور سادات کا نسب بھی مخصوص ہے تو اس مخصوص نسب کی بنا پر ہم نے حسن بن زیاد کی روایت کی تخصیص نہیں کی بلکہ ہم نے اس تخصیص کا اظہار کیا ہے کہ جب نسب رسول تمام نسبوں سے ممتاز ہے تو اس کے احکام بھی جدا ہیں۔ ان میں سے یہ بھی ہے کہ اگر سیدزادی اور اسکا ولی دونوں راضی بھی ہو جائیں تو غیر کفوء میں نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

استفتاء

چہ فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمی محمد خان ساکن ملہوٹ بحکم واجازت مولوی عبدالحق ساکن ملہوٹ بہ یکے از ہاشمیات سیدات فاطمیات عقد نکاح وازدواج نمود۔ غیر مسترض من احد من الولاۃ القریبۃ والبعیدۃ ھل یجوز ھذا النکاح ام لا۔ ترجمہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمی محمد خان ساکن ملہوٹ نے مولوی عبدالحق ساکن ملہوٹ کے حسب حکم واجازت ایک سیدہ ہاشمیہ فاطمیہ سے نکاح کیا اور اس قریبی اور بعیدی ولی کی رضامندی اس پر نہیں، کیا یہ نکاح درست ہے یا نہیں۔

الجواب

هوالموفق للصدق والصواب

نکاح مذکورہ جائز نیست و مفتی بجوازہ نہ تنہا بر وُلاۃ سیدہ ظلم روا داشتہ بلکہ برکافہ اہل اسلام کہ بمقتضائے آیت قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ وبفحوائے حدیث لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین مؤدت وحب قرابت نبویہ را برخود فرض واز اصول ایمان شمارند جور بے حد وستم بے عد نمودہ چہ پر ظاہر است کہ در صحت نکاح سیدہ ہاشمیہ فاطمیہ در غیر کفوء بنا علی المودۃ فالمحبۃ المذکورۃ ہزارہا دل بوجہ ہتک حرمت اہل بیت رنجیدہ وشکستہ خواہند بود متون فقہ مملو اند ومشحون از عدم ایں چنیں نکاح لعدم کفاءۃ العجمی لایکون کفوءا للعربیۃ ولو کان عالما او سلطانا وھو الاصح (درمختار) ویفتی فی غیر الکفوء بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان (درمختار) پس در صورت مسطور صحبت صحبت زنا خواہد بود لہٰذا بر اہل اسلام لازم کہ سیدہ را از عجمی جدا کنانند و مفتی صاحب را واجب کہ آئندہ باہم چنیں افتاءات کہ مستلزم ہتک حرمت وشان اہل بیت باشند توجہ نہ نمایند و متمسک نہ باشد بدیں کہ سیادت قطعیہ نیست فان عدم قطعیۃ السیادۃ لایستلزم قطعیۃ عدم السیادۃ فرا ئحتہما تکفی مصادرۃ فی موجبات الہتک علی المحب اعاذنا اللہ منہ فکیف حال الواد وقد طلب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منا المودۃ فی قرابتہ، قال العامری ؎

احب لحب السود ان حتی — احب لحبہا السود الکلاب

وقال الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر فی ہذا المعنیٰ ؎

احب لحبك الحبشان طرّاً　　　　واعشق لاسمك البدر المنیرا

قیل کانت الکلاب السود تناولته وہو یتحبب الیہا اعنی المجنون فہذا فعل المحب فی حب من لا یفیدہ محبتہ عند اللہ فہل ہذا الّا من صدق المحبۃ وثبوت الودّ فی النفس ولو صحت محبتك للہ ولرسولہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم رأیت کل ما یصدر منہم فی حقك مما لا یوافق طبعك ولا غرضك انہ جمال تتنعم بوقوعہ منہم فتعلم عند ذالك ان ہذا عنایتہ من اللہ الذی احببتم من اجلہ (الی ان قال) واللہ ما ذالك الا من نقص ایمانك ومن مکر اللہ بك واستدراجہ ایاك من حیث لا تعلم وصورۃ المکران تقول وتعتقد انك فی ذالك تذب عن دین اللہ وشرعہ۔

والسلام خیر الختام العبد الملتجیٔ الی اللہ المدعو بہ مہر علی شاہ عفی عنہ

از گولڑہ (فتاویٰ مہریہ ص۱۳۳)

(مفہوم) نکاح مذکورہ جائز نہیں اور جواز کا فتویٰ دینے والے نے فقط سیّدہ مذکورہ کے ورثا پر ہی ظلم نہیں کیا بلکہ تمام اہلِ اسلام پر ظلم کیا ہے کیونکہ حسبِ ارشادِ الٰہی حدیث مذکورہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ قرابت سے محبت رکھنا تمام اہلِ اسلام اصولِ ایمان سمجھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ نکاح مذکورہ کی وجہ سے ہزاروں دل اہلبیت کی ہتک حرمت سے رنجیدہ ہوں گے اور تمام متونِ فقہ اس قسم کے نکاح کے عدم جواز پہ متفق ہیں کیونکہ یہ نکاح غیر کفؤ میں ہے جیسے کہ درمختار میں ہے۔ پس صورتِ مذکورہ میں یہ صحبت زنا ہوگی۔ لہٰذا اہلِ اسلام پر لازم ہے کہ سیدہ کو عجمی سے جدا کر دیں۔ اور مفتی پر لازم ہے کہ آیندہ اس قسم کے فتووں سے اجتناب کرے جن میں ہتکِ حرمتِ اہلِ بیتِ کرام ہو اور یہ وجہ پیش نہیں کرنی چاہیے کہ سیدہ کا اولادِ رسول سے ہونا یقینی نہیں، کیونکہ اگر اس امر کا یقین نہیں تو یہ یقین کہاں سے حاصل ہوگیا کہ وہ غیر سیدہ ہے۔ لہٰذا سیادت کی خوشبو بھی محبت والے پر ہتک حرمت مستوجب سزا ہونے کے لیے کافی ہے۔ خدا کی پناہ چہ جائیکہ مدعی مؤدت ایسا کرے۔ قیس بنی عامر کہتا ہے: ؎

"میں لیلیٰ کی محبت میں سیاہ حبشیوں سے محبت کرتا ہوں حتیٰ کہ سیاہ کتوں سے بھی"

اہلِ ادب کے لیے تھوڑی سی نسبت بھی کافی ہے، خیال کرنا چاہیئے۔ چنانچہ حضرت شیخ محی الدین اکبر ابن عربی

بارے میں فرماتے ہیں :-

"میں تیری محبت کی خاطر حبشیوں سے بھی محبت کرتا ہوں اور تیرے نام کے باعث مجھے بدر منیر سے بھی عشق ہے کہ چودھویں رات کا چاند بھی تو رات سے مناسبت رکھتا ہے۔

کہتے ہیں سیاہ کتے مجنوں کو تکلیف پہنچاتے تھے مگر وہ ان سے محبت کرتا تھا کیونکہ اس کی معشوقہ لیلیٰ کے نام کو لیل (یعنی رات) سے مناسبت تھی جو سیاہ ہوتی ہے حالانکہ یہ محبت خدا کے نزدیک کچھ مفید نہیں، پس اہلِ بیتِ کرام کی محبت اور مودت جس کا حکم ہمیں سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہوا اور خدا کے نزدیک ہمارے لیے مفید ہے اس کی کم از کم اتنی رعایت تو لازم ہے جتنی ایک مجازی محبت والا کرتا ہے۔ پس اگر تیری محبت اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی ہے تو حضور کے اہل بیت کو ضرور دوست رکھے گا اور ان سے جو امر تیری طبع کے خلاف واقع ہوگا۔ اسے یہ سمجھتے ہوئے کہ "تقدیر الٰہی" یوں ہی تھی۔ لہٰذا اہل بیت سے تکلیف پہنچنے میں لذت محسوس کرے گا اور اسے اللہ تعالیٰ کی عنایت سمجھے گا جس کی وجہ سے تو نے اہلِ بیت سے محبت کی پھر حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ اہلِ بیت کی حرمت کا خیال نہ کرنے میں مکرِ الٰہی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ تیرا خیال ہو کہ میں دینِ الٰہی کی حفاظت کر رہا ہوں (انتہیٰ)

استفتاء کا تجزیہ اگر عاقلہ بالغہ آزاد عورت نے نکاح بلا اجازتِ ولی کیا ہو اور کفوء میں کیا ہو تو نکاح منعقد ہو جائے گا اگر غیر کفوء میں ہو تو ظاہر روایت کے مطابق نکاح کے لزوم میں کفاءت معتبر ہے۔ اور حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت یہ ہے کہ کفاءت نکاح کی صحت کی شرط ہے اور یہی روایت مفتیٰ بہا ہے۔ اس کی آگے دو صورتیں ہیں۔

اوّل یہ عورت جو بلا اجازتِ ولی نکاح کر رہی ہے اور غیر کفوء میں کر رہی ہے یہ خود بھی عجمی ہے اور جس کے ساتھ کر رہی ہے وہ بھی عجمی ہے لیکن شریعت نے عجمیوں کے لیے جو کفوء کا معیار مقرر کر رکھا ہے وہ ان دونوں کا کفوء ایک نہیں ہے۔ اس میں اگر ولی اپنا حق استعمال کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اس نکاح کو جو غیر کفوء میں ہوا ہے نافذ کرتا ہوں تو نکاح نافذ ہو جائے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عورت سیدہ ہے اور جس کے ساتھ غیر کفوء میں نکاح کیا وہ عجمی مرد ہے، یہاں اگرچہ ولی راضی بھی ہو جائے تو نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ یہی اصل مسئلہ ہے، اسی مسئلہ کے جواب میں خواجہ خواجگان گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیان کردہ صورت میں نکاح جائز نہیں اور اس قسم کے نکاح کے عدم انعقاد

پر فقہ کے متن بھرے پڑے ہیں۔

قارئین حضرات پہلے قبلہ پیر صاحب کا تمام فتویٰ پڑھیں اور اس پر غور کریں کہ سائل نے اگرچہ اپنے سوال اور استفتار میں یہ لکھا ہے کہ سیدہ کا کوئی ولی قریبی اور بعیدی راضی نہیں ہے لیکن آپ نے اپنے تمام فتویٰ میں یہ الفاظ نہیں لائے کہ چونکہ بیان کردہ صورت میں ولی راضی نہیں ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی ولی قریبی یا بعیدی رضامند نہ ہو تو نکاح غیر کفوٗ میں منعقد نہیں ہوتا۔

حضرت قبلہ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے فتویٰ میں ولی کی رضامندی یا غیر رضامندی کا تذکرہ نہ کرنا اور فتویٰ میں مؤدت اور محبت اہلِ بیت کا تمہیدی طور پر ذکر کرنا اور نکاح کے عدم جواز کی علت ہتکِ حرمتِ اہلِ بیت قرار دینا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ بیان کردہ صورت میں نکاح بنیادی طور پر منعقد نہیں ہوگا خواہ اس کے ولی راضی ہوں یا نہ کیونکہ نکاح کے منعقد نہ ہونے کی وجہ ہتکِ حرمتِ اہلِ بیت ہے جو کہ عورت اور اس کے ولی کی رضا سے مرتفع نہیں ہوتی۔ اسی لیے آپ نے ولی کی رضا یا عدم رضا کا ذکر تک نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ غیر کفوٗ میں ہتکِ حرمتِ اہلِ بیت ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ سیدہ کو عجمی سے جدا کریں اور سائل نے حضرت قبلہ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ سوال نہیں کیا کہ ایک سیدہ اپنی اور اپنے ولیوں کی رضامندی سے کسی غیر کفوٗ میں نکاح کرے تو ایسا نکاح شرع محمدی کی رُو سے جائز ہوگا کیونکہ جو سادات ہیں وہ اپنی بچی (سید زادی) کو عجمی مرد کے ساتھ منسوب نہیں کرتے کیونکہ سادات کو علم ہے کہ سیدہ کا نکاح غیر سید کے ساتھ سادات کے لیے ننگ و عار ہے۔ لہٰذا سائل نے یہ سوال نہیں کیا بلکہ سائل نے یہ سوال کیا کہ ایک شخص نے سیدہ سے ایسی حالت میں نکاح کیا کہ سیدہ کا کوئی قریبی یا بعیدی ولی اس نکاح میں رضامند نہ تھا کیا ایسا نکاح جائز ہے یا نہ تو آپ نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ یہ نکاح نکاح نہیں کیونکہ اس میں ہتک اہل بیت ہے اور جہاں ہی ہتک حرمت اہل بیت ہوگی نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ سائل نے جب اپنے سوال میں اولیار کی عدم رضامندی کا ذکر کیا تھا تو جواب کو سوال کے مطابق کرنے کے لیے چاہیئے تھا کہ آپ یہ بھی فرماتے کہ چونکہ اس میں اولیا کی رضا شامل نہیں ہے جب غیر کفوٗ میں نکاح ہو اور اولیا ناراض ہوں تو نکاح منعقد نہیں ہوتا لیکن آپ نے اولیار کی عدم رضا کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ اس صورت مسئولہ کا تعلق چونکہ سیدہ کے ساتھ تھا فرمایا بوجہ ہتکِ حرمتِ اہل بیت نکاح نہیں ہوا۔ رضا اور عدم رضا کی بحث صورت مذکورہ میں نہ فرمائی تاکہ ثابت ہو کہ سیدہ کے نکاح میں جب کہ غیر کفوٗ میں ہو ولی راضی ہو یا نہ ہو نکاح بوجہ ہتک حرمت اہل بیت کسی صورت میں بھی منعقد نہ ہوگا۔ ہماری اس بات کی تائید حضرت قبلہ

پیر صاحب کے ملفوظات سے بھی ہوتی ہے۔ ملاحظہ کیجئے ملفوظ ۱۸۱ :

کہ ایک دفعہ حضور انور قدس سرہ بکڑالہ تشریف لے گئے وہاں راجہ محمد خان علاقہ دار و رئیس بکڑالہ نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر میاں محمد صاحب کھڑی والہ کی طرف سے سلام پیش کیا اور امتی مرد کے ایک سیدہ کے ساتھ نکاح کے متعلق ایک فتویٰ جواز کا ذکر کیا جو موضع چکڑالی میں ایک ایسے واقعہ کے بعد بعض علماء نے دیا تھا اور خدشہ ظاہر کیا کہ ایسے فتاویٰ سے دنیا میں طوفان بے ادبی پیدا ہو گا۔ حضور نے سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا کہ ایسے گستاخ اور بے ادب ہمارے پاس آنے کا حوصلہ نہیں رکھتے، جو لوگ عترت نبوت سے بے ادبی کرتے ہیں وہ ازلی بدبخت ہیں نہ وہ ہمارے پاس آتے ہیں اور نہ ہی ہم انہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہمارے مفتی صاحبان بھی عجیب ہیں۔ اگر کوئی لفظ عالم کو بصیغۂ تصغیر عویلم پڑھ دے یا علماء کے جوتوں کی توہین کر دے تو ایسا کرنے پر تو وہ فوراً کفر کا فتویٰ صادر کر دیتے ہیں مگر سفینۂ محمدی کی بے حرمتی کرنے والے کو وہ کچھ نہیں کہتے حالانکہ علماء کا شرف بوصف علم کے ہے جو ذاتی نہیں ہے اور بغیر عمل جس کی کوئی وقعت نہیں۔ اس کے برعکس اہل بیت نبی صلی اللہ کا شرف ذاتی ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف انتساب کی وجہ سے انہیں موہوب ہوا (ملفوظات مہریہ صـ ۱۳۳)

اس سے ظاہر ہے کہ غیر کفوٴ میں نکاح منعقد نہ ہونیکی وجہ ہتک حرمتِ اہل بیت ہے۔ اگر کوئی سیدزادی اپنی اور اپنے ولی کی رضا سے غیر کفوٴ میں نکاح کرے گی تو نکاح منعقد نہیں ہو گا۔ اس ملفوظ میں رضامندی کا ذکر تک نہیں کیا گیا جس سے ثابت ہوا کہ ولی کی رضا کا یہاں دخل نہیں ہے۔ بعض حضرات نے قبلہ پیر صاحب کے ملفوظ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اگر امتی سیدہ کے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوا تو اہل بیت کا ادب ملحوظ نہیں رہے گا لہذا رشتہ کرنا محل خطر ہے۔ یہ مطلب صراحتہً غلط ہے کیونکہ پیر صاحب نکاح کرنے والے اور فتویٰ دینے والے کو صرف بے ادب نہیں فرما رہے بلکہ ازلی بدبخت بھی کہہ رہے ہیں ازلی بدبخت ہمیشہ توفیق عمل سے خالی ہوتا ہے اسی لیے آپ نے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ بقول علماء کرام عالم کے جوتوں کی توہین تو کفر شمار ہو جس کا شرف عارضی ہے اور جن کا شرف ذاتی ہے اور وہ بھی جن کی عظمت پر نصوص قطعیہ اور شرعیہ وارد ہوں ان کی توہین کے مرتکب ہونے والے کے متعلق علماء اور مفتیان کا کیا خیال ہے۔ ایسے مفتیان پر تعجب ہے کہ علماء اور علماء کے جوتوں کی توہین پر تو کفر کا فتویٰ صادر کریں لیکن جہاں اہل بیت کرام کی توہین ہو رہی ہے وہاں غیر کفوٴ میں نکاح کے جواز کا فتویٰ دیں، غیر سید امتی کا سیدہ کے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا صرف محل خطر ہی نہیں ہے بلکہ ہتکِ حرمتِ اہل بیت کی وجہ سے سیدہ کا نکاح غیر کفوٴ میں منعقد ہی نہیں ہوتا۔ اس ملفوظ میں صراحت موجود ہے کہ حضرت قبلہ پیر صاحب نے جو

جواز کا فتویٰ دینے والے ہیں ان کو گستاخ، بے ادب، ازلی بدبخت فرمایا ہے مزید یہ بھی فرمایا کہ ہم انہیں دیکھنا نہیں چاہتے کیونکہ سائل نے صرف نکاح کے متعلق نہیں پوچھا بلکہ عرض کیا کہ ایسے واقعہ کے بعد بعض علماء نے فتویٰ دیا اور خدشہ ظاہر کیا کہ ایسے فتاویٰ سے دنیا میں طوفانِ بے ادبی پیدا ہوگا تو حضور نے جواز کا فتویٰ دینے والے مفتیان کے متعلق فرمایا کہ ایسے گستاخ اور بے ادب ہمارے پاس آنے سے حوصلہ نہیں رکھتے جو لوگ عترت نبوت سے بے ادبی کرتے ہیں وہ ازلی بدبخت ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو لوگ جواز کا فتویٰ دے رہے تھے حضور ان کو ازلی بدبخت فرما رہے تھے۔ جب جواز کا فتویٰ دینے والے بدبخت ہوئے تو جو غیر سیّد عجمی مرد سیدزادی کے ساتھ نکاح کرے گا اس عجمی کے ازلی بدبخت اور گستاخ ہونے میں تو کسی قسم کا شک نہیں ہوگا۔ اور یہ نکاح بوجہ ہتکِ حرمتِ اہلِ بیت ہرگز ہرگز منعقد نہیں ہوگا۔ نیز اس کی تائید آپ نے جو سیادت کی قطعیت کی بحث فرمائی ہے، اس سے بھی ظاہر ہے کہ جواز کا فتویٰ کا دینے والا مفتی نکاح سیدہ اور نکاح غیر سیدہ میں فرق سمجھتا تھا اسی لیے اس نے نکاح کرنے والے کو کہا کہ مذکورہ عورت سے نکاح ہو جائے گا کیونکہ اسکا سیدہ ہونا مشکوک ہے مفتی کو اگر یقین ہوتا تو ممکن ہے تو پھر وہ جواز کا فتویٰ نہ دیتا۔ اس کی تردید میں قبلہ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر اس کے سیدہ ہونے میں شک ہے تو اس کے غیر سید ہونے کا بھی یقین نہیں ہے یہاں تو سیادت کی رائحہ (خوشبو) کافی ہے۔ جس عورت میں سیادت کی رائحہ پائی جائے گی اس کا نکاح ہی غیر کفؤ میں منعقد نہیں ہوگا۔ اسی لیے یہ بھی فرمایا کہ سیادت کی بُو بھی محبت والے پر ہتکِ حرمت سے مستوجبِ سزا ہونے کے لیے کافی ہے، خدا کی پناہ چہ جائیکہ مدعی مودت ایسا کرے۔

ہم کہتے ہیں کہ افسوس تو ہے ان لوگوں پر جو ایسی جلیل القدر ہستیوں کی تحریر کو سمجھنے اور اسے بہ اعماق نظر دیکھنے کی صلاحیت سے بھی محروم ہیں کیونکہ قبلہ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ واضح تشریح فرما رہے ہیں کہ خدا کی پناہ چہ جائیکہ مدعی مؤدت ایسا کرے یعنی جو شخص دعویٰ تو کرے محبت اہلِ بیت کا اور پھر نکاح کے جواز کا فتویٰ دے کر اہلِ بیت کی توہین بھی کرے ایسے مفتی سے خدا کی پناہ ہی ہے۔ غرضیکہ سیدہ اور غیر سیدہ کے غیر کفؤ میں نکاح کرنے میں فرق ہے اگر سیدہ نے غیر کفؤ میں نکاح بلا اجازتِ ولی کر لیا تو اولیاء کو حق اعتراض ہے۔ قاضی کے ہاں دعویٰ کر کے فسخ کرا سکتے ہیں اگر اعتراض نہیں کرتے رضا کا اظہار کرتے ہیں تو نکاح نافذ ہوگا، اگر عورت سیدہ ہے تو پھر ولی راضی ہوں یا نہ نکاح بوجہ ہتک حرمتِ اہلِ بیت منعقد نہیں ہوگا چونکہ مذکورہ صورت میں عورت سیدہ تھی لہٰذا آپ نے فرمایا کہ جواز کا فتویٰ دینے والے نے فقط سیدہ مذکورہ کے ورثاء پر ہی ظلم نہیں کیا بلکہ تمام اہل اسلام پر ظلم کیا ہے

یہاں حضرت قبلہ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ میں یہ عبارت کہ "فتویٰ دینے والے نے تمام اہلِ اسلام پر ظلم کیا ہے" قابلِ غور ہے کیونکہ اگر کسی عورت غیر سیدہ نے غیر کفوء میں نکاح کر لیا اور کسی فتویٰ دینے والے نے جواز کا فتویٰ دے دیا تو وہ ظلم صرف مخصوص ان لوگوں پر ہوگا جو کہ اس عورت کے وارث ہیں تمام لوگوں پر کیسے ظلم ہوگا لیکن یہاں قبلہ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس فتویٰ دینے والے نے صرف سادات پر ہی نہیں بلکہ تمام مسلمانوں پر ظلم کیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ صورتِ مذکورہ کا تعلق سیدہ سے تھا جس میں ہتکِ حرمتِ اہلِ بیت ہو رہی تھی اور مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق اہلِ بیتِ کرام کی عظمت و توقیر فرض اور ضروری ہے اور فتویٰ دینے والے نے ہتکِ حرمت اہلِ بیت کر کے تمام مسلمانوں پر ظلم کیا ہے اگر کسی دیگر برادری کا مسئلہ ہوتا تو آپ یہ نہ فرماتے کہ اس فتویٰ دینے والے نے تمام مسلمانوں پر ظلم کیا ہے بلکہ آپ فرماتے کہ اس عورت کے وارثوں پر فتویٰ دینے والے نے ظلم اور زیادتی کی ہے، چونکہ سادات کی عزت و عظمت کا مسئلہ تمام مسلمانوں کا ہے لہذا آپ نے فرمایا کہ اس فتویٰ دینے والے نے ہتکِ حرمتِ اہلِ بیت کر کے تمام مسلمانوں پر ظلم کیا ہے اور یہ نکاح بھی بوجہ ہتکِ حرمتِ اہلِ بیت منعقد نہیں ہوا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر سیدہ غیر کفوء میں نکاح کر لیتی ہے تو ہتک صرف عرف عام میں ہے، عند الشرع نہیں ہے یہ بھی غلط ہے کیونکہ پہلے تو قابلِ فہم بات یہ ہے کہ کیا سادات غیر کفوء میں نکاح کر دینے کے بعد عرف عام کی توہین برداشت کریں گے یا جواز کا فتویٰ دے کر سادات کی عرف میں توہین کرانا یا کرنا کیا شرعاً جائز ہے جب یہ جائز نہیں تو پھر یہ کہنا کہ غیر کفوء میں نکاح سے صرف عرف عام میں ہتک اور توہین ہے عند الشرع نہیں یہ کیسے صحیح ہوا حالانکہ اہلِ بیت کی مؤدت و محبت اور عزت و عظمت پر نصوص شرعیہ وارد ہیں۔ اگر عرف میں توہین ثابت ہوئی تو شرعاً بھی ہوگی جیسے کہ شعائرِ اسلامیہ کی توہین عرف عام میں ناجائز ہے اسی طرح شرع میں بھی ناجائز ہے۔ اسی طرح اگر سیدہ نے غیر کفوء میں نکاح کیا اور خون کی ملاوٹ ہوئی اور خون کی ملاوٹ اگر عرف میں باعث ہتک ہے تو عند الشرع بھی باعث ہتک ہے کیونکہ سیدہ کی تعظیم پر نصوص شرعیہ موجود ہیں۔ اگر عرف عام میں ہتک ہتک عند الشرع نہ ہوتی تو قبلہ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس ہتکِ حرمتِ اہلِ بیت کا تذکرہ نہ کرتے اور نہ ہی اس کی ممانعت پر آیت مؤدت اور حدیث محبت سے استدلال کرتے۔ آپ کا آیت مؤدت اور حدیث محبت سے استدلال کرنا اور پھر یہ فرمانا کہ نکاح مذکورہ میں اہلِ بیت کرام کی ہتک ہوئی ہے اس بات پر واضح دلیل ہے کہ یہ ہتک عند الشرع بھی ہے، کیونکہ اہلِ بیت کی عظمت و عزت بجا لانے اور توہین سے ممانعت پر نصوص شرعیہ وارد ہیں، لہذا اہلِ بیت کے معاملہ میں ہتک عرف عام اور ہتک عند الشرع منفک نہیں ہیں بلکہ اگر صورتِ مذکورہ کے وقوع سے عرف عام میں ہتک

حرمت ہوئی ہے تو عندالشرع بھی ہوئی۔ لہذا یہ خیال کر لینا کہ صورت مذکورہ کے وقوع اور خون کی ملاوٹ سے صرف عرف عام میں ہتک تصور کی جاتی ہے عندالشرع نہیں ہوتی نہایت سطحی بلکہ ناقص خیال ہے۔ اسی وجہ سے حضرت قبلہ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فتویٰ کے آخر میں شیخ ابن عربی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ اہل بیت کی حرمت کا خیال نہ کرنے میں ایک صورت یہ بھی ہے کہ تیرا خیال ہو کہ میں دین کی حفاظت کر رہا ہوں یعنی یہ خیال کرنا کہ اس صورت مذکورہ کے وقوع اور نکاح غیر کفوٗ میں منعقد ہو جانے میں ہتک حرمتِ اہلِ بیت عندالشرع لازم نہیں آتی یہ بھی اس قائل کے لیے ایک استدراجی صورت ہے کہ وہ ظاہر یہ خیال کرتا ہے کہ میں دین کی خدمت اور حفاظت کر رہا ہوں لیکن دراصل دین کی دیواریں منہدم کرنے کی سعی لاحاصل کر رہا ہے یہ حقیقت میں دوستی کے پردے میں دشمنی ہے۔ اسی لیے کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ صورت مذکورہ اور غیر کفوٗ میں نکاح منعقد ہو جانے کی حالت میں عرف عام میں توہین ہے عندالشرع نہیں ہے اور کبھی یہ کہ سیدہ اور غیر سیدہ میں فرق نہیں ہے تمام عورتوں کا حکم ایک ہے اور کبھی کہنا کہ سیدہ کا نکاح غیر کفوٗ میں شرع محمدی میں جائز ہے اور یہ تمام غلط تاویلات اس لیے کی جا رہی ہیں تاکہ غیر کفوٗ میں سیدہ کے نکاح کا جواز ثابت ہو، اور یہی استدراجی صورتیں ہیں جن میں ہتکِ اہلِ بیت لازم آتی ہے اور حضرت قبلہ خواجہ خواجگان گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ اس ہتک سے فتویٰ دینے والے کو منع فرما رہے ہیں اور اسی[1] لزومی یا التزامی ہتک پر بنیاد رکھ کر فتویٰ صادر فرما رہے ہیں کہ مذکورہ صورت میں بنیادی طور پر نکاح منعقد نہیں ہوا۔ لہذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ سیدہ کو عجمی سے جدا کر دیں اور فتویٰ دینے والے پر لازم ہے کہ آئندہ ایسے فتووں سے اجتناب کرے۔ کیونکہ ایسے نکاح کے عدم انعقاد پر فقہ کے متن بھرے پڑے ہیں۔ قبلہ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بطور استدلال حضرت حسن بن زیاد کی روایت بھی ذکر کی، ویفتی فی غیر الکفوٗ بعدم جوازہ اصلاً وھو المختار للفتوی لفساد الزمان اور غیر کفوٗ میں بالکل عدم جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے اور فسادِ زمانہ کے لحاظ سے فتویٰ کے لیے یہی قول مختار ہے، اسی روایت میں فسادِ زمانہ کا بھی ذکر تھا لیکن آپ نے نکاح کے عدم انعقاد پر فسادِ زمانہ کو علت قرار نہیں دیا اور جس طرح ہتکِ حرمتِ اہلِ بیت، سیادت کی قطعیت کی بحث کی اس طرح

---

[1] لزوم سے مراد یہ ہے کہ مآل سخن و لازم حکم ترتیب مقدمات و تتمیم تقریبات کرتے چلئے تو آخر کار قائل کی کلام سے ہتکِ حرمت اہلِ بیت لازم آئے اور قائل اس لازم کا اقرار نہ کرے۔ اور التزام یہ کہ قائل ایسے کلمات استعمال کرے جن سے صراحۃً ہتکِ حرمتِ اہلِ بیت ہو۔ درج بالا کلام میں دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں۔ (مفتی غلام رسول)

فسادِ زمانہ کو زیر بحث نہیں لائے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک بھی فسادِ زمانہ علت نہیں تھا. اگر آپ کے نزدیک فسادِ زمانہ علت ہوتا تو آپ یہ بھی فرماتے کہ مذکورہ صورت میں فسادِ زمانہ کی وجہ سے نکاح منعقد نہیں ہوگا، آپ نے یہ نہیں فرمایا بلکہ فرمایا کہ ایسے نکاح کے عدم انعقاد پر فقہ کے متن بھرے پڑے ہیں کہ غیر کفو میں نکاح منعقد نہیں ہوتا جس کی وجہ ننگ و عار اور ہتکِ حرمتِ اہلِ بیت ہے۔

علامہ شامی حسن بن زیاد کی روایت کی تشریح کے ماتحت نکاح منعقد نہ ہونے کی علت کا ذکر کرتے ہیں لان وجہ عدم الصحۃ علی ہذہ الروایۃ دفع الضرر عن الاولیاء کہ اس نکاح کے منعقد نہ ہونے کی وجہ اولیاء سے ضرر کا دفع کرنا ہے کیونکہ جب غیر کفو میں ہوگا تو اولیاء اور وارثوں کے لیے باعث عار و ننگ ہوگا. جب علامہ شامی نے تصریح کر دی ہے کہ حسن بن زیاد کی روایت جو مفتیٰ بہا ہے اس میں نکاح نہ ہونے کی علت اولیاء سے ضرر کا دفع کرنا ہے جو کہ اولیاء کے لیے باعثِ ننگ و عار تھا. جب نکاح کے عدمِ انعقاد کی علت پر تصریح موجود ہے تو پھر اپنی طرف سے علت تلاش کرنے کا کیا مطلب ہے. بہرکیف نکاح کے منعقد نہ ہونے کی علت ننگ و عار ہے اور صورت مذکورہ میں بھی ننگ و عار اور ہتکِ حرمتِ اہلِ بیت ہے جو کہ عورت اور اس کے ولی کے راضی ہونے سے مرتفع نہیں ہوتی بلکہ برقرار رہتی ہے کیونکہ دوسرے لوگوں کی رضامندی کے بعد اگر خون میں ملاوٹ ہو جائے گی تو عرف عام میں عیب نہیں ہوگا. اگر سیدہ کا نکاح غیر کفو میں ہوا تو خون کی ملاوٹ کی وجہ سے عرف عام میں بھی عیب ہوگا. چونکہ ان کی عزت و عظمت پر نصوص شرعیہ وارد ہو چکے ہیں لہذا عند الشرع بھی عیب ہوگا چنانچہ یہ عیب نسب رسول میں واقع ہو رہا ہے اسی بنا پر ہی حضرت قبلہ گولڑوی نے فرمایا کہ صورت مذکورہ میں نکاح بنیادی طور پر منعقد نہیں ہوگا. مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ سیدہ کو عجمی سے جدا کریں اور مفتی پر لازم ہے کہ آئندہ ایسے فتووں سے باز رہے جن میں ہتکِ حرمتِ اہلِ بیت لازم آئے۔

بحث تاسع : ہم پھر واپس اس بات کی طرف لوٹتے ہیں جس کا ذکر پہلے بھی کر چکے ہیں کہ بعض لوگ بار بار یہ کہتے ہیں کہ فتویٰ قرآن و حدیث سے ہونا چاہیئے حالانکہ یہ ان کی غلط فہمی یا فتویٰ کے اصول سے ناواقفی ہے. دراصل مفتی کو فتویٰ فقہی جزئیات کے مطابق دینا چاہیئے کیونکہ فقہاء نے جو مسائل مستنبط کیے ہیں وہ قرآن و سنت سے ہی مستنبط کیئے ہیں اگرچہ ان کے ماخذ کا ہم کو پتہ نہ چلے یہ ایک علیحدہ بات ہے۔

"الاشباہ والنظائر" کے حواشی کے حوالے سے پہلے گذر چکا ہے لایحل الافتاء من القواعد والضوابط وانما علی المفتی حکایت النقل الصریح کہ قواعد اور ضوابط سے فتویٰ دینا حلال نہیں ہے

بلکہ مفتی پر یہی واجب ہے کہ وہ نقل صریح کو بیان کرے جیسے کہ فقہاء نے تصریح کر دی ہے اور ابن نجیم بھی لکھتے ہیں ،
الفرق بین علم الفتیا و فقہ الفتیا ، ففقہ الفتیا ھو العلم بالاحکام الکلیۃ و علمہا ھو العمم بتلك
الاحکام مع ترتیبہا علی النوازل۔ کہ علم فتویٰ اور فقہ فتویٰ میں فرق ہے کہ فقہ فتویٰ احکام کلیہ کا نام ہے
اور علم فتویٰ ان احکام کلیہ بمعہ ترتیب واقعات و نوازل کا نام ہے ۔ گویا کہ فقہ فتویٰ عام ہے اور علم فتویٰ خاص ہے
اور مفتی کو فتویٰ علم فتویٰ کے لحاظ سے دینا چاہیئے ۔ یعنی مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ صرف کلیات کو پیش نظر رکھ
کر فتویٰ نہ دے بلکہ احکام کلیہ کے ساتھ ساتھ ترتیب واقعات و حوادثات نازلہ اور صور جزئیہ کا بھی خاص خیال
رکھے ۔ اس سے بھی ظاہر ہوا کہ فتویٰ اصول و کلیات سے نہیں دینا چاہیئے بلکہ جزئیات صریحہ کا لحاظ رکھنا چاہیئے
بالخصوص اس زمانے میں چونکہ مفتی کی حیثیت صرف ناقل کی ہے لہذا ناقل مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ فقہاء
کی عبارات اور صریح جزئیات فتویٰ میں ذکر کرے ، خود قرآن و حدیث سے مسائل استنباط کرنے کی کوشش نہ کرے
قرآن و سنت سے وہی آیات و احادیث ذکر کرے جو فقہاء نے ذکر کی ہیں ۔ چونکہ یہ فتویٰ کا اصول تھا اس اصول
کے پیش نظر حضرت قبلہ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ دیا ۔ لیکن پہلے آیت مودت و آیت محبت ذکر کر کے اس
کی طرف اشارہ کیا کہ اہل بیت کرام کی محبت فرائض سے ہے جس سے شرعی محبت ہو اس کی توہین شرعاً منع ہے اور
یہاں غیر کفوء میں نکاح ہونے سے توہین کا ارتکاب ہو رہا ہے ۔ لہذا سیدہ کا نکاح غیر کفوء میں عجمی مرد کے ساتھ منعقد
نہیں ہوگا کیونکہ ایسے نکاح کے عدم انعقاد پر فقہ کے متن بھرے پڑے ہیں کہ غیر کفوء میں نکاح منعقد نہیں ہوتا جس
کی وجہ ننگ و عار اور ہتک حرمت اہل بیت ہو ۔

پھر اصول فتویٰ کے مطابق فقہی عبارات کا ذکر کیا ۔ کسی مسئلہ کو ثابت کرنا اور بات ہے اور فتویٰ دینا
اور بات ہے البتہ مخالف کے سامنے اگر ثابت کرنا مقصد ہو تو پھر واقعی قرآن و حدیث کو پیش کیا جائیگا ۔ اگر یہ مقصد
نہیں بلکہ سائل کا مقصد صرف فتویٰ لینا ہے تو پھر فقہی عبارت سے اس کو صریح جزئیہ یا مناسب جزئیہ تلاش کر کے
فتویٰ اور حکم بتا دیا جائے گا ۔ ناقل مفتی کو اصول و قواعد سے فتویٰ دینا منع ہے ۔ اسی لیے حضرت قبلہ پیر صاحب
رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ کے اصول کے مطابق نص قرآنی یا حدیث نکاح کے عدم انعقاد پر پیش نہیں کی اور احترام
نسب کی صورت میں چونکہ سائلین نے ثبوت مانگا تھا لہذا نص قرآنی سے احترام نسب ثابت کر دیا ۔ فرمایا قرآن پاک
میں ہے قل ان کان للرحمٰن ولد فانا اول العابدین ۔ یا رسول اللہ آپ فرما دیجئے اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی
بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرتا یعنی بیٹے کی عبادت کا سبب اس کا نسب بننا اور احترام

کا بڑا ذریعہ عبادت ہے۔ لہٰذا احترام نسب ثابت ہوا۔ چونکہ یہ مقام اثبات تھا لہٰذا نص قرآنی پیش کی اور صورت مذکورہ میں فتویٰ کی صورت تھی لہٰذا وہاں اصولِ فتویٰ کے مطابق فقہ کی عبارت پیش کر کے فرمایا کہ سیّدہ کا نکاح غیر کفوء میں بوجہ ہتک حرمتِ اہل بیت کسی صورت میں بھی منعقد نہیں ہوگا۔ لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ سیدہ کو عجمی سے جدا کریں۔ اور مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسے فتووں سے پرہیز کرے جن میں ہتکِ حرمتِ اہلِ بیتِ رسول لازم آتی ہو اور مفتی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ فقہاء کی عبارات اور صریح جزئیات میں سے اپنے فتویٰ میں ذکر کرے خود قرآن وسنت سے اجتہاد کرنے کی کوشش ہرگز نہ کرے اور اسی طرح مفتی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مفتیٰ بہ قول کے مطابق فتویٰ دے یعنی اس قول پر فتویٰ دے جس پر فقہاء نے فتویٰ دیا ہے یا جس قول کو انہوں نے فتویٰ کے لیے مختار کہا ہے اور یہ بھی مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ معتبر کتب سے فتویٰ دے۔ جو کتابیں معتبر نہیں ہیں ان سے فتویٰ نہ دے کیونکہ بعض وہ کتابیں ہیں جن پر علما محققین اعتماد نہیں کرتے اور نہ ہی ان کو قابل فتویٰ سمجھتے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ "شرح مختصر الوقایہ" اس کے مصنف شمس الدین محمد مفتی بخارا المتوفی ۹۶۲ھ ہیں۔ ان کی یہ کتاب علامہ زاہدی معتزلی کی طرف مستند ہونے کی وجہ سے غیر معتمد علیہ ہے۔

۲۔ "شرح مختصر الوقایہ لابی مکارم" اس کے مصنف ابی مکارم ہیں جو کہ رجل مجہول ہیں لہٰذا ان کی کتاب بھی درجہ جہالت میں ہونے کی وجہ سے اعتبار سے ساقط ہے۔

۳۔ "فتاویٰ ابراہیم شاہی" اس کے مصنف قاضی شہاب الدین دولت آبادی ہیں۔ یہ بھی کتب غیر معتبرہ سے ہے۔

۴۔ "قنیہ، حاوی، مجتبیٰ شرح قدوری" ان کے مصنف نجم الدین مختار بن محمود زاہدی المتوفی ۶۵۶ھ ہیں جو کہ اصول میں معتزلی اور فروع میں حنفی ہیں اور یہ ضعیف روایات نقل کرنے میں مشہور ہیں۔ بایں وجہ ان کی کتبِ مذکورہ غیر معتبرہ ہیں۔

۵۔ "سراج وہاج" اس کے مصنف ابوبکر بن علی الحدادی المتوفی ۸۰۰ھ ہیں۔

۶۔ "مشتمل الاحکام" اس کے مصنف فخر الدین رومی ہیں۔

۷۔ "فتاویٰ صوفیہ" اس کے مصنف فضل اللہ محمد بن ایوب ہیں۔

۹۔ "فتاویٰ طوری" یہ بھی کتب غیر معتبرہ سے ہے۔

۱۰۔ "خلاصہ کیدانی" اس کے مصنف میں اختلاف ہے۔ زیادہ مشہور یہ ہے اس کے مصنف فاضل لطف اللہ نسفی ہیں۔

یہ مذکورہ کتب غیر معتبر ہونے کی وجہ سے قابلِ فتویٰ نہیں ہیں۔ ان کا قول بالخصوص اس وقت غیر معتبر ہوگا جبکہ یہ اصول موضوعہ اور قواعد معتبرہ کی مخالفت کریں یا وہ روایت ذکر کریں جن کو کتب معتبرہ نے ذکر نہیں کیا گویا کہ ان کے تفردات و تفقہات قبول نہیں کیے جائیں گے اور ثقہ علماء کے خلاف ان کی روایات بھی غیر معتبر ہوں گی (عمدۃ الرعایہ صہ ۱۲ ، فتاویٰ جماعتیہ صہ ۵۰ ج ۱)

مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ فتویٰ دیتے وقت کتب معتبرہ اور کتب غیر معتبرہ کو مدنظر رکھے اور کتب معتبرہ سے فتویٰ دے۔ ہمارے زمانہ میں کچھ نئے نئے مفتی ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں اور اپنے علم پر فخر اور اتراتے ہوئے علماء کا ذکر توہین آمیز الفاظ سے کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ علماء جو کہ سادات کرام کے لیے زکوٰۃ ، صدقہ فطر حرام قرار دیتے ہیں ایسے "علماء حریص ، خود غرض ، مفت خور" ہیں۔ حالانکہ سادات کرام کے لیے زکوٰۃ اور صدقہ فطر کی حرمت کا فتویٰ دینے والوں میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ۱۳۴۰ھ بھی ہیں۔ آپ نے "فتاویٰ رضویہ" صہ ۳۹۱ تا صہ ۳۹۶ ج ۴ میں تحقیقاً لکھا کہ زکوٰۃ سادات کرام و سائر بنو ہاشم پر قطعی حرام ہے جس کی حرمت پر آئمہ ثلاثہ بلکہ آئمہ مذاہب اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا اجماع قائم ہے۔ تفصیل کے لیے "فتاویٰ رضویہ" اور ہماری کتاب "الصدقات" ملاحظہ کیجیے۔ ایسے مفتی صاحبان علماء کو تو کچھ اپنی نظر میں لاتے نہیں اور اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے ہر لحاظ سے تراتے ہیں۔ حالانکہ ان کی خود یہ حالت ہے کہ "ینابیع" اور "ینابیع المودہ" میں فرق نہیں کر سکے۔ کیونکہ ایک "ینابیع" وہ کتاب ہے جس کا ذکر بطور حوالہ علامہ ابن ہمام المتوفیٰ ۸۶۱ھ اور علامہ ابن نجیم المتوفیٰ ۹۷۰ھ اور علامہ علاؤ الدین المتوفیٰ ۱۰۸۸ھ اپنی اپنی کتابوں ، فتح القدیر ، بحر الرائق اور در مختار میں کر رہے ہیں ، اور یہ کتاب "ینابیع" فقہ کے موضوع پر ہے۔ اور ایک دوسری کتاب "ینابیع المودہ" ہے جو کہ تیرہویں صدی ہجری کے آخر میں لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب فضائلِ اہلِ بیت کے موضوع پر ہے۔ گویا کہ دونوں "ینابیع" میں عنوان اور موضوع کے لحاظ سے فرق ہے اور مدتِ تصنیف کے زمانہ کے لحاظ سے بھی تقریباً چھ سو سال سے زیادہ کا فرق ہے۔ اتنا فرق ہونے کے باوجود بھی یہ صاحب اپنے علم پر اتراتے ہوئے دونوں کو ایک سمجھ رہے ہیں۔ جس "ینابیع" کا ذکر ابن ہمام نے فتح القدیر میں اور ابن نجیم نے بحر الرائق میں اور علامہ علائی نے در مختار میں کیا ہے اس کی تفسیر ینابیع المودہ سے کرتے ہیں باوجودیکہ "ینابیع المودہ" تیرہویں صدی ہجری کے آخر میں لکھی گئی ہے جس کے مصنف علامہ سلیمان بن ابراہیم قندوزی ہیں جن کی

وفات سن ۱۲۹۴ھ ہے اور جس ینابیع کا ذکر صاحب فتح القدیر اور دیگر فقہاء کر رہے ہیں اس کا نام "ینابیع فی معرفۃ الاصول والتفاریع" ہے۔ یہ قدوری کی شرح ہے۔ اس کے مصنف ابو عبداللہ ابن رمضان ہیں۔ ان کا سن وفات ۷۶۹ھ ہے۔ اب ظاہر ہے کہ دونوں ینابیع ایک نہیں ہیں بلکہ ینابیع متعدد کتابیں ہیں۔ البتہ جس کا حوالہ صاحب فتح القدیر وغیرہ دے رہے ہیں وہ قدوری کی شرح ہے۔ اس کی تفسیر ینابیع المودۃ سے کرنی صراحۃً غلط ہے۔ (کشف الظنون ص ۱۶۳۲ ج ۲)

ہمیں اس بات پر ہرگز ہرگز افسوس نہیں ہے کہ یہ صاحب دونوں کتابوں میں فرق اور تمیز نہیں کر سکے، افسوس تو اس بات پر ہے کہ ایک شرعی مسئلہ کی بنا پر علماء کا تحقیر آمیز الفاظ سے ذکر کرکے اپنی برتری ثابت کرنے کی کوشش کرنا یہ کوئی اچھی صورت نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک ناقص در ناقص حرکت ہے۔ ایسی حرکات سے انسان نہ اچھا مصنف بن سکتا ہے اور نہ ہی اچھا مفتی بلکہ مفتی کے لیے جو فقہاء کرام نے شرائط و آداب لازم کر رکھے ہیں ان کا اس میں متحقق ہونا ضروری ہے کہ وہ فتویٰ دیتے وقت پہلے یہ دیکھے کہ کتابوں میں سے وہ کون سی کتاب ہے جس پر فتویٰ دیا جاتا ہے اور کون سی وہ ہیں جس پر فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔ یہ عرف کہتے جانا کہ فتویٰ قرآن وحدیث سے دینا چاہیئے یہ کہ ایک ناقص اور عوامی خیال ہے کیونکہ فتویٰ کتب فقہ اور فتاویٰ سے صریح جزئیہ تلاش کرکے دینا ہوتا ہے۔ اسی لیے حضرت قبلہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتویٰ میں ذکر کیا کہ ایسے نکاح کے عدم جواز پر تو فقہ کے متن بھرے پڑے ہیں یہ نہیں فرمایا

کہ ایسے نکاح کے عدم جواز پر قرآن وحدیث دلالت کر رہے ہیں یا اس کا ثبوت قرآن وحدیث میں ہے بلکہ پہلے قرآن وحدیث کا ذکر کرکے اس کی طرف اشارہ کیا کہ اہل بیتِ رسول کی محبت فرائض دینیہ سے ہے۔ اور جس کی محبت فرائض دینیہ سے ہو اس کی توہین عند العرف وعند الشرع ممنوع ہے اور یہاں غیر کفو میں نکاح ہونے سے توہین و تذلیل و تضحیک کا ارتکاب ہے۔ لہٰذا سیدہ کا نکاح غیر کفو میں عجمی مرد کے ساتھ منعقد نہیں ہوگا کیونکہ ایسے نکاح کے عدم انعقاد پر فقہ کے متن بھرے پڑے ہیں۔

بحث عاشر: دسویں بحث میں ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، خاتونِ جنت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا، امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کے چند حسبی (ذاتی) اور نسبی فضائل کا ذکر کرتے ہیں جن فضائل کا بنیادی طور پر ہمارے موضوع سے تعلق و ربط ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

امام عبدالرزاق المتوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ المتوفی ۷۸ھ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جابر نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ مجھے خبر دیں کہ وہ پہلی کون سی چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے پیدا فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اے جابر! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا پھر یہ نور اللہ تعالیٰ کی مشیت کے موافق جہاں اس نے چاہا سیر کرتا رہا۔ اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم تھا۔ نہ جنت تھی نہ دوزخ تھی، نہ فرشتہ تھا نہ آسمان، نہ زمین نہ سورج نہ چاند، نہ جن نہ انسان۔ جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ مخلوقات کو پیدا کرے تو اس نور کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا۔ پہلے حصے سے قلم بنایا، دوسرے سے لوح، تیسرے سے عرش۔ پھر چوتھے حصے کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا تو پہلے حصے سے عرش اٹھانے والے فرشتے بنائے اور دوسرے حصے سے کرسی اور تیسرے حصے سے باقی فرشتے۔ پھر چوتھے حصے کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ پہلے حصے سے آسمان بنائے، دوسرے حصے سے زمین، تیسرے حصے سے جنت اور دوزخ۔ پھر چوتھے حصے کو چار حصوں میں تقسیم کیا تو پہلے سے مومنین کی آنکھوں کا نور بنایا اور دوسرے سے ان کے دلوں کا نور پیدا کیا جو معرفت الٰہی ہے، اور تیسرے سے ان کا نور انس پیدا کیا اور وہ توحید ہے (جس کا خلاصہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے) (مواہب لدنیہ ص۹ ج۱، زرقانی شرح مواہب ص۴۶ ج۱)

اس حدیث "نور نبیك من نورہ" "تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا"، میں "من نورہ" میں اضافت بیانیہ ہے اور نور سے مراد ذات ہے۔ حدیث کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور پاک یعنی ذات مقدسہ کو اپنے نور یعنی اپنی ذات مقدسہ سے پیدا فرمایا۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کا مادہ ہے بلکہ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی ذاتی تجلی فرمائی جو حسن الوہیت کا ظہور اول تھی بغیر اس کے کہ ذات خداوندی نور محمدی کا مادہ یا حصہ اور جزء قرار پائے گویا کہ یہ کیفیت متشابہات میں سے ہے جس کا سمجھنا ہمارے لیے ایسا ہی ہے جیسا قرآن و حدیث کے دیگر متشابہات کا سمجھنا۔ البتہ سر لطیف کے لحاظ سے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح شیشہ آفتاب کے نور سے روشن ہو جاتا ہے لیکن آفتاب کی ذات یا اس کی نورانیت اور روشنی میں کوئی کمی نہیں واقع ہوتی اور یہ کہنا بھی صحیح ہوتا ہے کہ شیشے کا نور آفتاب کے نور سے ہوتا ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کا نور اللہ تعالیٰ کی ذات سے پیدا ہوا اور آئینہ محمدی نور ذات احدی سے اس طرح منور ہے کہ نور محمدی کو نور خداوندی سے قرار دینا صحیح ہوا لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ذات پاک یا اس کی کسی صفت میں کوئی نقصان اور کمی واقع نہیں ہوئی۔ شیشہ، سورج سے روشن ہوا اور اس ایک شیشے سے تمام شیشے منور ہوگئے۔ نہ پہلے شیشے نے آفتاب کے نور سے کچھ کمی اور نہ دوسرے شیشوں نے پہلے شیشے کے نور سے کچھ کم کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ فیضان وجود اللہ تعالیٰ کی ذات سے حضور کو پہنچا اور حضور کی ذات سے تمام ممکنات کو وجود کا فیض حاصل ہوا۔

حدیث جابر میں جو بار بار نور کی تقسیم کا ذکر آیا ہے اس کے یہ معنے نہیں کہ معاذاللہ نور محمدی تقسیم ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ نے جب نور محمدی کو پیدا فرمایا تو اس میں وہ شعاع در شعاع بڑھتا گیا اور وہی مزید شعاعیں تقسیم ہوتی رہیں۔ اس کی طرف علامہ زرقانی نے بھی اشارہ فرمایا (زرقانی شرح مواہب ص۴۶)

سوال :۔ نور محمدی سے مراد روح محمدی ہے، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ہونا ثابت نہ ہوا۔

جواب :۔ حدیث شریف میں "نور نبیك من نورہ" آیا ہے، جس طرح نورہ میں اضافت بیانیہ ہے اور لفظ "نور" سے اللہ تعالیٰ مراد ہے اسی طرح "نور نبیك" میں اضافت بیانیہ ہے اور لفظ "نور" سے ذات پاک حضور مراد ہے۔ لہٰذا ذات محمدی کو لفظ نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سوال :۔ صرف روح پاک نور ہے جسم اقدس نور نہیں ہے۔

جواب :۔ حدیث جابر میں تمام اشیاء سے جس نور محمدی کی خلقت (پیدائش) کا بیان ہے وہ حضور کی ذات پاک کا نور ہے۔ اور وہ اس لطیف حقیقت کو بھی شامل ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورانی اور پاکیزہ اجزاء جسمیہ کا جوہر لطیف کہا جاسکتا ہے اس لیے کہ وہ نور پاک آدم علیہ السلام کی پشت مبارک میں بطور امانت رکھا گیا۔ علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی پشت میں رکھ دیا۔ وہ نور ایسا شدید چمکنے والا تھا کہ باوجود پشتِ آدم میں ہونے کے پیشانی آدم علیہ السلام سے چمکتا تھا اور آدم علیہ السلام کے باقی انوار پر وہ غالب ہو جاتا تھا۔ یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ پشت آدم علیہ السلام میں ان کی تمام اولاد کے وہ لطیف اجزاء جسمیہ تھے جو انسانی پیدائش کے بعد اس کی ریڑھ کی ہڈی کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور وہی اس کے اجزاء اصلیہ کہلاتے ہیں نہ صرف آدم علیہ السلام بلکہ ہر باپ کے صلب (پشت) میں اس کی اولاد کے ایسے ہی لطیف اجزاء بدنیہ موجود ہوتے ہیں جو اس سے منتقل ہوکر اس کی نسل کہلاتی ہے۔ اولاد کے ان ہی اجزاء اصلیہ وجسمیہ کا آباء کے اصلاب میں پایا جانا باپ بیٹے کے درمیان ولدیت

اور ابنیت کے رشتہ کا سنگ بنیاد اور سبب اصلی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت میں قیامت تک پیدا ہونے والی اولاد کے اجزاء اصلیہ رکھ دیئے یہ اجزاء روح کے نہیں اور نہ ہی روح کے کل کے ہیں، کیونکہ ایک بدن میں ایک ہی روح سما سکتی ہے۔ ایک سے زیادہ ایک بدن میں روح کا پایا جانا بداہتہً باطل ہے۔ لہٰذا آدم علیہ السلام کی پشت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک نہیں رکھی گئی بلکہ جسم اقدس کے جوہر لطیف کی نورانی شعاعیں رکھی گئی تھیں جو نور ذات محمدی کی شعاعیں تھیں، بنی آدم کے ارواح ان کے باپوں کے پشتوں میں نہیں رکھے گئے بلکہ ارواح تو ماؤں کے پیٹوں میں استقرار حمل کے بعد رکھے جاتے ہیں ملاحظہ کیجیے :

علامہ داؤد انطا کی اپنی مشہور تصنیف "التذکرہ" میں حمل کے تغیرات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اطبا کے نزدیک نطفہ میں سات قسم کے تغیرات ہوتے ہیں۔ پہلے ہفتہ میں وہ پانی کی شکل پر ہوتا ہے پھر اس کے باہر ایک جھلی بنتی ہے اور اندر نطفہ منجمد ہو جاتا ہے اور سولہ دن میں اس پر لمبے لمبے خطوط کی شکل نمودار ہوتی ہے۔ اس کے بعد وہ سرخ رنگ کا خون بن جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کی شکل گوشت کے لوتھڑے کی ہو جاتی ہے اور سب سے پہلے اس میں قلب کی شکل نمودار ہوتی ہے، پھر دماغ کی۔ بتیس دن میں اس میں ہڈیوں کے نشانات قائم ہوتے ہیں اور حمل کے بچہ بننے کی یہ کم سے کم مدت ہے۔ پچھتر دن کے بعد وہ اپنی غذا جذب کرنے لگتا ہے اور اس پر گوشت آنا شروع ہو جاتا ہے اب وہ پہلے سے بالکل علیحدہ ایک جدید مخلوق کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور اس میں حرارت عزیزیہ پیدا ہو جاتی ہے اور اب اس میں طبعی نمو شروع ہو جاتا ہے (اسی کا نام روح طبعی ہے) اور سو دن کے بعد نباتات کی طرح نمو ہونے لگتا ہے اور اب اس میں حقیقی روح پھونکی جاتی ہے۔ اس بیان سے جو اختلاف نفخ کے بارے میں فلاسفہ اور اہل شرع کے مابین تھا وہ ختم ہو جاتا ہے کیونکہ فلاسفہ کے نزدیک نفخ روح کی مدت ستر دن ہے اور اہل شرع کے نزدیک چار ماہ (۱۲۰ دن) ہے۔ ظاہر ہے کہ فلاسفہ روح شرعی کو نہیں پہچانتے۔ ان کے نزدیک روح طبعی ہی ایک روح ہے۔ اسی کے ذریعہ سے انسان کا نشوونما ہوتا ہے۔ اہل شرع کے نزدیک انسان کی حقیقت اس کا جسم نہیں بلکہ دراصل وہ روح انسانی ہے جس میں اپنے خالق کی معرفت مرکوز ہوتی ہے وہ روح چار ماہ کے بعد (ماں کے بطن میں) پھونکی جاتی ہے، اور جو روح طبعی ہے وہ مذکورہ بالا تحقیق کے مطابق اہل اسلام کے نزدیک بھی پچھتر دن میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے دونوں طبقوں کے درمیان روح طبعی کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔ (ترجمان السنۃ ص۴۶ ج ۳) اس سے ظاہر ہے کہ روح باپ کی پشت میں نہیں رکھی گئی بلکہ ماں کے پیٹ میں۔ بچہ بننے کے چار ماہ بعد پھونکی جاتی ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ استقرار حمل سے چار مہینے بعد اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو چار باتیں لکھنے کے لیے بھیجتا ہے، اور وہ چار باتیں

لکھ دیتا ہے، عمل، رزق، عمر اور دوزخی یا جنتی ہونا۔ پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے (مشکوٰۃ ص ۲۰) اس سے بھی معلوم ہوا کہ اولاد کی روحیں باپ کی پشت میں نہیں رکھی جاتیں بلکہ شکم مادر میں پھونکی جاتی ہیں۔

اس سے واضح ہوا کہ ارواح بنی آدم حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں نہیں رکھے گئے اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں رکھی گئی ہے بلکہ آدم علیہ السلام کی پشت میں اجزاء اصلیہ رکھے گئے ہیں اور حدیث جابر میں جس نور محمدی کا ذکر ہے وہ اس لطیف حقیقت کو بھی شامل ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورانی اور پاکیزہ اجزاء جسمیہ کا جوہر لطیف کہا جاسکتا ہے، یہی نور پاک حضرت آدم علیہ السلام کی پشت مبارک میں رکھا گیا، جب جسم اقدس کے اصلیہ اجزاء نور ہوئے تو جسم اقدس بھی نور ہوا۔

سوال:- عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت مبارک سے ان کی قیامت تک پیدا ہونے والی تمام اولاد کو باہر نکال کر ان سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا تھا، معلوم ہوا کہ تمام بنی آدم کی ارواح آدم علیہ السلام کی پشت مبارک میں تھیں۔

جواب:- پشتِ آدم علیہ السلام سے ان کی اولاد کی ارواح نہیں نکالی گئی تھیں بلکہ وہ ان کے اشخاص مثالیہ تھے جو مثالی صورتوں میں ان کی پشت مبارک سے بقدرت ایزدی ظاہر کیے گئے تھے، کیونکہ ہم ابھی حدیث بحوالہ مشکوٰۃ سے ثابت کر چکے ہیں کہ ماں کے پیٹ میں نفخ روح کیا جاتا ہے۔ اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ نور محمدی اپنی عزت وکرامت کے مقام میں جلوہ گر رہا اور پشت آدم علیہ السلام میں اجزاء جسمانیہ کے جوہر لطیف کے انوار رکھے گئے تھے جو اصلاب طاہر اور ارحام طیبہ میں منتقل ہوتے رہے۔

سوال:- بعض روایات میں ہے کہ نور محمدی آدم علیہ السلام کی پشت میں تھا اور بعض میں ہے کہ نور محمدی آدم علیہ السلام کی پیشانی میں جلوہ گر تھا، دونوں روایتوں میں جو اختلاف ہے اس کا مطلب کیا ہے۔

جواب:- دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ جب نور مبارک پشت آدم علیہ السلام میں تھا تو اپنے کمال نورانیت اور شدت چمک کی وجہ سے پیشانی آدم میں بھی چمکتا تھا۔ اس سے واضح ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بدن مبارک بھی نور تھا۔ حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم علیہ السلام سے ابراہیم علیہ السلام کو پسند کیا اور ان کو اپنا خلیل بنایا اور پھر اولادِ ابراہیم سے حضرت اسماعیل کو اور اولادِ اسمٰعیل سے نزار کو اور اولاد نزار سے مضر کو اور مضر سے کنانہ کو اور کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے بنی عبدالمطلب کو پھر بنی عبدالمطلب سے مجھ کو برگزیدہ کیا۔

امام ترمذی نے جو حضرت عباس سے روایت کی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سب سے اچھے خاندان میں پیدا کیا یعنی بنی ہاشم میں بس میں ذاتی طور پر بھی سب سے اچھا ہوں اور خاندان میں بھی سب سے اچھا ہوں۔ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں۔ آدم علیہ السلام سے لے کر میرے والدین تک تمام ہی اس بے احتیاطی سے محفوظ رہے جو زمانہ جاہلیت میں ہوا کرتی تھی۔ میرے آباؤ امہات سب اس سے منزہ اور پاک ہے۔ پس میرے نسب میں کوئی میل نہیں ہے (نشر الطیب ص۱۸ و ص۱۹)

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم

آپ کا اسم گرامی "علی" کنیت "ابوالحسن، ابو تراب، اور لقب اسد اللہ ہے۔ والد کا نام عمران (ابوطالب) ہے، والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد ہے۔ حضرت علی کی پیدائش بائیس ۲۲ رجب اتوار کی شب کو کعبہ میں ظہور نبوت سے دس سال قبل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کا نام علی تجویز فرمایا (مناقب علی بن ابی طالب ص۸، معرفۃ الصحابہ ص۲۷۹، نورالابصار ص۶۹، مستدرک ص۴۷۳ ج ۳، کنوز الحقائق ص۱۸۸، اسد الغابہ ص۳۱ ج ۴)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا الا وان علی بن ابی طالب من نسبی من احبہ فقد احبنی ومن ابغضہ فقد ابغضنی (مناقب علی بن ابی طالب ص۱۰۹، ذیل اللئالی ص۶۲) حضرت علی بن ابی طالب (علیہ السلام) میرے نسب سے ہیں۔ جس نے علی کو محبوب رکھا اس نے مجھے محبوب رکھا اور جس نے علی سے بغض رکھا پس تحقیق اس نے مجھ سے بغض رکھا۔

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان اللہ جعل ذریۃ کل نبی من صلبہ وان اللہ عزوجل وعلا جعل ذریۃ محمد عن صلب علی بن ابی طالب (مناقب علی بن ابی طالب ص۴۹، ینابیع المودہ ص۲۶۶، مجمع الزوائد ص۲۷۲ ج ۹، صواعق محرقہ ص۷۴، جامع صغیر للسیوطی ص۲۳ ج ۱، تاریخ للخطیب ص۳۱۶ ج ۱، ذخائر عقبیٰ ص۶۷، ریاض النضرۃ ص۱۶۷ ج ۲، میزان الاعتدال ص۱۱۶ ج ۲، لسان المیزان ص۴۲۹ ج ۳، زرقانی شرح مواہب لدنیہ ص۶ ج ۲)

یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی ذریت اس کی صلب میں رکھی ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریت

علی کی صلب میں رکھی ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے ہی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا حضور نے ارشاد فرمایا مکتوب علی باب الجنۃ قبل ان یخلق اللہ السمٰوٰت والارض بالفی عام محمد رسول و علی اخوہ' (مناقب علی بن ابی طالب ص۹۱، حلیۃ الاولیاء ص۲۵۶ ج ۷، تاریخ بغداد ص۳۸۷ ج ۷، میزان الاعتدال ص۲۵۷ ج ۱، ذخائر العقبیٰ ص۶۶، مجمع الزوائد ص۱۱۱ ج ۹، تذکرہ خواص الامۃ ص۲۹، کنز العمال ص۳۶ ج ۵) اللہ تعالیٰ کے آسمان اور زمین پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے جنت کے دروازے پر لکھا ہوا تھا کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور علی ان کے بھائی ہیں۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، انت اخی فی الدنیا والاخرۃ (سنن ترمذی ص۲۹۹ ج، مستدرک ص۱۳ ج ۳، سنن ابن ماجہ ص۱۲، تاریخ ابن جریر طبری ص۵۶ ج ۲، خصائص للنسائی ص۱۸، کنز العمال ص۳۹۴ ج ۶، ریاض النضرہ ص۱۵۵ ج ۲، مجمع الزوائد ص۱۳۴ ج ۹، طبقات ابن سعد ص۱۴۰ ج ۸، مسند احمد بن حنبل ص۱۵۹ ج ۱، ذخائر عقبیٰ ص۹۲، اسد الغابہ ص۳۱۷ ج ۳، استیعاب ص۴۶۰ ج ۲، حلیۃ الاولیاء ص۲۵۶ ج ۷، فیض القدیر للمناوی ص۳۵۵ ج ۴، صواعق محرقہ ص۷۴، کنوز الحقائق ص۲۷، کفایۃ الطالب ص۳۴، اصابہ ابن حجر ص۱۸۳ ج ۸) عمر

عمران بن حصین، حضرت بریدہ، حضرت براء بن عازب، اسامہ ابن زید اور حبشی بن جنادہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان علیا منی وانا منہ وھو ولی کل مومن بعدی (مسند احمد بن حنبل ص۲۰۴ ج ۵، خصائص للنسائی ص۳۶، مسند طیالسی ص۱۱۱، البدایہ والنہایہ ص۲۴۴ ج ۷، سنن ترمذی ص۱۶۴، مستدرک ص۱۱۰ ج ۳، تاریخ اسلام للذہبی ص۱۹۵ ج ۲، عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ص۲۱۴، سنن بیہقی ص۳۴۲ ج ۶، مناقب للخطیب الخوارزمی ص۷۴، ابن ماجہ ص۵ ج ۱، تذکرۃ الحفاظ ص۴۵۴، کنز العمال ص۳ ج ۵ جامع صغیر للسیوطی ص۵۵۹ ج ۵، تاریخ الخلفاء ص۱۶۹، بخاری کتاب المغازی ص۱۷۹ ج ۵، ابو داؤد ص۳۵، مشکوٰۃ المصابیح ص۲۹۴، مرقاۃ المفاتیح ص۵۶۹ ج ۵، درمنثور ص۲۰۹ ج ۳، تفسیر طبری ص۳۶ ج ۱۰، تاریخ طبری ص۵۱۴ ج ۲، ریاض النضرہ ص۱۷۲ ج ۲، مجمع الزوائد ص۱۱۴ ج ۶، کفایۃ الطالب ص۲۷۴، ذخائر العقبیٰ ص۶۸، زرقانی شرح مواہب ص۷ ج ۳، مشکل الآثار ص۱۷۳ ج ۴، تاریخ بغداد ص۱۴۰ ج ۴، حلیۃ الاولیاء ص۲۹۴ ج ۶) کہ بے شک علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں۔

علامہ طیبی[1] لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں متحد ہیں جیسے کہ ایک ذات ہوتی ہے لیکن حضرت علی نبی نہیں ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں یعنی نبوت کے علاوہ دونوں کا اتحاد اور اتصال ہے جس کے حضور دوست ہیں اس کے حضرت علی بھی دوست ہیں، جو حضور کا دشمن ہے وہ علی کا دشمن ہے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و احترام فرض ہے، اسی طرح حضرت علی کا احترام لازم ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ تبوک کے لیے تشریف لے جانے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا کہ تم گھر کی حفاظت کے لیے مدینہ منورہ میں ہی رہو، تو حضرت علی نے عرض کیا کہ کیا حضور مجھے بچوں اور عورتوں کی حفاظت کے لیے چھوڑے جا رہے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اے علی! تم اس بات پر راضی نہیں ہو انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی، کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہارون علیہ السلام بمنزلہ تھے اسی طرح تم بھی میرے بمنزلہ ہارون کے ہو سوائے اس کے میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ (صحیح مسلم ص۱۱۹، صحیح بخاری کتاب بدء الخلق، میزان الاعتدال ص۲۹۳ ج ۱، لسان المیزان ص۳۲۴ ج ۲، خصائص للنسائی ص۱۵، مناقب للخطیب الخوارزمی ص۶۹، اسد الغابہ ص۲۶ ج ۴، ذخائر العقبیٰ ص۶۷، ریاض النضرہ ص۱۹۵ ج ۲، تاریخ بغداد ص۳۲ ج ۱، سنن ترمذی ص۹۵ ج ۲، مسند احمد بن حنبل ص۱۷۱ ج ۱، کنز العمال ص۱۵۴ ج ۶، ابن ماجہ ص۱۲، ابو داؤد طیالسی ص۲۸ ج ۱، حلیۃ الاولیاء ص۱۹۴ ج ۷، مشکل الآثار ص۳۰۹، تاریخ بغداد ص۴۳۲ ج ۱۱، فتح الباری ص۶۷ ج ۸، مستدرک ص۳۳۷ ج ۲، طبقات ابن سعد ص۱۵ ج ۲، استیعاب ص۴۵۹ ج ۲، مجمع الزوائد ص۱۱۱ ج ۹، تاریخ ابن جریر ص۳۶۸ ج ۲)

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا معشر المسلمین ھذا اخی وابن عمی وختنی ھذا لحمی و دمی، (ذخائر العقبیٰ ص۹۲، مجمع الزوائد ص۱۱۱ ج ۹، کنوز الحقائق ص۱۹۱، کنز العمال ص۱۵۴ ج ۶، تاریخ بغداد ص۲۰۴ ج ۲) اے مسلمانوں کی جماعت یہ (علی) میرا بھائی ہے اور میرے چچا کا بیٹا ہے اور میرا داماد ہے، یہ میرا گوشت ہے اور میرا خون ہے۔

ان مذکورہ بالا احادیث اور روایات کا مفہوم یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کے متعلق فرمایا کہ یہ میرے نسب سے ہے اس کی محبت میری محبت ہے اس کے ساتھ بغض میرے ساتھ بغض ہے۔

---

[1] شرف الدین حسن طیبی المتوفیٰ ۷۴۳ھ، ۱۲ (مفتی غلام رسول)

جنت کے دروازے پر جیسے کہ میرا نام لکھا ہوا ہے اسی طرح اس کا نام لکھا ہوا ہے۔ اس کی اولاد میری اولاد ہے، علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں، یہ ہر مومن کا دوست ہے اور یہ مجھ سے بمنزلہ ہارون کے ہے، یہ میرا بھائی ہے اور یہ میرے چچا کا بیٹا ہے یہ میرا گوشت ہے اور یہ میرا خون ہے، اس کا نسب میرا نسب ہے۔ جیسے کہ میرا نسب طیب وطاہر ہے اسی طرح اس کا نسب بھی طیب وطاہر ہے۔

سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا خاتونِ جنت علیہا السلام

آپ کا نام فاطمہ، لقب زہرا ہے۔ آپ کی ولادت نبوت کے پہلے سال میں ہوئی۔ سیدہ خدیجہؓ الکبریٰ کے بطن اطہر سے ہیں۔ اسی وقت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک اکتالیس تھی، آپ کا نام فاطمہ اس وجہ سے رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اور ان کے عقیدت مندوں کو آتش دوزخ سے محفوظ رکھا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنی بیٹی کا نام فاطمہ اس لیے رکھا ہے، لان اللہ تعالیٰ فطمها ومحبیها عن النار (ذخائر عقبی ص۲۶، تاریخ بغداد ص۳۳۱ ج ۱۲، صواعق محرقہ ص۱۵۱) کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اور اس کے عقیدت مندوں کو دوزخ سے علیحدہ کر رکھا ہے۔ اور آپ کا لقب "زہراء" رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ زہرا پھول کی خوبصورت کلی کو کہتے ہیں۔ چنانچہ فاطمہ سب سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت وصورت اور حسن وجمال سے مشابہ تھیں اس لیے آپ کو زہراء کہا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، حسن واخلاق اور گفتگو میں رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سیدہ فاطمہ بنت رسول کے زیادہ مشابہ ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فاطمة بضعة منی (کتاب النوادر ص۱۴۰، حلیۃ الاولیاء ص۴۰ ج ۲، مقتل الحسین للخوارزمی ص۶۳، مناقب الاخیار لابن اثیر ص۵۶، الکبائر للذہبی ص۱۷، مجمع الزوائد ص۲۰۲ ج ۹) کہ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یافاطمة ان اللہ لیغضب لغضبك ویرضی لرضاك (مستدرک حاکم ص۱۵۴ ج ۳، میزان الاعتدال ص۲۳۵ ج ۱، اسد الغابہ ص۵۲۲ ج ۵، ذخائر العقبیٰ ص۳۹، اصابہ ص۳۷۸ ج ۴، تہذیب التہذیب ص۴۴۱ ج ۱۲، کفایۃ الطالب

لہ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ص۲۲۹ ج ۱۶، ۱۲ (مفتی غلام رسول ۱۲)

صلا ۲۶۴ ، مجمع الزوائد صلا ۲۰۳ ج ۹) اے فاطمہ "تیری ناراضگی میں یقیناً اللہ کی ناراضگی ہے اور تیری خوشی میں اللہ تعالیٰ کی خوشی ہے۔ یعنی جب سیدہ فاطمہ صلوات اللہ علیہا ناراض ہوتی ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی ناراض ہوجاتا ہے اور جب راضی ہوتی ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی راضی ہوجاتا ہے۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا "اے سلمان! جس کسی سے میری بیٹی فاطمہ ناراض ہے اس سے میں ناراض ہوں اور جس سے میں ناراض ہوں اس سے اللہ تعالیٰ بھی ناراض ہے۔ اور جو شخص اس پر اور علی پر اور ان کی اولاد پر ظلم کرے اس کے لیے ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔

حضرت ابو ایوب انصاری اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان یوم القیامۃ نادی مناد من تحت الحجب یا اھل الجمع غضوا ابصارکم ونکسوا رؤسکم فھذہ فاطمۃ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ترید ان تمر علی الصراط (مستدرک صلا ۱۵۳ ج ۳ ، میزان الاعتدال صلا ۲۸۲ ج ۲ ، لسان المیزان صلا ۲۳۷ ج ۳ ، اسد الغابہ صلا ۵۲۳ ج ۵ ، کفایۃ الطالب صلا ۳۶۴) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا پردہ میں سے کہ اے محشر والو! اپنی نظریں نیچے کر لو اور اپنے سروں کو جھکا لو کیونکہ یہ فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) پل صراط سے گذرنے کا ارادہ فرما رہی ہیں۔ چنانچہ دوسری روایت میں ہے کہ سیدہ فاطمہ ستر ہزار حوروں کے ساتھ پل صراط سے برق (بجلی) کی طرح گذر جائیں گی۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس جا کر تمہاری بخشش کی دعا کراؤں۔ والدہ نے مجھے اجازت دی میں نے مغرب کی نماز حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ ادا کی اس کے بعد عشاء کی نماز بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی ادا کی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نماز عشاء کے بعد فارغ ہو کر تشریف لے چلے تو میں آپ کے پیچھے چل پڑا۔ آپ نے میرے قدموں کی آواز سُن کر فرمایا کیا تو حذیفہ ہے، میں نے عرض کیا ہاں، فرمایا تمہیں کیا کام ہے۔ میں نے عرض کیا حضور آپ میری ماں کے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں، حضور نے فرمایا، غفر اللہ لک و لامک، کہ اللہ تعالیٰ تجھے اور تیری ماں کو بخشے۔ پھر حضور نے فرمایا حذیفہ تجھے معلوم ہے یہ میرے ساتھ باتیں کرنے والا کون تھا، میں نے عرض کیا نہیں، فرمایا یہ ایک فرشتہ ہے جو اس رات سے

پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا، اس فرشتہ نے اللہ تعالیٰ سے اجازت چاہی کہ مجھے سلام کرے اور مجھے بشارت دے رہا ہے بان فاطمۃ سیدۃ نساء اھل الجنۃ وان الحسن والحسین سیدا شباب اھل الجنۃ، کہ بے شک سیدہ فاطمہ علیہا السلام جنت کی عورتوں کی سردار ہیں اور بے شک حسن اور حسین علیہما السلام جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ فاطمہ سے فرمایا تھا۔ الا ترضین ان تکونی سیدۃ نساء اھل الجنۃ او نساء العالمین کیا تو "میری بیٹی" اس بات پر راضی نہیں ہے کہ تو جنت کی عورتوں کی سردار ہے یا تمام جہاں کی عورتوں کی سردار ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے خیر نساء امتی فاطمۃ بنت محمد، میری امت کی تمام عورتوں میں بہتر میری بیٹی ہے۔

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ بوجہ جگر گوشہ رسول ہونے کے تمام عورتوں سے افضل و برتر ہیں۔

تاج الدین سبکی، علامہ سید آلوسی، شاہ عبدالحق محدث دہلوی بھی فرماتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ تمام عورتوں سے افضل و برتر ہیں۔

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کی افضلیت سے یہ بھی ہے کہ جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نسب حضرت مریم علیہا السلام کی جانب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ملتا ہے۔ اسی طرح حسنین کریمین اور ان کی اولاد کا نسب حضرت سیدہ فاطمہ کی جانب سے حضور صلی اللہ علیہ السلام کے ساتھ ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء کے لیے بالخصوص یہ ارشاد فرمایا کہ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔

امام حسن علیہ السلام

اسم گرامی حسن، کنیت ابو محمد، لقب سید ہے، آپ کے والد حضرت علی المرتضیٰ اور والدہ سیدہ فاطمۃ الزہرا ہیں۔ ۳ھ ۱۵ رمضان کی شب کو مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسن تجویز فرمایا۔ امام حسن علیہ السلام کی ولادت پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدہ فاطمہ کے گھر تشریف لائے، اسماء بنت عمیس نے حضرت حسن کو اٹھا کر حضور کی خدمت میں حاضر کیا تو حضور نے امام حسن کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر فرمائی اور آپ کی ولادت طیبہ کے ساتویں دن عقیقہ کیا اور آپ کے سر مبارک کے بال منڈوائے اور حکم دیا کہ ان بالوں کے مطابق

ہم وزن چاندی خیرات کی جائے اور پھر حضور نے اپنا لعاب دہن حضرت حسن کے منہ میں ڈالا اور یہ دعا بھی فرمائی۔
اللّٰھم انی اعیذہ بك و ذریتہ من الشیطٰن الرجیم "اے اللہ میں اس کو اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں اس شیطان کے شر سے جو تیری بارگاہ سے راندہ ہوا ہے"۔ اور حضرت امام حسن علیہ السلام شکل و صورت کے لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ تھے اسی لیے آپ کے القاب سے ایک لقب شبیہ الرسول بھی ہے۔ (ادب المفرد للبخاری ص۱۲۰، مستدرک ص۱۶۵ ج ۳، مسند احمد بن حنبل ص۹۸ ج ۱، سنن بیہقی ص۱۶۵ ج ۶، اسد الغابہ ص۳۰۸ ج ۴، استیعاب ص۱۳۹ ج ۱، کنز العمال ص۲۲۱ ج ۶، صواعق محرقہ ص۱۱۵، ذخائر العقبیٰ ص۱۲۰، مسند ابو داؤد طیالسی ص۱۹ ج ۱، مجمع الزوائد ص۱۷۴ ج ۹، سنن ترمذی ص۲۸۶ ج ۱، سنن نسائی ص۱۸۸ ج ۲، سنن ابو داؤد ص۰، تاریخ بغداد ص۱۵۱ ج ۱۰، مشکل الآثار ص۴۵۶ ج ۱)

امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ عقبہ بن حارث سے روایت کی ہے کہ ایک بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز عصر پڑھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ باہر نکلے تو ابوبکر نے دیکھا کہ "حسن" بچوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں تو ابوبکر نے حسن کو اپنے کندھے پر اٹھالیا اور فرمایا میرا باپ قربان ہو اس پر شبیہ بالنبی لا شبیہ بالعلی و علی علیہ السلام یضحك۔ کہ یہ حسن حضور کے مشابہ ہیں یہ علی کے مشابہ نہیں اور حضرت علی مسکرا رہے تھے (صحیح بخاری کتاب بدء الخلق، مستدرک ص۱۶۸ ج ۳، صحیح ترمذی ص۳۰۷ ج ۲، مسند احمد بن حنبل ص۸ ج ۱، ابو داؤد طیالسی ص۱۹ ج ۱، استیعاب ص۱۳۹ ج ۱، اصابہ ابن حجر ص۱۵ ج ۲، کنز العمال ص۱۰۶ ج ۷، فتح الباری ص۹ ج ۸، مجمع الزوائد ص۱۸۵ ج ۹)

امام حسین علیہ السلام نہایت سخی اور فیاض تھے۔ ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں ایک اعرابی آیا اس نے سوال کیا آپ نے اسی وقت فرمایا گھر میں جتنی رقم ہے اسے دی جائے۔ چنانچہ وہ دس ہزار درہم تھے جو کہ تمام ہی سائل کو دے دیئے گئے۔ سائل (اعرابی) نے عرض کیا یا سیدی آپ نے اتنا موقع بھی نہ دیا کہ کچھ عرض کر سکوں۔ آپ نے فرمایا ہم اہلِ بیت سوال کرنے سے پہلے ہی عطا کرنے کے عادی ہیں تاکہ سائل کی پیشانی شرم سے عرق آلود نہ ہو۔ (طبقات ابن سعد ص۲۳ ج ۱)

غور کیجئے امام حسن علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ ہم سوال کرنے سے پہلے ہی عطا کرنے کے عادی ہیں حقیقت یہ ہے کہ اہلِ بیت کرام کی کائنات میں کوئی مثال ہی پیش نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نحن اھل بیت لا یقاس بنا احد (ذخائر العقبیٰ ص۱۷

کہ ہم اہل بیت کے ساتھ کوئی ایک قیاس نہیں کیا جا سکتا، یعنی کوئی اپنے کو ہم پر قیاس نہ کرے اور نہ ہی ہم کو اپنی طرح تصور کرے۔ اسی بنا پر اہل بیت کے وہ خصائص ہیں جو دوسرے لوگوں میں نہیں ہیں۔ چونکہ اہل بیت کے خصائص اور احکام علیحدہ ہیں اسی وجہ سے حضور نے حسنین کریمین کو اپنی اولاد فرمایا اور حسنین کریمین کا نسب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہی منسوب ہے۔

امام حسین علیہ السلام

آپ کا نام حسین، کنیت ابو عبداللہ اور لقب سبط الرسول ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء اور والد حضرت علی المرتضیٰ ہیں۔ حضرت ام فضل بنت حارث سے روایت ہے کہ میں نے ایک خواب پریشان دیکھا تو اس حالت پریشانی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے بہت سخت عجیب خواب دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ کیا ہے جو تم نے دیکھا۔ عرض کیا وہ بہت ہی خطرناک خواب ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی بات نہیں تم بیان کرو، عرض کیا۔ کان قطعۃ من جسدك قطعت ووضعت فی حجری فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأیت خیرا تلد فاطمۃ ان شاء اللہ تعالیٰ غلاماً فیکون فی حجرك، میں نے دیکھا ہے کہ آپ کے جسم مبارک کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھ دیا گیا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے ام فضل یہ گھبرانے کی بات نہیں ہے یہ تو بڑا اچھا خواب ہے (اس کی تعبیر یہ ہے) کہ انشاء اللہ تعالیٰ میری بیٹی فاطمہ کو اللہ تعالیٰ بیٹا دے گا جسے تم اپنی گود میں لوگی۔ حضرت ام الفضل جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چچی تھیں اپنا خواب سنا کر اور تعبیر سن کر تشریف لے گئیں تھیں، وقت گذرتا گیا یہاں تک کہ سن چار ہجری کے ماہ شعبان کی پانچ تاریخ کو حضرت سیدہ فاطمہ کے ہاں مدینہ طیبہ میں امام حسین علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اور حدیث پاک میں ہے فولدت فاطمۃ الحسین فکان فی حجری کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ حضرت فاطمہ کے ہاں حسین (علیہ السلام) پیدا ہوئے اور میری گود میں آئے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ (مستدرک ص۱۷۶ ج ۳، مسند احمد بن حنبل ص۳۹۹ ج ۶، اسد الغابہ ص۱۸ ج ۲، اصابہ ابن حجر ص۲۲ ج ۵، سنن ابن ماجہ ص۲۸۹)

امام حسین علیہ السلام کی پیدائش کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا میرے بیٹے کو میرے پاس لاؤ۔ حضرت حسین کو ایک سفید کپڑے میں لپیٹ کر آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو حضور نے اپنی گود میں لیا اذن فی اذن الحسین علیہ السلام، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسین کے کان میں

اذان دی اور اپنا لعاب اقدس ان کے منہ میں ڈالا اور ان کے لیے دعا کی اور آپ کا نام حسین رکھا اور حکم دیا کہ ساتویں روز ان کا عقیقہ کرو اور سر کے بال اتار کر اس کے ہم وزن چاندی خیرات کرو۔ (سنن ترمذی ص۲۸۶، سنن ابو داؤد ص۲۱۴ مسند احمد بن حنبل ص۳۹۱ ج ۶، ابو داؤد طیالسی ص۱۳۰ ج ۴، مستدرک ص۱۸۹ ج ۳، سنن نسائی ص۱۸۸ ج ۲، تاریخ بغداد ص۱۵۱ ج ۱۰، مشکل الآثار ص۴۵۶ ج ۱، حلیۃ الاولیاء ص۱۱۶ ج ۷، سنن بیہقی ص۲۹۹ ج ۹، ذخائر عقبیٰ ص۱۱۹، کنز العمال ص۱۰۰ ج ۷) چنانچہ ساتویں دن عقیقہ کیا گیا اور چاندی خیرات کی گئی اور حضور نے امام حسین کا نام بھی خود ہی تجویز فرمایا

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت یعلیٰ بن مرہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حسین منی وانا من حسین احب اللہ من احب حسینا، حسین سبط من الاسباط، حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں، جو حسین سے محبت کریگا اللہ اس سے محبت کرے گا، حسین میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ (سنن ترمذی ص۳۰۷ ج ۲، ابن ماجہ فضائل صحابہ، بخاری ادب المفرد، باب معانقہ، مستدرک ص۱۷۷ ج ۳، مسند احمد بن حنبل ص۱۷۲ ج ۴، اسد الغابہ ص۱۳۰ ج ۵، کنز العمال ص۱۰۷ ج ۷) یہ حدیث اتحاد والفت شدت اتصال اور محبت پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ عرب لوگ جب محبت کا اظہار کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ فلاں مجھ سے ہے اور میں فلاں سے ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں، حسین کی محبت میری محبت ہے، حسین کی سیرت میری سیرت ہے، میری تعلیم حسین کی تعلیم ہے۔ حسین نے مقام کربلا میں اپنے اعزہ واقارب اور اپنی جان کی قربانی دے کر اس کا ثبوت مہیا فرما دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو زندہ فرما دیا اور دین اسلام میں جو یزیدی قوت نے بگاڑ پیدا کر دیا تھا اس کا قلع وقمع کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تفسیر ہی اس حدیث میں بیان فرمائی ہے کہ مادی اور جسمانی لحاظ سے حسین مجھ سے ہے اور معنوی اور روحانی اعتبار سے میں حسین سے ہوں۔ مجھ میں اور حسین میں سوائے نبوت اور رسالت کے کوئی فرق نہیں ہے۔

امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ اسامہ بن زید سے یہ روایت بھی ذکر کی ہے ہذا ابنای وابنا ابنتی یہ (حسین وحسن) میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں میں ان سے پیار کرتا ہوں اے اللہ تو بھی ان سے پیار کر اور جو ان سے پیار کرے اس سے بھی پیار کر (ترمذی ص۲۴۰ ج ۲، کنز العمال ص۲۲۰ ج ۶، خصائص للنسائی ص۳۶، ابن ماجہ فضائل حسنین، مسند احمد بن حنبل ص۲۸۸ ج ۲، تاریخ بغداد ص۱۴۲ ج ۱، کنوز الحقائق ص۱۳۴، مسند ابو داؤد طیالسی ص۲۳۲ ج ۱۰، مجمع الزوائد ص۱۸۰ ج ۹، سنن بیہقی ص۲۶۳، حلیۃ الاولیاء ص۳۰۵ ج ۸، اصابہ ابن حجر ص۱۲ ج ۲، تاریخ کبیر ابن عساکر ص۲۰۲ ج ۴، استیعاب ص۱۴۸ ج ۱، مستدرک ص۱۶۶ ج ۳، ذخائر عقبیٰ ص۱۲۳)

اس سے بھی ظاہر ہے کہ حضور فرما رہے ہیں کہ حسین میرے بیٹے ہیں کہ حسین کا نسب حضور کا نسب ہے اور حضرت حسین کا نسب سیدہ فاطمہ کی جانب سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتا ہے۔ غرضیکہ حسنین کریمین کا نسب اور ان کی آگے اولاد کا نسب بوجہ سیدہ فاطمۃ الزہرا کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتا ہے۔ لہٰذا یہ نسب مخصوص اور اس کے احکام بھی دیگر نسبوں کی بہ نسبت مخصوص اور جدا ہیں۔ امام محمد بن حنفیہ المتوفی ۸۱ھ جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں اور امام حسین کے والد کی طرف سے بھائی ہیں۔ یہ امام حسین کو فرمایا کرتے تھے کہ آپ کی والدہ محترمہ سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیٹی اور شہزادی تھیں۔ میری ماں کے قبضہ میں اگر تمام کمالات بھی آجائیں تو بھی آپ کی والدہ کی شان وعظمت کے برابر نہیں ہو سکتی۔ اس لحاظ سے آپ کو مجھ پر فضیلت ہی فضیلت ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ فضیلت سیدہ فاطمۃ الزہرا کی وجہ سے ہے اور سادات کو جو نکہ نسبی شرافت وعظمت، رسول اللہ، سیدہ فاطمۃ الزہرا اور حسنین کریمین کی وجہ سے ہے اور ابن حجر مکی کے قول کے مطابق کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص سے ہے کہ حضور کی صاحبزادی کی اولاد حضور کی طرف بحیثیت نسب منسوب ہے، حضور کا ہم کفو اور مثل نہیں ہے آپ کی اولاد کا بھی کوئی کفو نہیں ہے مگر وہی جو آپ کے نسب عترت میں سے ہو۔ یعنی سیدہ فاطمۃ الزہرا اور حسنین کریمین کی آگے اولاد کا ہم کفو وہی ہو گا جو کہ نسب عترت میں سے ہو گا۔ دوسرے الفاظ میں سیدہ زادی کا ہم کفو صرف اور صرف سید ہو گا۔ اگر کسی سیدہ نے اپنی رضامندی اور ولی کی رضامندی کے ساتھ غیر سید کیساتھ نکاح کیا تو وہ نکاح بنیادی طور پر منعقد نہیں ہو گا کیونکہ سادات کا نسب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے کفاءت میں مطرد الحکم تسلیم کیا گیا ہے یعنی اگر مرد اور عورت دونوں نسبی طور پر سید ہوئے تو نکاح منعقد ہو گا ورنہ نہیں۔

قارئین حضرات قبل اس کے کہ "حسب ونسب" کا اختتامیہ پڑھیں پہلے اصل مسئلہ سے متعلقہ اور غیر متعلقہ چند سوالات کے جوابات بھی پڑھ لیں جو کہ مخالفین کی طرف سے پیش کیے جاتے ہیں۔

سوال ۱:۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زینب بنت جحش کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید سے کر دیا تھا۔ حضرت زینب بنو ہاشم سے تھیں ان کا نسب کہاں اور کہاں زید کا نسب، جب یہ نکاح غیر کفو میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کیا تھا تو ثابت ہوا کہ غیر کفو میں نکاح کرنا جائز ہے جب کہ لڑکی اور اس کا ولی دونوں راضی ہوں۔

جواب:۔ اس سوال کا جواب پڑھنے سے پہلے حضرت زید اور ان کے نکاح کا واقعہ پڑھ لیجئے۔

حضرت زید[1] دراصل قبیلہ کلب کے ایک شخص حارثہ بن شراحیل کے بیٹے تھے اور ان کی ماں سعدی بن ثعلبہ قبیلہ طے کی شاخ بنی معن سے تھیں۔ جب یہ آٹھ سال کے بچے تھے اس وقت ان کی ماں انہیں اپنے میکے لے کر گئیں وہاں بنی قین بن جسر کے لوگوں نے ان کے پڑاؤ پر حملہ کر دیا اور لوٹ مار کے ساتھ جن آدمیوں کو وہ پکڑ کر لے گئے ان میں حضرت زید بھی تھے۔ پھر انہوں نے طائف کے قریب عکاظ کے میلے میں لے جا کر ان کو بیچ دیا۔ خریدنے والے حضرت خدیجہ کے بھتیجے حکیم بن حزام تھے۔ انہوں نے زید کو مکہ مکرمہ لا کر اپنی پھوپھی صاحبہ کی خدمت میں نذر کر دیا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت خدیجہ کے ساتھ جب نکاح ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ہاں حضرت زید کو دیکھا اور ان کی عادات و اطوار پسند آئیں تو آپ نے زید کو حضرت خدیجہ سے مانگ لیا اس طرح حضرت زید حضور کی خدمت میں پہنچ گئے۔ اس وقت حضرت زید کی عمر پندرہ سال تھی، کچھ مدت بعد ان کے باپ اور چچا کو پتہ چلا کہ ہمارا بچہ مکہ میں ہے وہ انہیں تلاش کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچے اور عرض کیا کہ آپ جو فدیہ چاہیں ہم دینے کے لیے تیار ہیں۔ آپ ہمارا بچہ ہمیں دے دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں لڑکے کو بلاتا ہوں اور اس کی مرضی پر چھوڑے دیتا ہوں کہ وہ تمہارے ساتھ جانا چاہتا ہے یا میرے ساتھ رہنا پسند کرتا ہے۔ اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے گا تو میں کوئی فدیہ نہ لوں گا اور اسے یوں ہی چھوڑ دوں گا لیکن اگر وہ میرے پاس رہنا چاہے تو میں ایسا آدمی نہیں ہوں کہ جو شخص میرے پاس رہنا چاہتا ہو اسے خواہ مخواہ نکال دوں، انہوں نے کہا یہ تو آپ نے انصاف سے بھی بڑھ کر درست بات فرمائی ہے۔ آپ بچے کو بلا کر پوچھ لیجیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید کو بلایا اور ان سے کہا کہ ان دونوں صاحبوں کو جانتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا "جی ہاں" یہ میرے والد ہیں اور یہ میرے چچا۔ آپ نے فرمایا اچھا تم ان کو بھی جانتے ہو اور مجھے بھی، اب تمہیں پوری آزادی ہے کہ چاہو ان کے ساتھ چلے جاؤ اور چاہو میرے ساتھ رہو۔ حضرت زید نے جواب دیا کہ میں آپ کو چھوڑ کر کسی کے پاس نہیں جانا چاہتا۔ زید کے باپ اور چچا نے کہا زید کیا تو آزادی پر غلامی کو ترجیح دیتا ہے اور اپنے ماں باپ اور خاندان کو چھوڑ کر غیروں کے پاس رہنا چاہتا ہے زید نے جواب دیا کہ میں نے اس ذات کے جو اوصاف دیکھے ہیں ان کا تجربہ کر لینے کے بعد میں اب دنیا میں کسی کو بھی ان پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ حضرت زید کا یہ جواب سن کر ان کے باپ اور چچا خوشی سے راضی ہو گئے۔ حضور نے اسی وقت زید کو آزاد کر دیا اور حرم میں جا کر قریش کے مجمع عام میں جا کر فرما دیا آپ سب

---

[1] حضرت زید بن حارثہ المتوفی ۸ھ، ۱۲ (مفتی غلام رسول)

لوگ گواہ رہیں آج سے زید میرا بیٹا ہے یہ مجھ سے وراثت پائے گا اور میں اس سے۔ اسی بنا پر لوگ ان کو زید بن محمد کہنے لگے۔ یہ سب واقعات ظہورِ نبوت سے پہلے کے ہیں۔ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا اعلان فرمایا تو چار ہستیاں ایسی تھیں جنہوں نے ایک لمحہ شک و تردد کے بغیر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نبوت کا دعویٰ سنتے ہی اسے تسلیم کر لیا۔ ایک حضرت خدیجہ، دوسرے حضرت زید، تیسرے حضرت علی اور چوتھے حضرت ابوبکر۔ اس وقت حضرت زید کی عمر تیس سال تھی اور ان کو حضور کی خدمت میں رہتے ہوئے پندرہ سال گذر چکے تھے۔ ہجرت کے بعد ۴ھ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید کے لیے حضرت زینب کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا اور حضرت زینب اور ان کے رشتہ داروں نے اسے نامنظور کر دیا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیغام دیا تو حضرت زینب نے کہا انا خیر منہ نسباً، میں اس سے نسب میں بہتر ہوں۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت زینب نے جواب میں یہ بھی کہا تھا لا ارضاہ لنفسی وانا ایم قریش، کہ میں اسے اپنے لیے پسند نہیں کرتی کہ میں قریش کی شریف زادی ہوں۔ اسی طرح کا اظہار ناراضامندی ان کے بھائی عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے بھی کیا تھا۔ اس لیے کہ حضرت زید تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے اور حضرت زینب حضور کی پھوپھی (امیمہ بنت عبدالمطلب) کی صاحبزادی تھیں۔ ان لوگوں کو یہ بات سخت ناگوار تھی کہ اتنے اونچے گھرانے کی لڑکی اور وہ بھی کوئی غیر نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی پھوپھی زاد بہن ہے۔ اس کا پیغام آپ اپنے آزاد کردہ غلام کے لیے دے رہے ہیں۔ اس پر یہ قرآنی آیت نازل ہوئی، وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ و رسولہ امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم، کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ یعنی جب اللہ اور رسول کا حکم ہے تو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے آگے اپنے اختیار کے استعمال کرنے کا مسلمان کو تصور بھی نہیں کرنا چاہیئے بلکہ جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے اس کو بسر و چشم قبول کرے۔ اس حکم خداوندی کو سنتے ہی حضرت زینب اور ان کے سب خاندان والوں نے بلا تامل سر اطاعت خم کر لیا۔ اور اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نکاح پڑھایا۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید کی طرف سے مہر ادا کیا جو دس دینار (اٹھارہ تولے چاندی) اور ایک بار برداری کا جانور اور مکمل زنانہ جوڑا اور پچاس مُد آٹا (پچیس سیر) اور دس مُد (پانچ سیر) کھجور تھا۔ حضرت زینب بنت جحش کا نکاح بامر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت زید بن حارثہ کے ساتھ ہو تو گیا مگر دونوں کی طبیعتوں میں موافقت نہ ہوئی اور حضرت زید

اور حضرت زینب کے تعلقات انتہائی کشیدہ ہو گئے۔ حضرت زید نے بار بار حضرت زینب کے خلاف شکایات پیش کرنے کے بعد آخر کار نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا میں ان کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔ حضرت زینب نے اگرچہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم مان کر زید کے نکاح میں جانا قبول کر لیا تھا لیکن وہ اپنے دل سے اس احساس کو کسی طرح نہ مٹا سکیں کہ زید ایک آزاد کردہ غلام ہیں، ان کے اپنے خاندان کے پروردہ ہیں اور وہ عرب کے شریف ترین گھرانے کی بیٹی ہونے کے باوجود اس کم تر درجے کے آدمی کے ساتھ بیاہی گئی ہیں۔ اس احساس کی وجہ سے ازدواجی زندگی میں انہوں نے کبھی حضرت زید کو اپنے برابر کا نہ سمجھا اور اسی وجہ سے ان دونوں کے درمیان تلخیاں بڑھتی چلی گئیں۔ ایک سال سے کچھ زیادہ ہی مدت گذری تھی کہ نوبت طلاق تک پہنچ گئی۔ دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعہ وحی بتلا دیا گیا تھا کہ زید حضرت زینب کو طلاق دے دیں گے۔ اس کے بعد حضرت زینب آپ کے نکاح میں آئیں گی۔ چنانچہ امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت ہے اوحی اللہ تعالی الیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان زینب سیطلقہا زید ویتزوجہا بعدہ علیہ الصلوٰۃ والسلام، یعنی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ اطلاع دے دی تھی کہ حضرت زینب کو زید طلاق دینے والے ہیں اور اس کے بعد وہ آپ کے نکاح میں آئیں گی۔ جب حضرت زید نے حضرت زینب کو طلاق دے دی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق انہیں اپنی زوجیت کا شرف بخشا۔ جب حضرت زینب حریم نبوت میں رونق افروز ہوئیں تو دوسری جانب یہودیوں اور منافقین نے کہنا شروع کر دیا کہ دیکھو اس "نبی" (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے بیٹے کی بیوی کو اپنی زوجہ بنا لیا ہے۔ کبھی ایسا اندھیر بھی ہوا تھا جیسے انہوں نے کر دکھایا تھا۔ چلو ہمارے رسم و رواج کو تو چھوڑو وہ خود بھی آج تک یہی بتاتے رہے کہ بیٹے کی بیوی سے باپ نکاح نہیں کر سکتا۔ اب پھر خود اپنے بیٹے زید کی مطلقہ اہلیہ کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔

ان یہود اور منافقین کی بے ہودہ اور ہرزہ سرائی کو قرآن حکیم نے اس ایک جملہ (ماکان محمد ابا احد من رجالکم) نہیں محمد کسی کے باپ تمہارے مردوں میں سے۔ سے ختم کر کے رکھ دیا کہ جب حضور کسی مرد کے باپ نہیں تو زید بیٹا کیسے بن گیا وہ تو اپنے باپ حارثہ کا بیٹا ہے۔

عرب میں دیگر لغو رسموں کے علاوہ یہ بے ہودہ رسم بھی تھی کہ جب کوئی شخص کسی کو متبنٰی (بیٹا) بنا لیتا تو اس متبنٰی کو وہی حقوق حاصل ہو جاتے جو حقیقی فرزند کو ہوتے ہیں۔ وہ متبنٰی بنانے والے کے

مرنے کے بعد اس کا وارث ہوتا۔ اس کی زوجہ کی بھی وہی حیثیت ہوتی جو سگے بیٹے کی بیوی کی ہوتی ہے۔ وہ اجنبی لڑکا اس قبیلہ کا فرد شمار ہونے لگتا۔ اگر کسی کی حقیقی اولاد نہ ہو تو اس کے مرنے کے بعد اس کے دوسرے قریبی رشتہ دار وارث ہوتے ہیں لیکن متبنیٰ ہونے کی صورت میں یہ متبنیٰ مرنے والے کی تمام جائیداد کا وارث ہو جاتا اور مرنے والے کے خونی، نسبی، قریبی رشتہ دار، بھائی بھتیجے محروم ہو جاتے جو صریح ظلم تھا۔ پھر ایسے متبنیٰ کی بیوی کے ساتھ اگر بعینہٖ وہی سلوک کیا جائے جو حقیقی بیٹے کی بیوی کے ساتھ کیا جاتا ہے تو حرمت مصاہرہ کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے۔ متبنیٰ بنانے والے پر اس کے متبنیٰ کی بیوی حرام اس کی ماں حرام اگر کوئی اس کی بیٹی ہو وہ حرام۔ یہ عورتیں جن سے نکاح حلال ہے ان سے اس رسم کے باعث نکاح حرام ہو جاتا ہے۔ اس جاہلانہ رسم سے طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہو رہی تھیں اور معاشرہ گوناگوں مشکلات میں مبتلا تھا۔ لیکن سماج کے اس رواج کی اصلاح کرنے کی ہمت کسی میں نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے حقوق پر رحم فرماتے ہوئے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تمام رسوم و رواج کو ختم کر دیا۔ سورہ احزاب کے شروع میں ہی اللہ تعالیٰ نے حکم فرمادیا کہ متبنیٰ تمہارا حقیقی بیٹا نہیں ہے۔ یوں ہی صرف زبان ہلا دینے سے کسی کا بیٹا اپنا بیٹا نہیں بن سکتا۔ اس لیے نہ ان کو اپنا بیٹا سمجھو نہ زبان سے اس کی فرزندی کی نسبت اپنی طرف کرو۔ اس ارشادِ خداوندی پر عمل کی ابتداء حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات سے فرمائی اور حضرت زید کی مطلقہ بیوی حضرت زینب سے نکاح کیا۔ اور اس قبیح رسم اور اس پر مترتب ہونے والے نتائج کا خاتمہ کر دیا۔ (تفہیم القرآن ص۹۸ تا ص۱۰۱ ج ۴، معارف القرآن ص۱۵۰ تا ص۱۵۴ ج ۷، ضیاء القرآن ص۵۸ تا ص۶۲ ج ۴)

یہ تھا حضرت زید اور حضرت زینب کے نکاح اور اس کے بعد حضرت زینب کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آنے کا اصل واقعہ، اب جواب ملاحظہ کیجئے کہ حضرت زینب کا جو نکاح حضرت زید کے ساتھ غیر کفو میں ہوا ہے وہ ایک خاص مصلحت پر مبنی ہے جس سے اصلی مسئلہ پر شرعاً اثر نہیں پڑتا وہ یہ کہ اس نکاح سے اسلام متبنیٰ کی قبیح رسم اور اس پر مترتب ہونے والے نتائج کو منسوخ کر دینا چاہتا تھا اس لیے ضروری ہوا کہ ایسی صورت پیدا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی ابتداء ہو، بنابریں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے حضرت زید کو متبنیٰ بنایا پھر ان کا نکاح غیر کفو میں حضرت زینب کے ساتھ کیا جن کا نسب نہایت برتر تھا۔ حضرت زینب، زید کو ہم کفو نہ سمجھتی تھی آخر نوبت طلاق تک پہنچی حضرت زید نے

طلاق دی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کی مطلقہ بیوی حضرت زینب سے نکاح کر کے یہ ثابت فرمایا کہ متبنٰی کی بیوی حقیقی بیٹے کی بیوی کی طرح نہیں ہے، متبنٰی کی بیوی سے نکاح جائز ہے جس سے ظاہر ہے متبنٰی حقیقی بیٹے کی طرح نہیں ہے، محض زبان سے کسی کو بیٹا کہہ دینا اپنا بیٹا نہیں بن جاتا۔ چونکہ یہ نکاح غیر کفوٗ میں ایک خاص مصلحت کی بنا پر تھا۔ اسی لیے صاحب معارف القرآن لکھتے ہیں جو نکاح مصالحہ دینیہ کے پیش نظر کیا گیا ہو اس کا اثر کفاءت نسبی پر نہیں پڑتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں جو نکاح غیر کفوٗ میں ہوئے وہ کسی نہ کسی دینی مصلحت کی بنا پر کیے گئے اس سے اصل مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑیگا (معارف القرآن ص۱۵۱ ج ۷) گویا کہ حضرت زینب کا نکاح غیر کفوٗ میں جو ہوا ہے وہ اصل مسئلہ سے مستثنٰی صورت ہے اور اصل مسئلہ شرعاً اپنے مقام پر برقرار ہے کہ غیر کفوٗ میں نکاح جائز نہیں ہے۔ اور نیز حضرت زینب کا نکاح غیر کفوٗ میں ہونا پھر عدم کفوٗ کی وجہ سے معاملہ طلاق پر منتج ہونا اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ نکاح غیر کفوٗ میں نہ کرنا چاہیئے کیونکہ یہ نکاح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کیا جب یہ نکاح بوجہ غیر کفوٗ ہونے کے آخر تک نہیں پہنچا تو دوسرے لوگوں کے نکاح غیر کفوٗ میں کیے گئے کب آخر تک پہنچیں گے۔ جو عورت نکاح غیر کفوٗ میں کرے گی اس کو اس کی برادری کی دوسری عورتیں ذلیل و خوار کرتی رہیں گی لہٰذا نکاح غیر کفوٗ میں نہ ہونا چاہیئے۔

علاوہ ازیں حضرت زینب اور زید کے نکاح کا ہمارے اصل موضوع سے بنیادی طور پر تعلق نہیں ہے کیونکہ ہم صرف سادات کے نسب اور کفوٗ میں بحث کر رہے ہیں جن کا نسب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے مطرد للحکم ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت زینب کا اس نسب سے تعلق نہیں ہے جو کہ بہ نسبت سیدہ فاطمۃ الزہراء کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے۔ لہٰذا سائل کا سیدزادی کے غیر کفوٗ میں نکاح کے جواز کے لیے حضرت زید اور حضرت زینب کے نکاح کو بطور سند پیش کرنا بنیادی طور پر غلط ہے۔

سوال: حضرت سیدہ ام کلثوم جو حضرت علی کی حقیقی صاحبزادی اور حضرات حسنین کریمین کی سگی بہن تھیں، کا نکاح حضرت عمر فاروق سے ہوا اور جناب عمر فاروق سید نہیں تھے۔ وہ تو ہاشمی بھی نہیں تھے بلکہ قریشی تھے لیکن ان کے ساتھ یہ نکاح کیا گیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدزادی کا نکاح غیر سید کے ساتھ ہو سکتا ہے۔

جواب :۔ حضرت ام کلثوم کے نکاح کا یہ واقعہ صحیح نہیں ہے بلکہ یہ ایک داستان ہے جس کو شیعہ راویوں نے وضع کیا ہے اور یہ موضوع روایت جیسے کہ کتب اہل سنت میں ہے اسی طرح کتب شیعہ میں بھی ہے۔ علماء شیعہ سے محمد یعقوب کلینی المتوفی ۳۲۹ھ نے فروع کافی ص۳۱۱ ج ۲ اور ابو جعفر طوسی المتوفی ۵۶۱ھ نے کتاب الاستبصار ص۱۸۵ ج ۲، اور تہذیب الاحکام ص۳۸ ج ۲ میں ان کے علاوہ دیگر علماء شیعہ نے بھی اس روایت کا اپنی اپنی کتب میں تذکرہ کیا ہے۔ اور علماء اہل سنت سے علامہ[۱] محب الدین طبری المتوفی ۶۹۴ھ نے اپنی مشہور تصنیف ذخائر عقبیٰ میں اس نکاح کے بارے میں تفصیل بحث کی ہے جس کے چند اقتباسات ہم یہاں ذکر کرتے ہیں ملاحظہ کیجئے۔

عمر بن قتادہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کی بیٹی ام کلثوم کا رشتہ مانگا تو حضرت علی نے کہا انہا صغیرۃ کہ وہ تو نابالغہ ہے تو حضرت عمر نے کہا کوئی حرج نہیں ہے، یہاں تک کہ حضرت عمر نے اصرار کیا تو حضرت علی نے ام کلثوم کو حضرت عمر کے گھر بھیج دیا۔ حضرت عمر نے ام کلثوم کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا تو ام کلثوم نے کہا، اتفعل ھذا لولا انك امیر المومنین لکسرت انفك، یہ تو کیا کرتا ہے اگر تو امیر المومنین نہ ہوتا تو میں تیرا ناک توڑ دیتی۔ پھر ام کلثوم وہاں سے نکل آئی اور اپنے والد حضرت علی سے کہا ابعثتنی الیٰ شیخ[۲] کیا آپ نے مجھے اس بوڑھے کے پاس بھیجا تھا تو حضرت علی نے کہا یا بنیۃ فانہ زوجك، اے بیٹی وہ تیرا خاوند ہے۔ اور دوسری روایت میں ہے انہا قالت لولا امیر المومنین لطمست عینك کہ ام کلثوم نے کہا اگر تو امیر المومنین نہ ہوتا تو میں تیری آنکھیں نکال دیتی۔ اور حضرت جعفر بن محمد کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے حضرت علی سے ام کلثوم کا جب رشتہ مانگا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اپنے بھائی جعفر کے بیٹے کو ام کلثوم کا رشتہ دینا ہے لیکن عمر کے اصرار پر حضرت علی نے عمر کو رشتہ دے دیا۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے جب رشتہ مانگا تو حضرت علی نے کہا وہ تو چھوٹی اور نابالغہ ہے فقال عمر رضی اللہ عنہ انی لم ارد الباءۃ، تو حضرت عمر نے کہا کہ میرا مقصد وہ نہیں ہے جو کہ نکاح سے

---

[۱] احمد بن عبد اللہ بن محمد بن ابی بکر ابو العباس محب الدین طبری شافعی المتوفی ۶۹۴ھ ، ۱۲۰ (مفتی غلام رسول ۱۲)

[۲] ذخائر العقبیٰ میں راوی کے اصل الفاظ جو ہیں وہ "شیخ سوء" ہیں۔ ہم نے امیر المومنین کے احترام کی وجہ سے "سوء" کا لفظ ذکر نہیں کیا۔ (مفتی غلام رسول)

ہوتا ہے یعنی حق زوجیت، میں تو صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب سے وابستہ ہونا چاہتا ہوں کیونکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کل نسب وصھر ینقطع یوم القیامۃ الا نسبی وصھری اور عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے حضرت علی سے ام کلثوم کا رشتہ مانگا تو حضرت علی نے کہا کہ میں مشورہ کر لوں۔ حضرت علی نے اپنی اولاد سے مشورہ کیا، انہوں نے کہا کہ تم نکاح کر دو۔ حضرت علی نے ام کلثوم کو بلایا وھی یومئذ صبیۃ، اور وہ ان دنوں میں بچی تھی۔ حضرت علی نے ام کلثوم کو کہا کہ تم عمر کے گھر جا کر عمر کو کہو کہ میرے باپ نے تمہارا کام کر دیا ہے۔ حضرت عمر نے ام کلثوم کو پکڑا اور کہا کہ اس کے باپ نے اس کا میرے ساتھ نکاح کر دیا ہے۔ حضرت عمر کو لوگوں نے کہا کہ یہ تو بالکل چھوٹی بچی ہے تو حضرت عمر نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے حضور فرماتے تھے کل سبب ونسب ینقطع یوم القیامۃ الا سببی ونسبی، اور میں بھی چاہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ میں منسلک ہو جاؤں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی نے ام کلثوم کے نکاح کے بارے میں حضرت عباس، حضرت عقیل اور حضرت حسن سے مشورہ لیا اور کہا کہ حضرت عمر ام کلثوم کا رشتہ مانگتے ہیں تو حضرت عقیل سخت ناراض ہوئے اور حضرت علی کو کہا کہ آئے دن تم اپنے معاملات میں کوتاہی کر رہے ہو۔ اگر تم یہ کام کرو گے تو اس کا انجام اچھا نہ ہوگا۔

امام شہاب الدین زہری سے روایت ہے کہ حضرت ام کلثوم کے ساتھ حضرت عمر نے نکاح کیا تو ام کلثوم کے ہاں زید بن عمر پیدا ہوئے۔ اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ رقیہ بنت عمر بھی پیدا ہوئی۔ امام زہری کہتے ہیں کہ حضرت عمر کی وفات کے بعد ام کلثوم نے عون بن جعفر کے ساتھ نکاح کر لیا۔ عون بن جعفر کی وفات کے بعد محمد بن جعفر کے ساتھ نکاح کیا، ان کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ پھر محمد بن جعفر کی بھی وفات ہوگئی تو حضرت ام کلثوم نے عبداللہ بن جعفر کے ساتھ نکاح کیا ان کے ہاں ہی حضرت ام کلثوم کی وفات ہوگئی۔ (ذخائر عقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ ص۱۶۸ تا ص۱۷۰)

اب قارئین حضرات ان اقتباسات پر غور کریں کہ جب حضرت عمر نے حضرت علی سے ام کلثوم کا رشتہ مانگا تھا اور حضرت علی نے کہا کہ ام کلثوم نابالغہ ہے لیکن حضرت عمر کے اصرار پر نکاح ہوگیا اور رخصتی بھی ہوئی اور حضرت ام کلثوم کو یہ بتایا بھی گیا کہ حضرت عمر تمہارے خاوند ہیں تو ام کلثوم کا رخصتی کے بعد حضرت عمر کو یہ کہنا کہ اگر تم نے مجھے ہاتھ لگایا تو میں تمہاری ناک توڑ دوں گی اور آنکھیں نکال دوں گی کتنی بے موقعہ اور بے محل بات

ہے۔ پھر ام کلثوم کا حضرت علی کو یہ کہنا کہ کیا آپ نے مجھے اس بوڑھے کے پاس بھیجا تھا، کس درجہ جسارت ہے، جب حضرت علی نے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا تھا تو کیا یہ ام کلثوم نے اپنی طرف سے امیر المؤمنین کے لیے الفاظ استعمال کیے یا ام کلثوم کو کسی دیگر آدمی نے کہا تھا کہ امیر المومنین عمر کے پاس جا کر یہ الفاظ استعمال کرنے ہوں گے جس سے حضرت عمر کی توہین و تذلیل ہو۔ بہرصورت ام کلثوم کی طرف سے یہ جسارت نہ ام کلثوم کے لیے زیبا ہے اور نہ ہی امیر المومنین کی شان کے مناسب ہے اور اسلام میں نکاح سے ایک مقصد حق زوجیت ہے۔ حضرت عمر کا یہ کہنا کہ میرا نکاح سے مقصد حق زوجیت کی ادائیگی نہیں تو پھر سوال یہ ہے کہ حضرت عمر نے یہ نکاح اصرار کے ساتھ کیوں کیا۔ کیا ایک بچی کی زندگی کو تباہ کرنا امیر المومنین کا مقصد تھا۔ اور حضرت عمر کا یہ کہنا کہ میں اس لیے ام کلثوم سے نکاح کر رہا ہوں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کل نسبب وصھر ینقطع یوم القیامۃ الاصھری و نسبی۔ اور میں بھی چاہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ سے منسلک ہو جاؤں، تو پھر عرض ہے کہ ایک ہے نسب اور دوسرا ہے صھر۔ نسب بیٹے کی طرف سے ہوتا ہے اور صھر بیٹی کی طرف سے۔ خواہ بیٹی دی جائے یا لی جائے۔ تو یہ صھر والا رشتہ حضرت عمر پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی بیٹی حضرت حفصہ کا نکاح کر دینے سے حاصل کر چکے تھے۔ اب کیا ضرورت تھی اور نیز اس نکاح سے حضرت علی کے رشتہ داروں سے حضرت عقیل سخت ناراض تھے اور حضرت علی کو اسی بنا پر وہ سخت اور سست الفاظ کہہ بھی چکے تھے۔ لہذا حضرت علی ان کو ناراض بھی کیسے کرتے تھے۔ اور حضرت علی نے یہ بھی کہا تھا کہ میں نے ام کلثوم کا رشتہ حضرت جعفر کے بیٹا کو دینا ہے، اب اس پر حضرت عمر کا اصرار کرنا شرعاً بھی منع تھا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے اور اس کے پیغام (نکاح) پر پیغام نہ دے مگر اس صورت میں کہ اس نے اجازت دے دی ہو۔ یعنی جب کوئی مسلمان دوسرے سے رشتہ مانگتا ہے تو جب تک اس کا فیصلہ "ہاں یا نہ" کی صورت میں نہیں ہو جاتا تو دوسرے کسی کو رشتہ مانگنے کا شرعاً حق حاصل نہیں ہے کیونکہ اس سے پہلے اس مسلمان بھائی نے پیغام دے رکھا ہے اور اس سے یہ امر واضح تر ہے کہ جب لڑکی والے کہہ دیں کہ ہم نے وہاں رشتہ دینا ہے تو پھر بھی کسی دوسرے کو مطالبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ جب حضرت علی کہہ رہے تھے کہ ہم نے ام کلثوم کا رشتہ اپنے بھائی جعفر کے بیٹے کو دینا ہے تو پھر حضرت عمر کا یہ حق نہیں تھا کہ وہ حضرت علی سے اصرار سے رشتہ مانگتے اور نکاح کرتے۔ اسی وجہ سے تو حضرت عقیل حضرت علی پر زیادہ تر ناراضگی کا اظہار فرما رہے تھے۔ یہ روایات اور ان سے مترتبہ نتائج تمام اس پر صراحۃً دلالت کر رہے ہیں کہ یہ روایات بالدرایہ

موضوع ہیں۔ ہر وہ حدیث اور روایت صحیح نہیں ہوا کرتی جو کہ کتابوں کے اندر آجائے بلکہ حدیث وہ صحیح ہوتی ہے جو کہ روایۃً اور درایۃً دونوں طرح صحیح ہو۔ اسی لیے محدثین نے احادیث پر تنقید کے دو طریقے مقرر کئے ہیں روایتاً درایتاً۔ روایت کے طریق سے تنقید راویوں کی ثقاہت اور ضعف کی بنا پر کی جاتی ہے۔ یعنی یہ دیکھا جاتا ہے کہ راوی کس مرتبہ کا ہے، وہ ثقہ ہے یا نہیں، اس کا حافظہ کیسا تھا۔ اس کے ہم عصروں نے اس کے متعلق کن خیالات کا اظہار کیا ہے، اس کے عقائد کیسے تھے وغیرہ وغیرہ۔

درایت کے اعتبار سے بھی احادیث پر تنقید کی جاتی ہے۔ اس کے اصول بھی محدثین نے منضبط فرما دیئے ہیں درایت کے اصول بہت ہیں لیکن بڑے بڑے اصول یہ ہیں:

۱۔ جو حدیث نص قرآنی کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں۔
۲۔ جو حدیث کسی حدیث متواتر کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔
۳۔ جو حدیث کسی مشہور تاریخی واقعہ کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔
۴۔ جو حدیث عقل سلیم کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔
۵۔ جو حدیث مشاہدات کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔
۶۔ جو حدیث اجماع قطعی کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔
۷۔ جس حدیث میں ترکِ دنیا کی تاکید کی گئی ہو کہ انسان فطرۃً اس پر عمل نہ کر سکے وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔
۸۔ حدیث کا راوی کوئی ایسا مضمون بیان کرے جو اس کے عقیدہ کی تائید کرتا ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔
۹۔ جس حدیث کا راوی خود اقرار کرے کہ اس نے یہ حدیث وضع کی ہے وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔
۱۰۔ جو حدیث حسّیات کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔
۱۱۔ جس حدیث کے الفاظ میں رکاکت (کمزوری) پائی جائے جو عربی قواعد سے گری ہوئی ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔
۱۲۔ جس حدیث میں معنوی رکاکت پائی جائے جو نبوت کے وقار کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔
۱۳۔ حدیث میں کوئی ایسا واقعہ بیان کیا گیا ہو جو اگر واقع میں واقعہ ہوتا تو اس کے راوی بہت لوگ ہوتے۔ وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔
۱۴۔ حدیث مختلف طریقوں سے مروی ہو مگر نفسِ مضمون میں یکسانیت نہ ہو اور معنوں میں مغائرت

پائی جائے وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔

۱۵۔ جس حدیث میں معمولی نیکی پر بہت زیادہ ثواب یا معمولی گناہ پر غیر معمولی عذاب کا بیان ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔ (فقہ القرآن)

اس سے ظاہر ہے کہ کسی روایت اور حدیث کے صحیح ہونے کے کچھ اصول ہیں۔ حضرت سیّدہ ام کلثوم کے نکاح سے متعلقہ روایات میں نہ تو نفسِ مضمون میں یکسانیت ہے اور نہ ہی یہ عقل سلیم تسلیم کرتا ہے کہ ایک عظیم المرتبت شخصیت کے حرم میں داخل ہونے والی عورت اس کی توہین اور گستاخی کرے۔

غرضیکہ حضرت عمر کا بڑھاپے میں ایک نابالغ بچی کے ساتھ نکاح کرنا اور اصرار کے ساتھ کرنا اور اس بیوی کا جسارت کر کے امیرالمومنین عمر کی توہین اور گستاخی کرنا اور حضرت عمر کا ساتھ یہ بھی کہنا کہ میرا مقصد اس نکاح سے حقِ زوجیت ادا کرنا نہیں بلکہ اولاد کا ہونا وغیرہ وغیرہ یہ تمام باتیں اس پر واضح دلیل ہیں کہ یہ اس نکاح سے متعلقہ تمام روایات موضوع ہیں اور یہ روایات شیعہ راویوں نے گھڑی ہیں جس سے انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ "خلفاء ثلاثہ" نے غاصبانہ طور پر جیسے کہ خلافت پر قبضہ کر لیا تھا اسی طرح ان میں سے ایک "خلیفہ راشد" عمر فاروق نے اہلِ بیتِ رسول پر شدت کرتے ہوئے ان سے اپنے نکاح میں ایک بچی جبراً لے لی۔ شیعہ کا اس سے مقصد صرف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنا تھا، لہذا شیعہ راویوں نے یہ داستان بنائی جس کی کوئی حقیقت اور بنیاد نہیں۔ لہذا ہم اس بات کے کہنے میں کوئی تامل نہیں کرتے کہ یہ ام کلثوم کے نکاح والا واقعہ اگرچہ اہلِ سنت کی کتابوں میں بھی موجود ہے لیکن یہ موضوع ہے۔ شیعہ راویوں نے اس کو اختراع اور وضع کیا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ بنیادی طور پر حضرت ام کلثوم علیہا السلام کا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہ نکاح ہوا ہے اور نہ ہی بڑھاپے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک نابالغہ سیّدہ (ام کلثوم) کے ساتھ نکاح کیا ہے اور نہ ہی رشتہ مانگا ہے۔ جب بنیادی طور پر نکاح ہی نہیں ہوا تو سائل کا اس کو بنیاد بنا کر یہ کہنا کہ سیّدہ کا اگر ولی راضی ہو جائے تو غیر سید کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے صراحۃً غلط ہے۔

سوال:۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق نے ام کلثوم بنت علی کے ساتھ ۱۷ھ میں نکاح کیا جس کا حق مہر چالیس ہزار درہم رکھا گیا اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ صحیح بخاری میں آتا ہے کہ حضرت عمر فاروق مالِ غنیمت کی چادریں تقسیم کرنے لگے ایک چادر بچ گئی، اس کی نسبت تردد تھا کہ کس کو دیں

جائے ایک شخص نے ان سے مخاطب ہو کر عرض کیا یا امیر المومنین اعط ھذا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللتی عندک یریدون ام کلثوم بنت علی، یعنی یہ بچ رہنے والی چادر حضرت ام کلثوم بنتِ رسول یعنی بنت علی کو جو آپ کے ہاں ہیں دے دیں۔ (الفاروق صفحہ ۲۹۱) علامہ شبلی کے کلام سے ثابت ہوا کہ ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر فاروق کے ساتھ ہوا تھا۔

جواب:- ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ نکاحِ ام کلثوم والی روایت موضوع بالدرایۃ ہے۔ امام بخاری کی مذکورہ حدیث سے ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر فاروق کے ساتھ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ امام بخاری یہ حدیث کتاب النکاح میں نہیں لائے بلکہ کتاب الجہاد میں لائے ہیں جہاں مالِ غنیمت میں آئی ہوئی چادروں کا ذکر ہے۔ حدیث میں "عندک" کا لفظ ہے، یہ نکاح پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اصل صورت یہ ہے کہ حضرت حفصہ جن کی وفات ۴۵ھ ہے چونکہ ازواج مطہرات سے تھیں، یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں ان کے ہاں ام کلثوم بحالت صغر رہتی تھیں، حضرت عمر کا بھی اپنی صاحبزادی کے ہاں آنا جانا تھا لہٰذا راوی نے لفظ "عندک" کا استعمال کر لیا ورنہ عندک کے لفظ سے نکاح ثابت نہیں ہوتا۔ عرب کہتے ہیں مررت برجل عندک اور ھند عندک، اب یہاں لفظ "عندک" استعمال ہوا ہے، اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ مرد اور ہند کا مخاطب کے ساتھ نکاح ہوا ہے بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ مرد اور ہندہ مخاطب کے پاس موجود ہے اسی طرح راوی نے جو عندک کا لفظ استعمال کیا ہے اس سے نکاح مراد نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ام کلثوم کے نکاح کے متعلق جتنی روایات ہیں ان کے مضامین میں یکسانیت نہیں ہے۔ حالانکہ حدیث کے صحیح ہونے کے لیے لازمی شرط یہ ہے کہ اس کے نفس مضمون میں برابری ہو جو کہ یہاں بالکلیہ نہیں ہے۔ دیکھئے علامہ شبلی خود ہی لکھتے ہیں کہ حضرت ام کلثوم کا جب نکاح حضرت عمر فاروق کے ساتھ ہوا تھا تو حضرت عمر فاروق بوڑھے تھے اور ام کلثوم صغیرہ تھیں اور یہ نکاح ۱۷ھ ہجری میں ہوا، اس وقت حضرت ام کلثوم کی عمر پانچ سال تھی۔

اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ اگر نکاح بقول علامہ شبلی ۱۷ھ میں ہوا تھا اور حضرت ام کلثوم اس وقت پانچ سال کی تھیں تو پھر ام کلثوم کی پیدائش سن ۱۳ھجری ہونی چاہیئے بلکہ دوسرے الفاظ میں حضرت ام کلثوم سن تیرہ ہجری میں پیدا ہوئی تھیں جو کہ صراحۃً غلط ہے کیونکہ آپ کی والدہ سیدہ فاطمۃ الزہرا کی وفات سن گیارہ ہجری میں ہو چکی تھی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ والدہ کی وفات کے بعد بیٹی پیدا ہو۔ اگر حضرت ام کلثوم

کی پیدائش سنہ ۶ ہجری ہوا اور نکاح سنہ ۱۷ ہجری میں ہوا اور بوقت نکاح حضرت ام کلثوم کی عمر بارہ سال کے قریب ہو تو پھر بھی پانچ برس والی روایت کے ساتھ تعارض ہو گیا۔ علامہ شبلی یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضرت ام کلثوم بعد از نکاح حضرت عمر کے گھر دس سال رہیں۔ ان کے ہاں حضرت زید اور حضرت رقیہ پیدا ہوئے پھر حضرت عمر کی وفات ہو گئی۔ اس کے بعد ام کلثوم نے عون بن جعفر کے ساتھ نکاح کیا، عون بن جعفر کی وفات کے بعد محمد بن جعفر کے ساتھ نکاح کیا۔ ان کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ پھر محمد بن جعفر کی وفات کے بعد عبداللہ بن جعفر کے ساتھ نکاح کیا، ان کے ہاں حضرت ام کلثوم کی وفات ہو گئی۔

اگر حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر فاروق کے ساتھ سنہ ۱۷ ہجری میں ہوا اور حضرت ام کلثوم حضرت عمر فاروق کے گھر دس سال رہیں اور پھر حضرت عمر فاروق فوت ہوئے تو اس حساب سے حضرت عمر کی وفات ۲۷ ہجری ہونی چاہیے حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات باتفاق مورخین سنہ ۲۳ ہجری ہے۔ یہ بھی کھلا ہوا تضاد ہے۔ اور شبلی کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ام کلثوم حضرت عمر کے گھر دس سال رہیں، ان کے ہاں حضرت زید اور حضرت رقیہ پیدا ہوئے، اس کے برخلاف علامہ زرقانی شرح مواہب ص۹ ج ۷، یں لکھتے ہیں ام کلثوم زوج عمر بن الخطاب وماتت عنها قبل بلوغها۔ کہ ام کلثوم جو حضرت عمر کی زوجہ تھیں ابھی سن بلوغت کو نہ پہنچی تھیں کہ حضرت عمر فوت ہو گئے۔ حضرت عمر کی وفات تک جب وہ بالغ ہی نہ ہوئی تھیں تو حضرت زید اور حضرت رقیہ کیسے پیدا ہوئے، یہ ایک صریح تضاد ہے جو کہ حدیث کے صحیح ہونے کے خلاف ہے۔ اور دیکھیے حضرت ام کلثوم کی وفات سنہ ۴۹ھ میں ہوئی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں، ان ابن عمر صلی علی ام کلثوم وابنها زید (اصابہ ص۲۷۶ ج ۸) ام کلثوم اور ان کے فرزند زید کی نماز جنازہ حضرت ابن عمر نے پڑھائی اور اس جنازہ میں امام حسن علیہ السلام نے بھی شرکت فرمائی تھی اور امام حسن علیہ السلام کی وفات سن پچاس ہجری ہے (طبقات ابن سعد ص۳۴۰)

اور ایک دوسری روایت میں ہے صلی علیها سعد بن ابی وقاص وخلفه الحسن و الحسین، کہ نماز جنازہ سعد بن ابی وقاص نے پڑھائی اور امام حسن اور حسین پیچھے کھڑے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت زید بنو نضیر کی مصالحت کرانے کے لیے تشریف لے گئے، وہیں شہید ہو گئے۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ عبدالملک کے زہر دینے سے شہید ہوئے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ام کلثوم بنت علی اور ان کا بیٹا زید دونوں جنگ احد سنہ ۳ ہجری میں ایک دن فوت

ہوئے، یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ دونوں سے پہلے کون فوت ہوا ہے۔ اس کے خلاف ملا حسین واعظ کاشفی روضۃ الشہداء ص۳۶۸ میں لکھتے ہیں کہ یزید علیہ ما علیہ کو جب امام حسین علیہ السلام کے شہید ہونے کی اطلاع ملی تو اس نے اہل بیت نبوی کو تعزیت کا پیغام پہنچایا۔ ام کلثوم نے فرمایا کہ ہمیں باہر ایک مکان دیا جائے تاکہ ہم وہاں صفِ ماتم بچھائیں۔ چنانچہ یزید علیہ ما علیہ نے انہیں اجازت دے دی۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ام کلثوم اپنی بہن سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے ساتھ کوفہ و کربلا و دمشق میں بقید حیات تھیں۔

غرضیکہ جو علامہ شبلی نے ام کلثوم کے نکاح کے متعلق روایات ذکر کی ہیں ان میں صریح تضاد اور نفس مضمون میں یکسانیت اور برابری کا نہ ہونا اس پر واضح دلیل ہے کہ یہ روایات درایۃً موضوع ہیں اور امام بخاری کی روایت میں کوئی ایسا صریح جملہ نہیں ہے جو کہ نکاح پر دلالت کرے نیز یہ امام بخاری کی روایت اگر ام کلثوم کے نکاح سے متعلق ہے تو پھر یہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ جو حدیث بخاری شریف میں آجائے وہ صحیح ہی ہو۔ علماء محدثین نے خود بخاری و مسلم میں ضعیف حدیثوں کی نشاندہی کی ہے، چنانچہ دارقطنی نے صحیحین کی دو سو روایتوں کو ضعیف قرار دیا ہے۔ حافظ ابو مسعود دمشقی، ابو علی غسانی نے باقاعدہ صحیحین کے لیے استدراکات کے نام سے وہ مجموعے مرتب کیے ہیں جن میں ان احادیث کو یکجا کر دیا گیا ہے جن پر اعتراضات کیے گئے ہیں حافظ عراقی نے بھی اس موضوع پر ایک مستقل تصنیف مرتب کی ہے ملاحظہ کیجئے:

امام بخاری نے کتاب المغازی باب مرجع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من الاحزاب میں یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے لا یصلین احد العصر الا فی بنی قریظۃ. کوئی شخص عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنو قریظہ میں پہنچ کر، لیکن مسلم شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو فرمایا کہ کوئی شخص ظہر کی نماز راستہ میں نہ پڑھے، ظہر کی نماز بنو قریظہ میں پڑھنی ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے یہ روایت ایک استاذ اور ایک ہی سند سے نقل کی ہے۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ امام بخاری سے غلطی ہو گئی ہے۔ صحیح روایت امام مسلم والی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر کی نماز کے متعلق فرمایا تھا کہ بنو قریظہ میں پڑھی جائے۔ (فتح الباری ص۳۱۵ ج ۷)

اسی طرح باب احداد المرأۃ علی غیر زوجہا کے ماتحت امام بخاری نے حسب ذیل روایت نقل کی ہے، زینب بنت ابی سلمہ کا بیان ہے جب شام سے حضرت ابو سفیان کی خبر مرگ کی اطلاع آئی تو

ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے زردی (ابٹنا) منگوا کر اپنے دونوں رخساروں اور دونوں کلائیوں پر ملا اور فرمانے لگیں کہ اگر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث نہ سُنی ہوتی تو مجھے اس کی ضرورت نہ ہوتی آپ نے فرمایا ہے کہ جو عورت اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہے اس کو یہ روا نہیں ہے کہ وہ سوائے شوہر کے اور کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے، شوہر پر البتہ عورت کو چار ماہ دس دن تک سوگ کرنا پڑے گا۔ یہ روایت اگرچہ صحیح ہے مگر اس میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ام حبیبہ کے والد ماجد حضرت ابوسفیان کی خبر مرگ شام سے آئی یہ غلط ہے کیونکہ ابوسفیان کی موت ۳۲ھ میں مکہ معظمہ میں ہوئی ہے اس لیے حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس حدیث کے کسی طریقہ سے سوائے سفیان بن عیینہ کی اس روایت کے مجھے کہیں یہ تفصیل نہیں ملی اور میں اسے وہم سمجھتا ہوں،

اسی طرح امام بخاری اپنی صحیح بخاری میں شعبہ کی سند سے سمعت رجلا من الازد یقال لہ مالك ابن بحینہ، فرمایا ہے جس میں امام بخاری سے دو غلطیاں ہوئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ بحینہ عبداللہ کی والدہ کا نام ہے، دوسرے یہ کہ یہ روایت حضرت عبداللہ بن مالک کی ہے جو مشہور صحابی ہیں۔ یہ روایت ان کے والد مالک سے نہیں ہے کیونکہ وہ مشرف بہ اسلام نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ سنن ابن ماجہ میں ہے کہ عبداللہ بن مالک (جو اپنی ماں کی نسبت سے ابن بحینہ بھی کہلاتے ہیں) سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گذرے نماز فجر کی اقامت ہو چکی تھی وہ شخص نماز پڑھ رہا تھا، آپ نے اس سے گفتگو فرمائی جس کو میں نہیں سمجھ سکا وہ کیا تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو ہم سب نے اس آدمی کو گھیر لیا اور پوچھنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا فرمایا ہے۔ اس شخص نے بتایا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ تم میں سے کوئی شخص فجر کی چار رکعتیں بھی پڑھنے لگے گا (اقامت کے بعد صفوں میں یا عین صفوں کے پیچھے فجر کی سنتیں پڑھنا مکروہ ہے) ابن ماجہ کی روایت سے معلوم ہوا کہ امام بخاری نے دو غلطیاں کی ہیں اور محدثین نے ان دونوں روایتوں میں سے ابن ماجہ کی روایت کو صحیح کہا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ بخاری میں جو حدیث آگئی ہے وہ صحیح ہے بلکہ بخاری میں زیادہ تر احادیث صحیحہ ہیں اور بعض ضعیف بھی ہیں۔

لہذا یہ مذکورہ چادروں کی تقسیم والی حدیث سے پہلے تو نکاح ثابت ہی نہیں ہوتا۔ اگر بالفرض والتقدیر سائل یہی کہے کہ "عندك" کے لفظ سے نکاح ثابت ہو جاتا ہے تو ہم کہتے ہیں تو پھر یہ مذکورہ

حدیث بوجہ ام کلثوم کے نکاح کے متعلق ہونے سے صحیح نہیں ہے بلکہ یہ شیعہ کی اختراعی اور وضعی روایت ہے تاکہ حضرت عمر فاروق کو بدنام کیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق نے نہ ام کلثوم سے نکاح کیا تھا اور نہ ہی آپ کی کوئی حضرت ام کلثوم سے اولاد ہوئی ہے۔

سوال :- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحبزادیوں حضرت سیدہ زینب کا نکاح حضرت ابو العاص بن ربیع کے ساتھ اور سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم کا نکاح یکے بعد دیگرے حضرت عثمان بن عفان کے ساتھ کیا۔ ابو العاص اور حضرت عثمان سید نہیں تھے جس سے ثابت ہوا کہ سیدہ کا نکاح غیر سید کے ساتھ کرنا جائز ہے۔

جواب :- سیدہ زینب، سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم کے نکاحوں کا ہمارے اصل مسئلہ سے بنیادی طور پر تعلق نہیں ہے کیونکہ ہم صرف سادات کے نسب اور کفوء میں بحث کر رہے ہیں جو کہ سیدہ فاطمۃ الزہراء کی جانب سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتا ہے کیونکہ سید بمعنی نسبی صرف وہی ہیں جو کہ فاطمۃ الزہراء کی نسل سے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان تین صاحبزادیوں پر اگر سید کا لفظ بولا جاتا ہے تو وہ بمعنی لغوی بمعنی معزز ہے، سید بمعنی نسبی اور عرفی صرف خاتون جنت کی اولاد پر بولا جاتا ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ جب ہم صرف سادات کے نسب اور کفوء میں بحث کر رہے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے مطہر للحکم ہے تو اب ظاہر ہے کہ حضرت زینب[1]، حضرت رقیہ[2]، اور حضرت ام کلثوم[3] کے نکاحوں کو سائل کا بطور دلیل پیش کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

سوال :- سیدہ فاطمہ بنت امام حسین علیہ السلام پہلے حسن مثنیٰ کے نکاح میں تھیں۔ حسن مثنیٰ کی وفات کے بعد انہوں نے حضرت عبداللہ سے نکاح کیا جو حضرت عثمان بن عفان کے حقیقی پوتے تھے۔ اس نکاح سے بھی ثابت ہوا کہ سیدہ کا نکاح غیر سید کے ساتھ ہو سکتا ہے بشرطیکہ سیدہ اور اس کا ولی راضی ہوں۔

---

[1] حضرت سیدہ زینب سلام اللہ علیہا المتوفاۃ ۸ھ

[2] حضرت سیدہ رقیہ سلام اللہ علیہا المتوفاہ ۲ھ

[3] حضرت سیدہ ام کلثوم سلام اللہ علیہا المتوفاۃ ۹ھ

جواب :- سیدہ فاطمہ (صغریٰ) بنت امام حسین علیہ السلام کے نکاح کا ذکر جیسے کہ اہل سنت وجماعت کی کتابوں میں آیا ہے اسی طرح اہل تشیع کی کتابوں میں بھی آیا ہے۔ دیکھئے بحوالہ "مسالک الافہام" دسویں صدی ہجری کے ایک شیعہ عالم زین الدین عاملی شہید ثانی[1] نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن عثمان نے فاطمہ بنت حسین کے ساتھ نکاح کیا۔ چونکہ اس نکاح کا زمانہ اموی دورِ حکومت تھا۔ یہاں بھی شیعہ راویوں نے اس حکومت کی زیادتی اور جبر کا ذکر کرتے ہوئے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس اموی دورِ حکومت میں ہر اعتبار سے اہلبیت پر ظلم ہوتا رہا ہے یہاں تک کہ اموی خاندان کے تشدد و جبر سے اہلِ بیت کرام کی مستورات بھی محفوظ نہ رہ سکیں۔ بایں وجہ یہ روایت بھی اختراع کر لی گئی کہ خلیفہ ثالث عثمان بن عفان کے پوتے نے حسن بن مثنیٰ کی وفات کے بعد ان کی بیوہ فاطمہ صغریٰ کے ساتھ شادی رچالی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ سیدہ فاطمہ صغریٰ جو کہ کربلا اور کوفہ و دمشق کے مصائب اپنی پھوپھی سیدہ زینب سلام اللہ علیہا سے سن چکی تھیں۔ حضرت حسن مثنیٰ[2] کی وفات کے بعد وہ ایک اموی شہزادے کے ساتھ کیسے نکاح کر سکتی تھیں۔ جس سے واضح ہے کہ یہ روایت بھی درایۃً موضوع ہے اور شیعہ راویوں کا اختراع ہے۔ اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ یہ نکاح فی الواقع ہوا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ کسی شخص کا ذاتی اور انفرادی معاملہ جو ہے اس سے شرعی اصول متاثر نہیں ہوتے جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں جو نکاح غیر کفو میں ہوئے ہیں چونکہ وہ کسی مصلحت پر مبنی تھے لہذا وہ اصل مسئلہ "کفاءت" پر اثر انداز نہیں ہوئے یعنی اصل مسئلہ اپنی شرعی حیثیت پر باقی رہا ہے۔ اس میں کسی قسم کی کمی وبیشی واقع نہیں ہوئی۔ "صاحب معارف القرآن" لکھتے ہیں کہ نکاح میں کفاءت و مماثلت کی رعایت کرنا دین میں مطلوب ہے تاکہ زوجین میں موافقت رہے۔

---

[1] آٹھویں صدی ہجری میں فقہ جعفریہ کی فقہی طرز پر ایک کتاب "لمعہ دمشقیہ" شیعہ کے فقیہ عالم محمد جمال الدین مکی نے لکھی جس میں وہ ایسا گندہ مواد لایا جس کے بدلے اس کو واجب القتل قرار دے کر قتل کر دیا گیا اور شیعہ نے اس کو شہید اول قرار دیا۔ پھر دسویں صدی ہجری میں ایک اور شیعہ مذہب کے عالم زین الدین نے "لمعہ دمشقیہ" کی شرح "روضۃ البہیہ" لکھی۔ اس کو بھی اس وقت کی اسلامی حکومت نے تختہ دار پر لٹکایا اور شیعہ نے اس کو شہید ثانی قرار دیا۔ یہ شہید ثانی لکھتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ صغریٰ نے حسن مثنیٰ کی وفات کے بعد عبداللہ بن عمرو کے ساتھ جو کہ خلیفہ ثالث کے پوتے ہیں نکاح کر لیا تھا۔ (مفتی غلام رسول)

[2] حضرت حسن مثنیٰ بن امام حسن مجتبیٰ المتوفی ۹۷ھ ، ۱۲

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لڑکیوں کا نکاح ان کے اولیاء کے ذریعہ ہونا چاہیئے یعنی بالغ لڑکی کو بھی یہ مناسب نہیں ہے کہ اپنے نکاح کا معاملہ خود طے کرے۔ حیا کا تقاضا یہ ہے کہ یہ کام اس کے والدین اور اولیاء کریں اور فرمایا کہ لڑکیوں کا نکاح ان کے کفوؤ میں ہی کرنا چاہیئے۔ امام امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت فاروق اعظم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں یہ حکم جاری کروں گا کہ کسی بڑے اونچے معروف خاندان کی لڑکی کا نکاح دوسرے کم درجے والے سے نہ کیا جائے۔ اگر کسی مصلحت کی بنا پر غیر کفوؤ میں نکاح کیا گیا ہے تو اس سے اصل مسئلہ کفارت کی نفی نہیں ہوتی اور نہ ہی اس سے اصل مسئلہ پر اثر پڑتا ہے۔ (معارف القرآن ص۱۵۲ ج ۷)

اگر فی الواقع حضرت فاطمہ صغریٰ نے عبداللہ بن عمرو سے نکاح کیا تھا تو یہ ان کا انفرادی کام تھا جس سے شرعی اصول پر زد نہیں پڑتی اور نہ ہی شرعی اصول کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ چونکہ سادات کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے مطرد للحکم ہے لہٰذا سیدزادی کا ہم کفوؤ سید ہی ہوگا۔ اگر کسی سیدزادی نے غیر سید کے ساتھ اپنی مرضی اور ولی کی رضا سے نکاح کر لیا تو یہ نکاح منعقد ہی نہ ہوگا اور نہ ہی ان کی رضا سے جو غیر کفوؤ میں نکاح منعقد نہ ہونے کی علت ہے وہ مرتفع ہوگی بلکہ اس نکاح کی وجہ سے جو اہل بیت کرام اور سادات کی ہتک ہوئی ہے وہ ختم نہیں ہوگی بلکہ آئے دن اس میں اضافہ ہوگا صرف ہتک ہی نہیں بلکہ تضحیک بھی ہے جو کہ شرع اور عرف دونوں میں ناجائز ہے۔

سوال: حضرت سیدہ زینب علیہا السلام جو کہ حضرت علی کی حقیقی بیٹی اور حضرات حسنین کریمین کی سگی بہن تھیں، کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفر کے ساتھ ہوا۔ حضرت عبداللہ بن جعفر سید نہیں تھے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدزادی کا نکاح غیر سید کے ساتھ ہو سکتا ہے۔

جواب: ہم معارف القرآن کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک یا صحابہ کے زمانہ میں یا بعد میں جو ایسے نکاح ہوئے ہیں ان سے اصل مسئلہ متاثر نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں وہ نکاح جو کہ ضرورت شدیدہ اور حاجت لابدیہ کے پیش نظر غیر کفوؤ میں ہوا ہے، وہ صرف اور صرف ضرورت کی بنا پر ہوا ہے اور فقہاء نے یہ ضابطہ بیان کیا ہے الضرورات تبیح المحظورات کہ مجبوریاں حرام کو بھی مباح کر دیتی ہیں۔ (الاشباہ والنظائر ص۹۴) جب یہ ضرورت مرتفع ہو جائے تو اصل حالت واپس لوٹ آئیگی کیونکہ یہ اباحت بوقت ضرورت اور بقدرت ضرورت ہوئی ہے۔

اور یہ بھی قاعدہ ہے ما ابیح للضرورۃ یتقدر بقدرھا، اور یہ بھی ہے ماجاز لعذر بطل بزوالہ کہ جو ضرورت کے لیے مباح ہوگا وہ بقدر ضرورت ہوگا۔ (الاشباہ والنظائر ص۹۵) اسی کے فروعات سے ہے المضطر لایاکل من المیتۃ الاقدر سد الرمق کہ مجبور کے لیے مردار کا کھانا صرف اتنا ہی جائز ہے جس کے ساتھ اس کی زندگی محفوظ رہے۔ نہ زیادہ کھائے اور نہ ہی اس وقت کھائے جب ضرورت ختم ہو جائے۔ سائل نے جس نکاح کا ذکر کیا ہے وہاں سیدہ زینب علیہا السلام کے لیے چونکہ کوئی سید رشتہ نہ تھا اور نہ ہی اس وقت یہ ممکن تھا لہذا اس ضرورت کے ماتحت عبد اللہ بن جعفر کے ساتھ نکاح ہوا، اب جب کہ یہ ضرورت باقی نہیں ہے۔ تو اصل مسئلہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہی شرعی حکم ہوگا کہ اگر کسی سیدزادی نے اپنی مرضی اور اپنے ولی کی رضا سے کسی غیر سید کے ساتھ نکاح کیا تو نکاح ہرگز ہرگز منعقد نہیں ہوگا کیونکہ غیر کفو میں نکاح ہونے سے خون کی ملاوٹ ہوگی جس سے نسب رسول میں عیب واقع ہونا لازم آئے گا۔ کیونکہ سادات کا نسب آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک منتہی ہے۔

صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی المتوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں کہ مثلاً سید دنیا میں کروڑوں پائے جائیں گے مگر بجانب ماضی میں ان کی نہایت سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ذات پر ہوگی۔ (تفسیر خزائن العرفان ص۱۳) اس سے ظاہر ہے کہ سادات کے نسب کی انتہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک پر ہو رہی ہے۔ اگر کوئی سید زادی غیر کفو میں نکاح کرتی ہے تو اس سے اس کے نسب میں بہت بڑا عیب ہوگا کیونکہ یہ سید زادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کے ساتھ اگر غیر سید نے نکاح کیا تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب پاک کی ہتک ہے۔ لہذا اس ہتک حرمت کی وجہ سے یہ نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

سوال:۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں کہ سید زادی کا نکاح مغل پٹھان کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔

جواب:۔ ہم پہلے بحث کفو میں لکھ آئے ہیں کہ ظاہر روایت یہ ہے کہ عربیہ عورت کا عجمی مرد کفو نہیں ہے خواہ وہ عالم اور بادشاہ ہی کیوں نہ ہو۔ جب ایک عجمی عالم اور بادشاہ عربی عورت کا ظاہر روایت کے مطابق کفو نہیں ہو سکتا تو پھر یہ عجمی مرد سیدہ کے لیے کیسے کفو ہو سکتا ہے اور یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ فتویٰ ظاہر روایت

کے مطابق ہوتا ہے بالخصوص جبکہ ظاہر روایت کے متعلق یہ کہا جائے کہ یہ صحیح ہے اور یہ ہی مذہب ہے اس کے سوا مشائخ کے تفقہات ہیں۔ ایسی ظاہر روایت کے خلاف اگر کوئی فقیہ فتویٰ دیتا ہے تو وہ اس کے تفردات سے ہے جو کہ قابلِ عمل نہیں ہے۔ دیکھئے علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں ، وکلہ تفقیہات المشائخ وظاھر الروایۃ ان العجمی لایکون کفوًا للعربیۃ (بحرالرائق ۱۴۱) یعنی یہ کہنا کہ عجمی عالم یا عجمی بادشاہ عربی عورت کا کفوٗ ہو سکتا ہے یہ تفقہات مشائخ سے ہے اصل ظاہر روایت یہ ہے کہ عجمی مرد عربی عورت کا کفوٗ نہیں بن سکتا۔ اور جب عجمی مرد عربیہ عورت کا ہم کفوٗ نہیں ہو سکتا تو ان کا باہمی نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے " نکاح غیر کفوٗ میں باطل محض ہے اصلاً منعقد نہیں ہوگا" جب عجمی مرد کا عربیہ عورت کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا تو عجمی کا سیدہ کے ساتھ کیسے نکاح ہو سکتا ہے۔ اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہٗ نے فتاویٰ رضویہ میں جو ذکر کیا ہے کہ سید زادی کا نکاح غیر سید کے ساتھ ہو سکتا ہے، چونکہ یہ مسئلہ اور فتویٰ ظاہر روایت کے خلاف تھا اس لیے آپ نے اس مسئلہ کے تحت کوئی دلیل تک ذکر نہیں کی اور نہ ہی کسی کتاب کا حوالہ ذکر کیا ہے ورنہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہٗ کا فتاویٰ رضویہ میں یہ طریقہ ہے کہ آپ ہر مسئلہ کے ساتھ اس کی دلیل یا سند ذکر کرتے ہیں۔ اگر کسی مسئلہ کے تحت ایک جگہ دلیل ذکر نہیں کرتے تو دوسرے مناسب مقام پہ ذکر کر دیتے ہیں۔ لیکن مسئلہ چونکہ ظاہر روایت کے خلاف تھا لہٰذا آپ نے اس کی دلیل نہ بیان کر کے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ یہ فتویٰ ظاہر روایت کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابلِ اعتماد نہیں ہے اور یہ تفقہات اور تفردات سے ہے اور تفقہات مشائخ بقول علامہ ابن نجیم نظر انداز کیے جاتے ہیں۔ چونکہ اس مسئلہ میں مغل پٹھان کا ذکر کر کے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی متفرد ہوئے ہیں، ہم آپ کے

ے فتاویٰ رضویہ تیرہویں صدی ہجری کے عشرہ آخر اور چودھویں صدی ہجری کے ربع اول میں لکھا گیا ہے۔ اس کے مصنف امام اہل السنۃ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان فاضل بریلوی المتوفی ۱۳۴۰ھ ہیں۔ آپ کا یہ فتاویٰ رضویہ، جامع، مبسوط، مدلل، مبرہن ہے۔ یہ ضخیم فتاویٰ رضویہ بارہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اعلیٰ حضرت کو تمام علوم عقلیہ و نقلیہ پر مکمل عبور تھا۔ آپ کا فتاویٰ رضویہ میں فتویٰ نویسی کا یہ طریقہ ہے کہ جو آپ کے سامنے مسئلہ پیش کیا جاتا ہے اس امر مسئول کے کسی پہلو کو بھی تشنہ بحث و تنقیح نہیں چھوڑتے۔ اس کے تمام پہلوؤں پر قوی استدلال پیش فرماتے ہیں کتب متقدمین و متاخرین، متون اربعہ ان کے شروح اور حواشی و تعلیقات کے علاوہ احادیث نبویہ اور ساتھ ساتھ ان احادیث پر جرح و تنقید اور تخریج احادیث کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ ۱۲

(مفتی غلام رسول)

تفردات و تفقہات کے قبول کرنے کے پابند نہیں ہیں۔ لہذا سائل کا اعلیٰ حضرت کے اس تفقہ اور تفرد کو بطورِ سند اور دلیل پیش کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ اور نہ ہی فقہاء کے تفقہات اور تفردات سے شرعی اصول متاثر ہوتے ہیں۔ اور نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے سادات کے نسب کا اطراد حکمً ہے اور سید زادی کا ہم کفوء سید ہی ہوگا۔ اگر کسی سید زادی نے غیر سید کے ساتھ اپنی اور ولی کی رضا سے نکاح کر لیا تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوگا اور نہ ہی ان کی رضا سے ہتکِ اہلِ بیت ختم ہو گی بلکہ باہمی رشتہ ازدواجی میں منسلک ہونے کے بعد تضحیک وتذلیل شروع ہو گی۔ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ غیر کفوء میں نکاح کے عدم جواز کا بالکلیہ فتویٰ دیا جائے گا جہاں عار و ننگ اور شرم ہو وہاں کفوء نہیں ہوگی اور جہاں کفوءنہ ہو وہاں مفتیٰ بہ روایت کے مطابق بالکلیہ نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ (فتاوی جماعتیہ ص۲۴۹ ج ۱) سادات سے اگر کوئی عورت اپنی اور اپنے ولی کی رضا سے کسی غیر سید مرد کے ساتھ نکاح کر لیتی ہے تو ان دونوں کی انفرادی رضا سے سادات کے نسب سے ننگ و عار ختم نہیں ہوگا بلکہ سادات کا نسب اتنا طیب وطاہر ہے کہ اس کا خون کسی دوسرے نسب کے خون کے ساتھ مختلط ہونے کا متحمل نہیں ہے۔ اگر کسی عجمی خون کے ساتھ اس کی ملاوٹ ہو گئی تو جیسے یہ عرف میں ننگ و عار تصور کیا جائے گا اسی طرح شرع میں اس کو ننگ و عار سمجھا جائے گا کیونکہ سادات کے نسب کے احترام پر نصوص شرعیہ وارد ہیں۔ جو اس نسب کے لیے عرف میں عیب ہوگا وہ شرع میں بھی عیب ہوگا۔ اور جہاں عیب ہوگا وہ کفوء نہیں ہو گی اور جہاں کفوء نہیں ہوگی وہاں اصلاً نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ چنانچہ سید زادی کا نکاح غیر سید کے ساتھ بنیادی طور پر نہیں ہو گا۔

سوال:- علامہ عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں کہ اگر کسی غیر سید نے سیدہ کے ساتھ نکاح کر لیا تو اس کے آدابِ معاشرت سے یہ ہے کہ یہ نکاح کرنے والا اپنے دل میں اس بات کو راسخ کرلے کہ وہ اس سیدہ کے حکم اور اشارے کے تحت ازدواجی زندگی گذارے گا اور اس کے آگے ازروئے احترام جوتی پہننے کے لیے پیش کرے گا۔ جب وہ اس کے سامنے آئے گی تو تعظیماً کھڑا ہو جائے گا۔ اس پر سوت لاکر نہیں بٹھائے گا۔ اس پر دائرہ معیشت اس کی رضا کے بغیر تنگ نہیں کرے گا۔ جب امام شعرانی غیر سید کے لیے سیدہ کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے آداب اور طریقے بیان کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ غیر سید کے لیے سید زادی کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔

جواب:- پڑھنے سے پہلے امام شعرانی شافعی کے اس مسئلہ کے متعلق مختلف اقوال پڑھ لیجئے لکھتے

ہیں، ومن جملة الادب مع الشرفاء ان لا نتزوج لھم مطلقة او زوجة ماتوا عنھا (لطائف المنن
ص۱۰۱) کہ سادات کے ادب سے یہ بھی ہے کہ سید کی مطلقہ بیوی غیر سیدہ سے یا بیوہ غیر سیدہ کے ساتھ ہم
نکاح نہ کریں جس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اس سید کی توہین ہے۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ ولی جو فوت ہو گیا
ہے اس کی بیوہ سے بھی نکاح نہ کرنا چاہیئے فصار کل من تزوجھا یعطبہ، کہ جو شخص اس ولی کی بیوی
کے ساتھ نکاح کرے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ ص۲۳، ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں وقد تزوج جماعة
بنات مشائخھم فجرھم ذالك الى العطب، ص۱۴۸ کہ مشائخ (پیر و مرشد) کی بیٹیوں سے نکاح نہ کرنا
چاہیئے اور جن لوگوں نے اپنے پیر و مرشد کی بیٹیوں سے نکاح کیا وہ آخر میں ہلاک ہو گئے۔ ایک اور جگہ لکھتے
ہیں وکذالك لا نتزوج شریفة الا ان كان احدنا یعرف من نعمة القدرة على القيام بواجب
حقھا کہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی سید زادی کے ساتھ نکاح نہ کرے مگر یہ کہ وہ حقوق واجبہ
کو کماحقہ ادا کرے گا اور اس سیدہ کے حکم کے تحت ازدواجی زندگی بسر کرے گا اور اس کے سامنے از روئے
احترام کے جوتی پہننے کے لیے رکھے گا اور جبھی وہ اس کے سامنے آئے تو تعظیماً کھڑا ہو گا۔ اس پر سوت لا کر نہیں
بٹھائے گا اور اس پر دائرہ معیشت تنگ نہیں کرے گا (لطائف المنن ص۱۰۱) یہ تھے امام شعرانی کے متفرق
اقوال، ان کے برعکس ہم پہلے "رشفة الصادی" کے حوالہ سے لکھ آئے ہیں کہ شافعیہ سے صاحب "تلخیص" اور صاحب
"روضہ" نے کہا ہے کہ سادات کا نسب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے مطرد للحکم
ہے۔ چونکہ ان لوگوں نے مسئلہ کفاءت میں اس کو مطرد للحکم تسلیم کیا ہے اور زیر بحث مسئلہ کا تعلق بھی بنیادی
طور پر کفاءت سے ہے لہذا صاحب رشفہ اور صاحب تلخیص اور صاحب روضہ کا قول راجح ہے اور امام شعرانی کا
قول مرجوح ہے اور ہمیشہ راجح قول پر عمل ہوتا ہے اور مرجوح قول پر نہیں لہذا عبدالوہاب شعرانی کا قول معتبر نہیں
ہے، نیز امام شعرانی فرماتے ہیں کہ ادب سے یہی ہے کہ کوئی غیر سید سید زادی سے نکاح نہ کرے۔ اگر کوئی عجمی
بے ادب ایسی جرأت کرتا ہے اور سیدہ کے ساتھ نکاح کرتا ہے تو اس کو ازدواجی زندگی نہایت مؤدب ہو کر
گذارنا پڑے گی یہاں تک کہ اس کو اس سیدہ بیوی کی جوتی اٹھا کر اس کو پیش کرنا ہو گی اور جبھی وہ سیدہ
بیوی اس کے سامنے ہو یہ تعظیماً کھڑا ہے، اس کے کھانے پینے وغیرہ کا اچھا انتظام کرے لیکن سوال یہ ہے کہ جب
اس نے نکاح کرتے وقت ادب کی رعایت نہیں کی تو اب بے ادب ہونے کے بعد کیا وہ اپنی بیوی کی جوتی
اٹھائے گا، اس کی تعظیم کے لیے وہ کھڑا ہوتا رہے گا، کیا وہ ہر حکم اس بیوی کا بجا لائے گا ایسا آدمی مناف

مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے علامہ شعرانی لکھتے ہیں ان من الادب ان لا یتزوج احد ناشریفة کہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ ہم سے کوئی شخص سادات کی لڑکی سے نکاح نہ کرے کیونکہ نکاح کرنے کے بعد وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کی توہین کا مرتکب ہوگا۔ سادات تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون اور اولاد ہیں۔ جو لوگ مؤدب ہوتے ہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد تو کجا بلکہ جو حضور کی طرف چیز منسوب ہو، حضور کا ملک، حضور کا شہر، بلکہ حضور کے شہر کے رہنے والے کتے جو ہیں ان کا بھی ادب کرتے ہیں۔

آیئے ہم تھوڑے وقت کے لیے قارئین حضرات کو ایک عظیم شخصیت اور دنیائے اسلام کے بہت بڑے مذہبی رہنما، عاشق رسول، منبع ارشاد، مرجع افراد، قوم وملت کے امیر اور محدث کے واقعہ پڑھنے کی دعوت دیتے ہیں جو کہ ادب سے لبریز ہے۔ لیجئے پڑھیئے۔

(مدینہ منورہ کی) گلی میں ایک کتا دکھائی دیا تو ایک ناسمجھ آدمی کی رگ شرارت پھڑکی، چلتے چلتے اس نے ایسا موقعہ نکالا کہ کتا اس کے قریب ہوگیا۔ اس بے زبان کتا کا منہ اس شریر النفس کی طرف نہ تھا اسلیے اسے ڈر نہ ہوا ورنہ بھاگ کھڑا ہوتا۔ ادھر یہ ایذا رساں موقعہ کی تاک میں تھا، جیسے ہی غافل کتا اس سے قریب ہوا اس ظالم نے کس کے ایک لاٹھی کتے کو رسید کی۔ وہ غریب چیختا چلاتا بھاگا، اسے کیا معلوم تھا کہ یہ ناگہانی مصیبت اس پر پڑے گی۔ اچانک یہ مصیبت ٹوٹی تو حال یہ ہوا کہ اس سے برابر چلا بھی نہ جاسکتا تھا جان بچانے کے لیے دوڑا تو تین ٹانگوں پر کیونکہ ایک ٹانگ بے کار ہوگئی تھی۔ ادھر یہ غریب درد سے چیختا چلاتا تھا ادھر وہ لاٹھی باز کھل کھلا کر ہنستا جارہا تھا۔ فخر سے اس کا سینہ پھول گیا تھا کہ جیسے اس نے کوئی بڑا تیر مارا ہو۔

"انوار الصوفیہ" میں ہے یہ واقعہ مدینۃ النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ایک گلی میں پیش آیا، اسی گلی میں مسجد نبوی کا باب السلام کھلتا ہے۔ اس دروازے سے قریب چند کتے لیٹے ہوئے تھے انہی میں یہ غریب کتا بھی تھا جس کی ٹانگ ناحق توڑ دی گئی تھی۔ اتفاق کہیے یا اللہ کی مرضی کہ عین اسی وقت اس گلی میں ایک اللہ والے داخل ہوئے آگے سے کتا لنگڑاتا چیختا چلاتا آیا تو یہ لوگ رک گئے ان کے ساتھ اور بھی لوگ تھے کچھ شاگرد، کچھ اہل علم، کچھ عقیدت مند۔ یہ مرد بزرگ وہ تھے جنہوں نے سات برس کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا تھا۔ اپنے وقت کے بڑے بڑے اساتذہ سے علم حاصل کیا، نہ جانے کتنے کافر ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ طول وعرض ہمالہ میں ہزاروں آدمی ان کے مرید تھے۔ وہ ہر سال حج بیت اللہ کے موقع پر حاضری کے لیے کوشاں رہتے اور زیادہ وقت مدینہ منورہ میں گذارتے تھے۔ یہاں کا ذرہ ذرہ ان کے لیے کوہ طور تھا۔ یہاں کے رہنے والے ایک

ایک شخص کا وہ احترام کرتے۔ وہ زمانہ ایسا تھا کہ عرب مفلوک الحال تھے۔ ارض ہمالہ سے جانے والے مسلمان اپنے ساتھ بہت کچھ لے جاتے اور وہاں لٹا کر شاد کام بامراد لوٹتے۔ انہی اللہ کے نیک بندوں میں یہ مسافر حرم بھی تھا زمینوں سے اچھی خاصی آمدنی ہوتی تھی۔ اکبر بادشاہ کے عہد میں ان کے بزرگ شیراز سے ہندوستان آئے اور پنجاب کے علاقے علی پور سیداں (سیالکوٹ) میں ٹھہر گئے تھے۔ شہنشاہ نے اس صوفی منش بزرگ کی خدمت میں گاؤں کے گاؤں نذر کر دیئے۔ زمینوں کے علاوہ مریدوں، عقیدت مندوں اور نظام حیدر آباد دکن کیطرف سے ان کے بیٹے (سید نور حسین شاہ نور اللہ مرقدہ) کو بہت کچھ پیش کیا جاتا سب جمع کر کے لے آتے اور دیارِ حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) میں لٹا دیتے۔ آدمی تو خیر اشرف المخلوقات ہے ان کے لیے مدینے کے جانور چرندے پرندے سب ہی قابلِ احترام تھے۔ باب السلام کی طرف یہی بزرگ جا رہے تھے کہ درد سے بے قرار لنگڑاتا ہوا کتا پاس سے گذرا، بہت عقیدت مند بھی ساتھ تھے پوچھا کیا معاملہ ہے۔ کسی نے بتایا کہ ایک بے درد مسخرے نے لاٹھی ماری ہے۔ یہ سننا تھا کہ وہیں ٹھہر گئے۔ کتے کو پاس بلایا کچھ دیر اسے چمکارتے رہے۔ مولوی داؤد غزنوی (غیر مقلد) اس وقت سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری کے ساتھ تھے۔ کہتے ہیں کہ کتے نے انہیں ہمدرد دیکھا تو زبان سے وہ ٹوٹی ٹانگ دکھا کر فریاد کرنے لگا۔ انہوں نے پگڑی اتاری اسے پھاڑ کر زخم پر باندھا ایک مرید سے فرمایا دوڑ کر جاؤ اور اس کے کھانے کے لیے کچھ لے آؤ۔ روٹی آگئی تو خود اپنے ہاتھوں سے اسے کھلائی اور پوچھا وہ کون ظالم تھا جس نے یہ حرکت کی۔ کسی نے کہا کہ حضرت جی! ہمارا وہ بھائی یہ کھڑا ہے حضرت جی اس کے پاس گئے بولے! تو نے یہ نہ دیکھا کہ مدینے شریف کا کتا ہے۔ (طوبیٰ ص۲۰۲)

یہ تھے قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین، محی الملت، مقیم السنۃ، حامی شریعت، امیر الملت الحاج الحافظ پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری نور اللہ مرقدہ جنہوں نے مدینہ منورہ کے کتوں کے احترام کرنے کی بھی تعلیم دی ہے آپ بھی زیر بحث مسئلہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ جو لوگ غیر سید ہو کر سیدزادیوں سے نکاح کرتے ہیں وہ اپنے آپ کو کیسے مسلمان کہہ سکتے ہیں۔ ہر نماز میں اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد پڑھتے ہیں اگر یہ نہ پڑھیں تو نماز نہیں ہوتی۔ پھر سیدزادیوں کے ساتھ نکاح کرتے ہیں حالانکہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ سیدہ کا نکاح غیر سید کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ (ملفوظات امیر ملت)

ظاہر ہے کہ جو شخص مسلمان ہے وہ جب نماز پڑھتا ہے تو اس میں وہ آلِ رسول پر درود پڑھتا ہے اور درود پڑھنے سے مقصد آلِ رسول کی عزت و تعظیم ہے۔ اگر نکاح کرے گا تو ظاہر ہے کہ حق زوجیت کی

صورت میں سیدہ بیوی کا احترام ہرگز برقرار نہیں رکھ سکے گا اور صرف نماز ہی نہیں بلکہ مسلمان کی کوئی عبادت اور دعا قبول نہیں ہوتی جب تک حضور اور حضور کی آل پر درود پاک نہ پڑھا جائے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دعا زمین اور آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے، جب دعا مانگنے والا درود پڑھتا ہے تو قبول ہوتی ہے۔ امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابوداؤد نے اپنی اپنی سند کے ساتھ فضالہ بن عبید سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے۔ ایک صاحب آئے انہوں نے نماز پڑھی پھر ان الفاظ اللھم اغفرلی وارحمنی، کے ساتھ دعا مانگی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے نمازی تم نے جلدی کی جب تم نماز پڑھو تو اول اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرو جیسے اس کی شان کے مناسب ہے پھر مجھ پر درود پڑھو پھر دعا مانگو۔ حضرت فضالہ بن عبید فرماتے ہیں پھر ایک اور صاحب آئے انہوں نے بعد از نماز اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھا تو حضور نے ان سے فرمایا نمازی دعا کر تمہاری دعا قبول کی جائے گی۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ کوئی دعا ایسی نہیں جس میں اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجاب نہ ہو یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجے۔ جب دعا مانگنے والا درود پڑھتا ہے تو وہ حجاب ختم ہو جاتا ہے اور دعا مقام قبولیت میں پہنچ جاتی ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں جب تم دعا مانگو تو اس میں درود کو بھی شامل کرو کیونکہ درود تو مقبول ہے۔ اللہ کے کرم سے یہ بعید ہے وہ کچھ قبول کرے اور کچھ رد کرے یعنی جو دعا درود کے ساتھ ہو گی وہ ضرور قبول ہو گی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ بھی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارا مجھ پر درود پڑھنا تمہاری دعاؤں کا حفاظت کرنے والا ہے اور تمہارے رب کی رضا کا بھی سبب ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دعا رکی رہتی ہے جب تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود نہ پڑھا جائے۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ جب تک درود پاک نہ پڑھا جائے کوئی دعا قبول نہیں ہوتی اور دعا جو ہے یہ عبادت کا خلاصہ اور مغز ہے اور جب دعا جو عبادت کا خلاصہ اور نتیجہ ہے یہ سوائے درود پاک کے قبول نہ ہو گی تو عبادت کیسے قبول ہو گی۔ جب عبادت اور دعا میں درود کا ہونا ضروری ہے تو ایک طرف آلِ محمد پر درود پڑھنا اور دوسری طرف غیر سید کا سیدزادیوں کے ساتھ نکاح کرنا یہ عملی تضاد ہے۔ جو آدمی عملی تضاد کا شکار ہو اس کی عبادت کیسے قبول ہو سکتی ہے۔ اسی لیے محدث علی پوری نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ جو غیر سید سیدزادیوں کے ساتھ نکاح کر لیتے ہیں وہ اپنے آپ کو مسلمان کیسے کہلا سکتے ہیں۔ یعنی

ایک طرف تو وہ نماز میں آلِ رسول پر درود پڑھتے ہیں جس میں ادب کا مظاہرہ ہے۔ دوسری طرف سید زادی کے ساتھ نکاح کر کے بے ادبی کا ارتکاب کرتے ہیں ایسے آدمی سے اسلامی تصورات کی کیا امید ہو سکتی ہے اور جو علامہ شعرانی کہتے ہیں کہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی غیر سید سید زادی کے نکاح نہ کرے اگر کرتا ہے تو اس سید زادی کی جوتی اٹھائے اور جب بھی سامنے آئے اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو جائے وغیرہ وغیرہ تو ہم کہتے ہیں کہ یہ تمام افعال و آداب جو بیان کیے گئے ہیں یہ نکاح کے مقصد کے خلاف اور الٹ ہیں کیونکہ ہم پہلے مبسوط کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں کہ نکاح کرنے کے بعد عورت مرد کی غلامی میں آجاتی ہے، جب عورت مرد کی غلامی میں ہوگی تو وہ مرد کی جوتی اٹھائے گی نہ کہ مرد اس کی جوتی اٹھائے گا۔ نکاح کا مقصد ہی یہ ہے کہ مرد عورت سے ہر جائز قسم کا فائدہ اٹھائے۔ نکاح کا شرعی معنی یہ ہے هو عقد یرد علی ملك المتعة قصداً۔ نکاح ایک عقد ہے جو وارد ہوتا ہے ملکِ متعہ پر قصداً، جس کا حاصل یہ ہے کہ شریعت کی اصطلاح اور زبان میں نکاح اس عقد مخصوص کا نام ہے جو بالقصد مفید ملک متعہ ہو یعنی اس کے ذریعہ مرد کا عورت سے نفع حاصل کرنا حلال ہو جس کی تفصیل یہ ہے کہ نکاح کے دو معنے ہیں ایک لغوی اور ایک اصطلاحی۔ اور معنے لغوی میں علمائے اہلِ لغت نے اختلاف کیا ہے جس میں چار قول ہیں۔

۱۔ نکاح کا لفظ وطی اور عقد کے درمیان لفظاً مشترک ہے، مشترک لفظی وہ ہے جو کہ زیادہ معنے کے لیے وضع ہو اور ہر معنے کے لیے وضع متعدد ہو جیسے کہ عین کا لفظ اپنے ہر معنے کے لیے وضع ہے سونے، آنکھ، زانو، پانی کا چشمہ وغیرہ۔

۲۔ کہ یہ ان دونوں معنوں میں معنًی مشترک ہے اور مشترک معنوی وہ ہے جو وضع تو ایک معنی کے لیے ہے لیکن اس معنی کے افراد کثیر ہیں جیسے کہ انسان یہ حیوان ناطق کے لیے وضع ہے لیکن افراد اس کے زیادہ ہیں جیسے کہ زید، عمرو، بکر، خالد وغیرہ

۳۔ نکاح کے اصل معنے عقد تزویج ہے اور وطی کے لیے اس کو مجازاً استعمال کرتے ہیں۔

۴۔ اس کے اصل معنی وطی کے ہیں اور عقد کے لیے یہ مجازاً استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے ثبوت میں ہر گروہ نے کلام عرب سے شواہد پیش کرنے کی کوشش کی ہے لیکن امام راغب اصفہانی نے پورے زور کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہے اصل النکاح العقد ثم استعیر للجماع ومحال ان یکون فی الاصل للجماع ثم استعیر للعقد لفظ نکاح کے اصل معنے عقد ہی کے ہیں پھر یہ لفظ مجازاً جماع کے لیے استعمال کیا گیا ہے، اور یہ بات محال ہے

کہ اس کے اصل معنے جماع کے ہوں اور استعارے (مجاز) کے طور پر اسے عقد کے لیے استعمال کیا گیا ہو، اس کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ جتنے الفاظ بھی جماع کے لیے عربی زبان یا دنیا کی کسی دوسری زبان میں حقیقتاً وضع کیے گئے ہیں وہ سب فحش ہیں کوئی شریف آدمی کسی مہذب مجلس میں ان کو زبان پر لانا پسند نہیں کرتا اب آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ جو لفظ حقیقتاً اس فعل کے لیے وضع کیا گیا ہو اسے کوئی معاشرہ شادی بیاہ کے لیے مجاز و استعارے کے طور پر استعمال کرے، اس معنے کو ادا کرنے کے لیے تو دنیا کی ہر زبان میں مہذب الفاظ ہی استعمال کیے گئے ہیں نہ کہ فحش الفاظ۔ جہاں تک قرآن اور سنت کا تعلق ہے ان میں نکاح ایک اصطلاحی لفظ ہے جس سے مراد یا تو مجرد عقد ما یا پھر وطی بعد عقد لیکن وطی بلا عقد کے لیے اس کو کہیں استعمال نہیں کیا گیا ہے اس طرح کی وطی کو تو قرآن اور سنت زنا اور سفاح کہتے ہیں نہ کہ نکاح۔ بعض علماء نے نکاح کا حقیقی معنے ملانا اور جمع کرنا کیا ہے، مشائخ حنفیہ سے اس معنیٰ کی تصریح بھی موجود ہے۔ چنانچہ صاحب محیط اور صاحب کافی اور دیگر محققین نے اس کو اختیار کیا ہے اور نکاح کا اصطلاحی معنیٰ اس عقد مخصوص کا نام ہے جو بالقصد ملک متعہ کا مفید ہو یعنی اس کے ذریعے مرد کا عورت سے نفع حاصل کرنا حلال ہو نیز ہر چیز کے لیے چار علتوں کا ہونا ضروری ہے۔ فاعلی، مادی، صوری، غائی۔ نکاح میں علت فاعلیہ مرد اور عورت ہیں اور علت مادیہ ایجاب و قبول ہے اور علت صوریہ اجزاء تصرف شرعی کا ارتباط ہے اور علت غائیہ استمتاع (عورت سے نفع حاصل کرنا) ہے۔

اب نکاح کے شرعی معنیٰ اور نکاح کی غرض و غایت سے ظاہر ہے کہ مرد نکاح اس لیے کرتا ہے کہ عورت سے ہر طرح کا جائز فائدہ اٹھائے، عورت اس کی خدمت کرے اور مرد کی جوتی اٹھائے۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو قلب موضوع لازم آئے گا جو کہ نکاح کے آداب کے منافی ہے۔ صحیح حدیث ہے کہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معجزہ طلب کیا تو حضور نے ارشاد فرمایا اس درخت کو جا کر کہو کہ تجھ کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بلاتے ہیں۔ حضرت بریدہ فرماتے ہیں کہ وہ درخت دائیں، بائیں، آگے اور پیچھے جھکا جس سے اس کی جڑیں ٹوٹ گئیں۔ پھر وہ زمین کو کھودتا اپنی جڑوں کو کھینچتا ہوا حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا السلام علیک یا رسول اللہ، اعرابی نے عرض کیا اس کو اپنی جگہ پر لوٹنے کا حکم فرمائیے تو حضور نے درخت کو حکم کیا وہ اپنی جگہ پر چلا گیا۔ اعرابی یہ معجزہ دیکھ کر عرض کرنے لگا حضور مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کو سجدہ کروں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر میں کسی کو یہ حکم فرماتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو بلاشک عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ

کرے۔ پھر اس نے عرض کیا مجھے اجازت دیجئے ان اقبل یدیك ورجلیك فاذن له کہ میں آپ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دوں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے یہ اجازت دے دی (شفا ۱۹ ج ۱)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ مرد کا حق اتنا فائق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر کسی کو سوائے اللہ تعالیٰ کے سجدہ جائز ہوتا تو میں حکم کرتا کہ عورت اپنے خاوند کو سجدہ کرے یہ نہیں فرمایا کہ مرد اپنی بیوی کو سجدہ کرے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ عورت کے حقوق نہیں ہیں بلکہ علمائے اسلام نے مرد اور عورت دونوں کے حقوق بیان کیے ہیں۔ دیکھئے لکھتے ہیں کہ بیوی پر خاوند کے اکیس حقوق ہیں۔

۱۔ مرد کی مرضی پوری کرے۔

۲۔ خاوند کی خوشنودگی کے لیے اپنے آپ کو آراستہ رکھے۔

۳۔ خاوند کے گھر سے بغیر خاوند کی اجازت کے کسی کو کوئی چیز نہ دے۔

۴۔ عورت اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ نہ رکھے۔

۵۔ خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلے۔

۶۔ خاوند کی غیبت نہ کرے اور نہ اس کا عیب ظاہر کرے۔

۷۔ اپنے کو نامحرم کی نظر سے بچائے۔

۸۔ خاوند کی پردہ دری نہ کرے۔

۹۔ خاوند کی مال کی حفاظت کرے۔

۱۰۔ اپنے گھر میں بیٹھی رہے اور خاوند کے دوستوں سے آشنائی نہ کرے۔

۱۱۔ خاوند کی اولاد پر جو پہلی بیوی سے ہے شفقت و مہربانی کرے۔

۱۲۔ اپنے حسن و جمال کی وجہ سے خاوند پر فخر نہ کرے۔

۱۳۔ اگر کسی وجہ سے خاوند محتاج ہو تو اس کو حقارت سے نہ دیکھے۔

۱۴۔ خاوند کے اختیار سے باہر فرمائش نہ کرے۔

۱۵۔ اگر خاوند بیمار ہو تو اس کی پوری طرح دیکھ بھال کرے۔

۱۶۔ اگر خاوند فقیر یا مریض ہو تو بیوی پر لازم ہے کہ سلائی یا دیگر کوئی کام کاج کر کے اس کو بھی کھلائے۔

۱۷۔ اوقاتِ عبادت میں خاوند کی مدد کرے۔

۱۸۔ بیوی کو خود بھی اپنے گھر کا کام کاج کرنا چاہیئے۔

۱۹۔ خاوند کو اچھائی سے یاد کرے۔

۲۰۔ خاوند کے لیے دعا کرے۔

۲۱۔ خاوند کے مرنے کے بعد چار ماہ دس دن غم اور سوگ کرے۔

اور خاوند پر بھی بیوی کے حقوق اکیس ہیں۔

۱۔ حق مہر ادا کرے۔

۲۔ طاقت کے مطابق خرچہ دے۔

۳۔ موسم کے مطابق کپڑے بنا دیا کرے۔

۴۔ تیسرے دن حق زوجیت ادا کرے۔

۵۔ ضروریاتِ زندگی کا سامان مہیا کرے۔

۶۔ اگر خود خوشبو وغیرہ استعمال کیا کرتا ہو تو اس کے لیے بھی خوشبو کا انتظام کرے۔

۷۔ عورت کو علیحدہ مکان رہنے کے لیے دے۔

۸۔ اگر ہو سکے تو عورت کے لیے خادمہ کا بندوبست کرے۔

۹۔ بیوی کو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، حیض و نفاس اور دیگر ضروریات دین کے مسائل سکھا دے۔ اگر خود علم نہیں رکھتا تو کسی عالم دین سے دریافت کرکے بیوی کو سکھائے۔

۱۰۔ عورت کو بلا وجہ ناراض نہ کرے۔

۱۱۔ ترش روئی اور سختی سے پیش نہ آئے۔

۱۲۔ عورت سے محبت سے باتیں کرے۔

۱۳۔ اگر طاقت ہو تو عورت کو زیور پہنائے۔

۱۴۔ عورت کے سامنے ان عورتوں کا ذکر نہ کرے جنہیں زیادہ جہیز ملا ہو۔

۱۵۔ اگر مرد کی ایک عورت مال دار ہو تو دوسری غریب ہو تو غریب کی بے عزتی نہ کرے۔

۱۶۔ بیوی کے رشتہ داروں سے اسی طرح برتاؤ کرے جیسے کہ اپنے رشتہ داروں سے کرتا ہے۔

۱۷۔ بیوی کو گالیاں نہ دے۔

۱۸۔ بیوی کو رشک نہ دلائے یعنی اس کے سامنے لونڈی پر ہاتھ نہ ڈالے۔
۱۹۔ بیوی پر خرچ کر کے احسان نہ جتائے۔
۲۰۔ سفر سے بیوی کے لیے تحفہ لائے۔
۲۱۔ بیوی کے مرنے کے بعد اس کے عزیزوں کے حقوق کی رعایت کا لحاظ رکھے۔

حدیث پاک میں ہے لا تؤدی المرأۃ حق ربہا حتی تؤدی حق زوجہا۔ عورت اپنے رب کے حق ادا نہیں کر سکتی جب تک وہ اپنے خاوند کے حقوق ادا نہ کرے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مرد کی یہ کوئی شرعی ذمہ داری نہیں ہے کہ اگر سید زادی کے ساتھ اس نے نکاح کیا ہے تو وہ اس کی جوتی اٹھائے پھرے اور نہ ہی یہ حقوق نکاح میں داخل ہے، اس کو نکاح کے اداب میں شمار کرنا ایک مضحکہ خیز بات ہے مرد خواہ کتنا ہی شریف النفس کیوں نہ ہو وہ اپنی بیوی کے جوتے اٹھانے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہے اور نہ ہی اٹھائے گا۔

سائل کا یہ سمجھنا کہ اگر سید زادی نے غیر کفو میں عجمی مرد کے ساتھ نکاح کر لیا اور وہ علامہ شعرانی کے پیش کردہ آدابِ معاشرت کے مطابق سید زادی کے ساتھ زندگی گذارے تو سید زادی اور سادات کی توہین نہ ہوگی، ایک ناقص بلکہ غلط خیال ہے۔ یہ ادب نہیں ہے کہ پہلے سید زادی کے ساتھ عجمی نکاح کرے پھر اس کا ادب کرنا شروع کر دے۔

سادات کا نسب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ملتا ہے اس کو عجمی خون کے ساتھ ملوث نہیں ہونے دینا چاہیئے۔ اس میں کسی قسم کا ادب نہیں ہے بلکہ خون کی ملاوٹ سے سنگین بے ادبی ہے۔

قارئین حضرات پیر سید حافظ جماعت علی شاہ محدث علی پوری کے واقعہ میں پڑھ چکے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد پاک تو کجا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر کے جو کتے ہیں ان کا ادب و احترام لازم ہے۔ جب سائل نے ادب کی بحث چھیڑ دی ہے تو اب ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے قارئین حضرات اہلِ بیت اطہار کے ادب کے سلسلہ میں بھی کچھ پڑھ لیں تو لیجئے پڑھیئے کہ ادب کو اسلام میں بہت بڑی اہمیت حاصل ہے عبادات، احکامات اور معاملات شرعیہ کو دیکھئے کہ ہر جگہ ادب کو اسلام نے مرکزی حیثیت دی ہے۔ اگر ادب نہ ہو تو دل میں تعظیم پیدا نہیں ہوتی۔ تعظیم نہ ہو تو انسان عبادات و احکامات اور معاملات کی تعمیل نہیں کرتا۔ جب تعمیل نہ ہو گی تو قرب خداوندی حاصل نہیں ہو گا۔ اسی لیے قرآن پاک میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے ادب واحترام کے انداز اور طریقے بتائے گئے ہیں کہ اگر تم چاہتے ہو کہ خدا کے محبوب بنو تو پہلے نبوت و رسالت کا احترام کرو تاکہ تمہیں محبت کی نعمت سے سرفراز کیا جائے اگر اس سلسلہ میں تم نے بے پرواہی سے کام لیا تو یاد رکھو تمہارے تمام اعمال صالحہ ضائع اور اکارت ہو جائیں گے۔ چنانچہ فرمایا، یاایھا الذین آمنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولاتجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون ۔ اے ایمان والو! نہ بلند کیا کرو اپنی آوازوں کو نبی کریم کی آواز سے اور نہ زور سے آپ کے ساتھ بات کیا کرو جس طرح زور سے تم ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہو اس بے ادبی سے کہیں ضائع نہ ہو جائیں تمہارے اعمال اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔ ضیاء القرآن میں ہے کہ آیت مذکورہ نازل ہونے کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آہستہ آہستہ کلام کرنے کو اپنا معمول بنالیا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ! مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ پر قرآن نازل فرمایا میں دم واپسیں حضور سے آہستہ آہستہ بات کروں گا۔ جب کوئی حضور سے ملاقات کے لیے مدینہ طیبہ پہنچتا تو حضرت صدیق اکبر ان کی طرف ایک خاص آدمی بھیجتے جو انہیں حاضری کے آداب بتاتا اور ہر طرح ادب واحترام ملحوظ رکھنے کی تلقین کرتا۔ صحابہ کرام جو پہلے بھی سراپا ادب واحترام تھے اس آیت کے نزول کے بعد مزید محتاط ہو گئے۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ جو قدرتی طور پر بلند آواز تھے اس آیت کے نزول سے ان پر تو گویا قیامت ٹوٹ پڑی۔ گھر میں بیٹھ رہے دروازہ کو قفل لگا دیا اور دن رات زاروقطار رونا شروع کر دیا۔ مرشد کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے جب ایک دو روز ثابت کو نہ دیکھا تو ان کے بارے میں دریافت کیا۔ عرض کیا گیا انہیں تو دن رات رونے سے کام ہے، دروازہ بند کر رکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلا بھیجا اور رونے کی وجہ پوچھی۔ غلام اطاعت شعار نے عرض کیا یارسول اللہ، میری آواز اونچی ہے مجھے اندیشہ ہے کہ یہ آیت میرے حق میں نازل ہوئی ہے میری تو عمر بھر کی کمائی غارت ہو گئی۔ اس دل نواز آقا نے تسلی دیتے ہوئے یہ مژدہ جانفزا سنایا، اماترضی ان تعیش حمیدا وتقتل شھیدا وتدخل الجنۃ کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ تم قابل تعریف زندگی بسر کرو اور شہید قتل کیے جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ"۔ عرض کیا اپنے رب کریم کی اس نوازش بے پایاں پر بندہ راضی ہے۔ علامہ ابن قیم المتوفی ۷۵۱ھ اس حدیث کے لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ جب مسیلمہ کذاب کے خلاف یمامہ کے مقام پر گھمسان کا رن پڑا تو مسلمانوں کے قدم

ڈگمگانے لگے ۔ حضرت ثابت اور حضرت سالم نے آپس میں کہا کہ عہدِ رسالت میں تو ہم کفار سے اس طرح نہیں لڑا کرتے تھے ۔ دونوں نے اپنے اپنے لیے گڑھا کھودا اور اس میں جم کر دشمن پر تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی حتیٰ کہ دونوں نے جامِ شہادت نوش کیا ۔ اسی روز حضرت ثابت نے ایک نفیس اور قیمتی زرہ پہن رکھی تھی ایک شخص آپ کی نعش کے پاس سے گذرا تو اس نے وہ زرہ اتار لی اور جاکر چھپا دی ۔ اسی شب حضرت ثابت نے ایک شخص کو خواب میں فرمایا میں تمہیں ایک وصیت کرتا ہوں ، خبردار ! یہ خیال نہ کرنا کہ یہ محض خواب ہے اور اس کی کوئی اہمیت نہیں ۔ سنو ! میں کل جب مقتول (شہید) ہوا تو ایک آدمی میرے پاس سے گذرا اور میری زرہ اتار لی ۔ اس کی رہائش گاہ پڑاؤ کے آخری کنارہ پر ہے ۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کے خیمے کے نزدیک ایک گھوڑا چر رہا ہے جس کے پاؤں میں ایک لمبی رسی بندھی ہے ۔ اس شخص نے میری زرہ پر ایک دیگچی الٹ رکھدیا ہے ، اس کے اوپر اونٹ کا کجاوہ ہے ، تم صبح حضرت خالد کے پاس جاؤ اور انہیں کہو کہ میری زرہ اس شخص سے لے لیں ۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب تم مدینہ طیبہ پہنچو تو حضرت صدیق کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنا کہ ثابت پر اتنا قرضہ ہے وہ ادا کر دیں اور میرے فلاں فلاں غلام کو آزاد کر دیں ۔ جب وہ شخص بیدار ہوا تو حضرت خالد کے پاس گیا اور اپنا خواب سنایا ، حضرت خالد نے وہ زرہ وہاں سے تلاش کر لی اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی وصیت کو عملی جامہ پہنایا ۔

جن خوش نصیبوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب ہوتا ہے ان کی رفعت شان کا کون اندازہ لگا سکتا ہے ۔ یقیناً اتنا بلند مرتبہ ادبِ رسول سے ہی ملا ہے ۔

معارف القرآن میں ہے کہ جب صلح حدیبیہ کے شرائط لکھے جانے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا لکھو ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ قریش کے نمائندہ سہیل نے یہیں سے بحث شروع کر دی اور کہا کہ لفظ رحمٰن اور رحیم ہمارے محاورات میں نہیں ہے ، آپ یہاں وہی لفظ لکھیں جو پہلے لکھا کرتے تھے یعنی " باسمک اللّٰھم " آپ نے اس کو بھی مان لیا اور حضرت علی سے فرمایا کہ ایسا ہی لکھ دو چنانچہ ایسا ہی لکھ دیا گیا ۔ اس کے بعد آپ نے حضرت علی کو فرمایا کہ یہ لکھو کہ یہ وہ عہد نامہ ہے جس کا فیصلہ محمد رسول اللہ نے کیا ہے ۔ سہیل نے اس پر بھی ضد کی کہ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے تو آپ کو ہرگز بیت اللہ سے نہیں روکتے ۔ صلحنامہ میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہونا چاہیئے جو کسی فریق کے عقیدہ کے خلاف ہو ۔ آپ صرف محمد بن عبداللہ لکھوائیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو بھی منظور فرما کر حضرت علی کرم اللہ

وجہہ سے فرمایا کہ جو لکھا ہے اسے مٹا کر "محمد بن عبداللہ" لکھ دو۔ حضرت علی نے باوجود سراپا اطاعت ہونے کے عرض کیا میں تو یہ نہیں کرسکتا کہ آپ کے نام کو مٹا دوں۔ نیز حضرت اُسید بن حُضیر اور سعد بن عبادہ نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کو ہرگز ہرگز نہ مٹائیں۔ اگر قریش نہیں مانتے تو ہمارے اور ان کے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔

آخر کار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلحنامہ کا کاغذ خود اپنے دست مبارک میں لیا اور آپ نے یہ لکھ دیا ھذا ما قاضی محمد بن عبداللہ وسھیل بن عمرو اصلحا علی وضع الحرب عن الناس عشر سنین یأمن فیہ الناس ویکف بعضھم عن بعض۔ یعنی یہ وہ فیصلہ ہے جو محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو نے دس سال کے لیے باہم جنگ نہ کرنے کا کیا ہے جس میں سب لوگ محفوظ رہیں۔ ایک دوسرے پر چڑھائی اور جنگ سے پرہیز کریں۔ (معارف القرآن ص۶۱ ج ۸)

یہ تھا نبوت اور رسالت کا حقیقی ادب جس کا ثبوت عملی طور پر حضرت علی المرتضٰی نے پیش کیا کہ حکم رسول کے باوجود نامِ رسول کو نہیں مٹایا۔

صاحب معارف القرآن ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آپ کی آواز سے زیادہ آواز بلند کرنا یا بلند آواز سے اس طرح گفتگو کرنا جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے محابا کیا کرتے ہیں، ایک قسم کی بے ادبی گستاخی ہے۔ قاضی ابوبکر ابن عربی المتوفی ۵۴۳ھ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم اور ادب آپ کی وفات کے بعد بھی ایسا ہی واجب ہے جیسا (ظاہری) حیات میں تھا۔ اسی لیے علماء نے کہا ہے کہ روضہ شریف کے سامنے بھی بلند آواز سے سلام و کلام کرنا ادب کے خلاف ہے۔ اور صاحب معارف القرآن یہ بھی لکھتے ہیں کہ علماء کرام اور مشائخ چونکہ انبیاء عظام کے وارث ہیں لہذا ان کا ادب و احترام بھی لازم ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے علماء اور مشائخ کا ادب ضروری ہے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد جو حضور کے حکم میں ہے ان کا ادب واحترام بس از حد ضروری ہے جبکہ ان کے ادب و احترام پر نصوص شرعیہ بھی وارد ہو چکے ہیں۔ صاحب رشفۃ الصادی لکھتے ہیں کہ ادب رسول سے یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہل بیت کا بھی ادب واحترام کیا جائے۔ علامہ عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر ایک احسان یہ بھی ہے کہ میں اہل بیت سے بغض نہیں رکھتا اور اولادِ رسول کا ادب کرتا ہوں کیونکہ جو حکم اصل کے لیے ثابت ہوتا

ہے وہ فرع کے لیے بھی ہوتا ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب فرض ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کا ادب بھی فرض ہے۔

ینابیع المودہ ص۳۷۹ میں ہے کہ جب ہشام بن[1] عبدالملک اپنے والد کے دورِ حکومت میں حج کرنے کے لیے گیا تو جب طوافِ کعبہ شروع کیا اور حجر اسود کو چومنے کا ارادہ کیا تو لوگوں کے زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ حجر اسود کو بوسہ نہ دے سکا اور پیچھے ہٹ گیا اور اس کے لیے ایک کرسی رکھی گئی جس پر بیٹھ کر لوگوں کو دیکھنے لگا۔ اس کے ساتھ ملک شام کے وزراء اور امراء بھی تھے۔ اسی اثنا میں امام زین العابدین علیہ السلام کعبہ کا طواف کرنے کے لیے تشریف لے آئے۔ امام زین العابدین علیہ السلام بہت بڑے خوبصورت تھے۔ لوگ آپ کو دیکھتے ہی رہ جاتے تھے، آپ نے طواف شروع کیا جب حجر اسود کے قریب پہنچے تو تمام لوگ آپ کے ادب و احترام کے لیے پیچھے ہٹ گئے اور آپ نے حجر اسود کو بوسہ دیا تو ایک شامی آدمی نے ہشام بن عبدالملک سے دریافت کیا یہ کون ہستی ہے جس کے ادب و احترام کے لیے لوگ حجر اسود سے پیچھے ہو گئے ہیں۔ ہشام نے کہا مجھے پتہ نہیں ہے، یہ اس نے تجاہل عارفانہ اس لیے کیا تاکہ شامی لوگ امام زین العابدین علیہ السلام کی طرف میلان نہ کریں ہشام کے قریب فرزدق (بہت بڑا شاعر) موجود تھا اس نے کہا میں جانتا ہوں یہ کون ہیں۔ شامی نے کہا فرزدق بتائیے یہ کون ہیں تو فرزدق نے امام زین العابدین کی شان میں ایک بلیغ و فصیح قصیدہ پڑھا جس کا پہلا شعر یہ ہے ؎

هذا الذی یعرف البطحاء وطأتهٗ والبیت یعرفهٗ والحل و الحرم

"یہ وہ ہیں جن کو سرزمین بطحاء پہچانتی ہے اور خانہ کعبہ اور حل و حرم بھی"۔

فرزدق نے کہا کہ اگر ہشام بن عبدالملک کہتا ہے کہ میں ان کو نہیں پہچانتا تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے

---

[1] ہشام بن عبدالملک امیہ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ خلافت راشدہ کے بعد جب دور سلطنت شروع ہوا تو پہلے بادشاہ اور امیر حضرت معاویہ بن سفیان المتوفی ۶۰ھ ہوئے جن کا دورِ حکومت انیس سال تین ماہ تھا۔ ان کے بعد یزید بن معاویہ تین سال اور کچھ ماہ اور اس کے بعد معاویہ بن یزید صرف چالیس دن اور اس کے بعد مروان بن حکم سات ماہ حاکم رہا۔ اس کے بعد عبدالملک بن مروان المتوفی ۸۶ھ۔ اس کے بعد ولید بن عبدالملک نو سال، اس کے بعد سلیمان بن عبدالملک دو سال، اس کے بعد عمر بن عبدالعزیز تین سال امیر رہے۔ ان کے بعد ہشام بن عبدالملک بن مروان المتوفی ۱۲۵ھ بادشاہ مقرر ہوا۔ (مفتی غلام رسول)

یہ وہ ذات ہے جس کو خانہ کعبہ، حل اور حرم جانتا ہے۔ تمام سرزمین بطحا جانتی ہے بلکہ عرب و عجم جانتے ہیں، تو نے دیکھا نہیں جب یہ حجر اسود کو بوسہ دینے لگے ہیں تو حجر اسود نے خود ان کے ہاتھوں کو چوم کر اپنے آپ کو معطر کر لیا ہے، تو بتا تو سہی دنیا میں کون ہے جس کی گردن میں ان کی نعمتوں کے ہار نہیں ہیں، یہ وہ ہیں جن کی محبت فرض عین ہے اور ان کے ساتھ بغض رکھنا کفر صریح ہے، اللہ کے ذکر کے بعد ان کا ذکر ہی تو مقدم ہے یہ اللہ کی زمین پر تمام سے بہتر ہیں ان کے ساتھ نہ کوئی شرافت میں برابر ہے اور نہ ہی سخاوت میں، یہ مصیبت کے وقت لوگوں کی امداد فرماتے ہیں۔

جب ہشام نے یہ مدح بھرا قصیدہ سنا تو حکم کیا کہ فرزدق کو قید کر دیا جائے۔ فرزدق کو مقام عسفان میں قید میں ڈال دیا گیا۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے جب یہ سنا تو آپ نے بارہ ہزار درہم فرزدق کو بھیجے۔ فرزدق نے یہ رقم واپس امام علیہ السلام کی خدمت میں بھیج دی اور یہ بھی عرض کیا کہ میں نے آپ کی تعریف اللہ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضا کے لیے کی ہے کوئی انعام کے حصول کے لیے نہیں۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے پھر یہ رقم واپس فرزدق کو عطا فرمادی اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ انا اهل البیت اذا وهبنا شیئاً لا نستعید ہ، جب ہم اہلِ بیت (رسول) کوئی چیز ہبہ کر دیتے ہیں تو واپس نہیں لیتے۔ فرزدق نے یہ قبول کر لیا۔

طوافِ کعبہ عبادت ہے، اہلِ بیت کا ادب جیسے کہ دیگر معاملات میں لازم ہے اسی طرح عبادات میں بھی لازم ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب امام زین العابدین علیہ السلام تشریف لائے تو تمام لوگ حجر اسود سے پیچھے ہوگئے جس سے ظاہر ہوا کہ اہلِ بیت اطہار کا ادب ہر صورت میں لازم اور ضروری ہے۔

حضرت علی بن عیسیٰ سے روایت ہے کہ کہتے ہیں کہ میں علویوں (سادات) کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرتا تھا ان میں سے ایک سید کو میں نے دیکھا جو کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی اولاد سے تھا وہ بے ہوش پڑا ہے اور اس نے قے کی ہوئی ہے اور مٹی میں لتھڑا ہوا ہے تو میں نے اپنے دل میں ارادہ کر لیا کہ اب اس سال اس سید کو اس کا مقرر کردہ وظیفہ اور روزینہ نہیں دوں گا۔ جب وہ میرے پاس آیا اور وظیفہ کا مطالبہ کیا تو میں نے کہا کہ فلاں دن میں نے تمہیں فلاں مقام پر بے ہوش پڑا ہوا دیکھا تھا تمہاری حالت ٹھیک نہیں تھی لہٰذا تم چلے جاؤ تمہارا روزینہ اور وظیفہ ہم نے بند کر دیا ہے۔ وہ سید واپس چلا گیا۔ جب میں رات کو سویا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ لوگ آپ کے پاس جمع ہیں میں

بھی آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا آپ نے اپنا چہرہ مبارک پھیر لیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آپ مجھ سے اعراض فرما رہے ہیں، میں تو آپ پر کثرت سے درود بھی پڑھتا ہوں اور آپ کی اولاد پاک سے احسان بھی کرتا رہتا ہوں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کل تو نے میرے ایک فرزند کو اپنے دروازہ سے خالی واپس کیوں کیا تھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں نے اس کو بُرے کام میں مشغول دیکھا تھا۔ میں نے اس کا وظیفہ اس لیے بند کیا تھا تاکہ گناہ پر اس کا معاون نہ بنوں۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا تو اسے میری وجہ سے دیتا تھا یا اس کو اس کی وجہ سے۔ میں نے عرض کیا حضور کی وجہ سے، تو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا میری وجہ سے اس کا پردہ بھی رکھنا چاہیئے تھا کیونکہ وہ میری اولاد سے ہے۔ میں نے عرض کی حضور مجھے یہ بات بسر و چشم قبول ہے۔ جب میں صبح بیدار ہوا تو اس سید کی تلاش میں میں نے ایک آدمی کو بھیجا، جب وہ آدمی ان کو لے کر آیا تو میں نے ان کو اندر بلایا اور دس ہزار درہم ان کی نذر کیے اور ان کو ادب و عزت سے نوازا اور ساتھ یہ بھی عرض کیا اگر کسی چیز کی ضرورت پڑے تو ہم کو بتا دیا کریں اور پھر ان کو واپس تشریف لے جانے کے لیے عرض کیا، انہوں نے کہا یہ بات تو بتا دیجیئے کہ کل تو آپ نے مجھے جواب دے دیا آج مجھے آپ بہت نواز رہے ہیں اس کی کیا وجہ ہے تو میں نے کہا آج رات میں نے یہ خواب دیکھا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مجھے آپ کے متعلق یوں فرمایا ہے، سید نے جب یہ بات سُنی تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اور پھر کہنے لگے کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ وعدہ کرتا ہوں کہ اس کے بعد کبھی معصیت اور گناہ نہیں کروں گا اور نہ ہی کبھی میرے نانا پاک (رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو میری طرف سے مدافعت کرنے کی ضرورت پیش آئے گی چنانچہ اس کے بعد انہوں نے کبھی گناہ نہ کیا۔ (رشفۃ الصادی ص ۲۳)

اس سے ثابت ہوا کہ حضور کی اولاد کا ادب حضور کی وجہ سے کرنا لازم اور ضروری ہے۔ کسی مسلمان کو یہ خیال ہرگز ہرگز نہ کرنا چاہیئے کہ سادات جب عمل اچھے نہیں کرتے تو ہم ان کا ادب و احترام کیوں کرتے ہیں، ہم ان کا ادب و احترام حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اولاد ہونے کی وجہ سے کرتے ہیں چنانچہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد و عترت ہیں لہذا ہم مسلمانوں پر ان کا ادب بھی لازم ہے۔ امام احمد بن حنبل نے مطلق حکم فرمایا ہے کہ اہلِ بیتِ رسول اور اولادِ رسول کا احترام فرض ہے۔ محی الدین ابن عربی کے پاس اگر کوئی سید تعلیم کے لیے آتا تو اس کو بلند جگہ پر بٹھاتے اور خود نیچے بیٹھتے۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام ابن عباس کے پاس تشریف لاتے تو ابن عباس امام زین العابدین کے ادب کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ حضرت عبد اللہ بن حسن المثنیٰ جب

عمر بن عبد العزیز (خلیفہ راشد) کے پاس آتے تو عمر بن عبد العزیز خود نیچے بیٹھتے اور ان کو بلند جگہ پر بٹھاتے۔ علامہ ابو بکر ابن شہاب الدین شافعی الحضرمی اپنی کتاب "رشفۃ الصادی" کے خطبہ میں فرماتے ہیں، تمام تعریفیں اس پروردگار کے لیے ہیں جس نے اپنے نبی کے اہل بیت کو عظیم مفاخر و مناقب سے آراستہ کیا اور انہیں عظیم مظاہر و مواہب کی وجہ سے قربت سے نوازا، انہیں اتنا بلند کیا کہ اس کی انتہا کو کوئی زبان اور کسی کا قلم بیان نہیں کر سکتا۔ اپنے ارادہ ازلی سے اس کریم خاندان کو پاکیزگی بخشی اور اعلیٰ مراتب و مناصب پر پہنچایا۔ فتنوں کی طغیانی کے وقت انہیں سفینۂ نجات بنایا، امت کے لیے انہیں پناہ گاہ ٹھہرایا جبکہ فتنوں کے جھکڑ چلیں۔ ہدایت کے ستارے بنایا جبکہ مصائب کی راتیں سیاہ پڑ جائیں انہیں ان کے نانا "رسول اللہ" کی قرابت ان کی والدہ ماجدہ فاطمہ زہرا بتول کی وجہ سے اور ان کے باپ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے واسطے سے مکرم و محترم بنایا، ہم اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں پر حمد کرتے ہیں اور اس کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہم کو آل نبی اور اہل بیت کی تعظیم و ادب کی توفیق دی۔

جب اہل بیت کا ادب و احترام ہر طرح سے فرض ہے تو کسی عجمی مرد کو سادات کی لڑکی سے نکاح نہ کرنا چاہیے کیونکہ نکاح سے عجمی خون کے ساتھ ملاوٹ ہوگی اس سے سادات کی سنگین توہین ہوگی۔ چنانچہ سادات کا نسب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے اتنا طیب و طاہر ہے اس کو کسی دیگر خون کے ساتھ ملوث نہیں ہونا چاہیئے یہی وجہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت زید بن حارثہ کو متبنٰی بنایا تو اللہ تعالیٰ نے اس متبنٰی والی رسم کو ختم فرما کر حضرت زید کو نسب رسول سے علیحدہ کر دیا۔ قرآن پاک میں ہے ادعوھم لآبائھم ھو اقسط عند اللہ بلایا کرو انہیں ان کے باپوں کی نسبت سے یہ انصاف کے زیادہ قریب ہے۔ تمام علماء تفسیر کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت حضرت زید کے حق میں نازل ہوئی ہے نیز حضرت زینب بنت جحش کے ساتھ بھی ان کی موافقت نہ ہو سکی کہ وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبی رشتہ دار تھیں صورت طلاق تک منتج ہوئی تاکہ متبنٰی والی غلط رسم کا خاتمہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت زید کا بہت زیادہ پیار تھا اور حضور بھی ان کی بہت قدر کیا کرتے تھے اور یہ ہی وہ زید ہیں جنہیں اس لشکر کا سپہ سالار بنایا گیا جو قیصر روم کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روانہ فرمایا تھا۔ ان کی قیادت میں اس روز بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ تھے۔ یہی وہ زید ہیں جنہوں نے غزوہ موتہ میں دو لاکھ دشمن کے سپاہ کے مقابلہ میں لشکر اسلام کی قیادت کی اور اسلام کے پرچم کو بلند رکھنے کے لیے اپنی جان کی قربانی دی۔ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی کے صدقے

میں تاجِ شہادت نصیب ہوا، اس آقا کی نظر کرم نے ان کے ذکر کو جاوداں بنا دیا۔ قرآن پاک میں انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی بڑے سے بڑے صحابی کا نام بھی ذکر نہیں کیا گیا بجز زید بن حارثہ کے۔ صاحب معارف القرآن لکھتے ہیں کہ بعض حضرات نے اس کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ ان کی نسبت ولدیت کو بحکم قرآنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قطع کیا گیا تو ان کے لیے بہت بڑے اعزاز سے محرومی ہوگئی اللہ تعالیٰ نے اس کا بدل اس طرح کر دیا کہ قرآن پاک میں ان کا نام لے کر ذکر فرما دیا اور لفظ قرآن کا ایک لفظ ہونے کی حیثیت سے اس کے ہر لفظ پر حسب وعدہ حدیث دس نیکیاں نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہیں ان کا نام جب قرآن میں پڑھا جائے تو صرف ان کے نام پر تیس نیکیاں ملتی ہیں۔

غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں حضرت زید بن حارثہ بہت مقتدر رہے آپ کو زید بن محمد کے نام سے پکارا جاتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب پاک میں غیر نسب کی شرکت ناپسند تھی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ حضرت زید کی مطلقہ بیوی سے نکاح کریں تاکہ متبنیٰ والی غلط رسم ختم ہو اور اس غلط رسم کو ختم کرنے کی وجہ اس پر مترتب ہونے والے نتائج کا خاتمہ بالخصوص حضرت زید کو نسب رسول سے علیحدہ کرنا مقصود تھا۔ جب حضرت زید بن حارثہ جیسا آدمی نسب رسول میں شریک نہیں ہو سکتا تو پھر ایک غیر سید عجمی اس نسب میں کیسے شریک ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اگر کسی سیدزادی نے اپنی رضا اور اپنے ولی کی رضا سے غیر سید مرد کے ساتھ نکاح کر لیا تو نکاح بنیادی طور پر منعقد نہیں ہوگا۔ اس پاک نسب میں عجمی کی شرکت اس نسب پاک کی سنگین توہین اور بے ادبی ہے۔ جہاں اولیاء کے لیے توہین اور ننگ وعار برقرار رہے وہاں ہی کفوء نہیں ہوتی اور جہاں کفوء نہ ہو وہاں نکاح نہیں ہوتا۔

اختتامیہ

جو مسئلہ زیر بحث ہے یہ کوئی معمولی نہیں ہے بلکہ نہایت ہی نازک ہے، ظاہر میں یہ ایک فقہی جزئیہ معلوم ہوتا ہے لیکن جہاں جاکر آخر میں اس کی تان ٹوٹتی ہے وہاں یہ ایک عقیدہ کا مسئلہ بن جاتا ہے۔ نسبِ رسول کے معاملہ میں تھوڑی سی کوتاہی بھی انسان کو ایمان سے کوسوں دُور لے جاسکتی ہے۔ لہٰذا میں نے نہایت ذمہ داری سے اس مسئلہ کی یہ تحقیق لکھی ہے اس سے میرا مقصد صرف اللہ اور اس کے رسول اور اس کے رسول کی اہلبیت کی رضامندی ہے۔ اس سے نہ کسی پر تنقید و اعتراض نہ دنیاوی مفاد اور نہ ہی کسی دنیادار کی رضا مقصود ہے۔

؎ کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا

میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارہ نان نہیں

ہر مسلمان کا یہ فریضہ ہے کہ وہ ہر صورت میں اہل بیت نبوی کا ادب و احترام ملحوظ خاطر رکھے تمام لوگوں کے نسب سے جو اہلِ بیت اطہار کے نسب کو عظمت و برتری اور پاکیزگی عطا فرمائی گئی ہے وہ کسی اور کو نہیں ملی ان کے نسب کے ہم مثل ہونا تو کجا شریک و سہیم ہونے کا تصور کرنا بھی ایک سنگین جرم ہے۔ قرآن پاک میں ہے انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیراً۔ اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کے گھر والو تم سے ہر ناپاکی دُور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔

امام ترمذی، طبرانی، ابن مردویہ اور امام بیہقی نے کتاب الدلائل میں حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو دو حصوں میں تقسیم کیا مجھے بہترین قسم میں پیدا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فاصحٰب الیمین ما اصحٰب الیمین واصحٰب الشمال ما اصحاب الشمال میں اصحاب یمین (دائیں جانب والوں) میں سے ہوں اور ان سے افضل ہوں، پھر اللہ تعالیٰ نے دو قسموں کو تین حصوں میں تقسیم کیا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فاصحٰب المیمنۃ ما اصحٰب المیمنۃ واصحٰب المشئمۃ ما اصحٰب

المشئمة والسابقون السابقون، برکت والے کیا ہی برکت والے ہیں نحوست والے کیا ہی نحوست والے ہیں اور سابقین تو سبقت والے ہی ہیں تو میں سابقین سے ہوں اور ان سے افضل ہوں پھر تین حصوں کو قبیلوں میں تقسیم کیا تو مجھے بہترین قبیلے میں بنایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وجعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ اور تمہیں شاخیں اور قبیلے بنایا تاکہ آپس میں پہچان رکھو بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم سے سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔ پھر حضور نے فرمایا کہ میں اولادِ آدم سے سب سے زیادہ متقی ہوں اور اللہ کے نزدیک سب سے مکرم ہوں یہ بات از روئے فخر اور غرور نہیں کہہ رہا ہوں پھر قبائل کو بیوت (گھرانوں) میں تقسیم کیا اور مجھے سب سے بہتر بیت[1] (گھرانے) میں پیدا کیا چنانچہ فرمایا انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ لہٰذا میں اور میرے اہل بیت گناہوں سے پاک ہیں۔

امام احمد بن حنبل، ابن جریر، ابن کثیر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، طبرانی، مردویہ اور علامہ سمہودی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ام سلمہ کے گھر میں تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک چادر اوڑھے ہوئے تشریف فرما تھے حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا نے حضور کی خدمت اقدس میں کھانا پیش کیا۔ حضور نے خاتونِ جنت کو ارشاد فرمایا کہ حضرت علی المرتضیٰ اور حسنین کریمین کو بھی بلاؤ، جب یہ تشریف لائے تو کھانا کھانا شروع کیا تو آیت انما یرید

---

[1] عربوں کی تقسیم قبائل کے لحاظ سے چھ طبقات پر ہے، ۱ شعب ۲ قبیلہ ۳ عمارۃ ۴ بطن ۵ فخذ ۶ فصیلہ۔ شعب جمع کرتا ہے قبائل کو، قبیلہ جمع کرتا ہے عمائر کو اور عمائر جمع کرتا ہے بطون کو اور بطون جمع کرتا ہے فخذ کو اور فخذ جمع کرتا ہے فصائل کو پس مضر شعب ہے، کنانہ قبیلہ ہے، قریش عمارہ ہے، قصی بطن ہے، ہاشم فخذ ہے اور عبدالمطلب قبیلہ ہے۔ بعض دفعہ قبیلہ پر بیوت کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کہ حدیث شریف میں ہے ثم جعل القبائل بیوتا فجعلنی من خیرھا بیتا یہ بیت شریف بوجہ قول انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیراً ہے۔ (نسیم الریاض ص۲۰ ج ۲، فتح الباری ص۵۲۸ ج ۶)

(مفتی غلام رسول)

اللہ لیذھب عنکم الرجس انازل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر کا دامن ان پر ڈال دیا پھر ہاتھ مبارک آسمان کی طرف بلند فرما کر عرض کیا اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں اور میرے خاص ہیں ان سے رجس کو دور کر دے اور ان کو پاک کر دے، یہ تین مرتبہ کلمات فرمائے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو بھی بھلائی کی طرف ہے۔

امام مسلم، امام احمد، ابن ابی شیبہ، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور حاکم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ فرماتی ہیں کہ صبح کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ پر چادر تھی جس میں سیاہ بالوں کی دھاریاں تھیں پھر حضرات حسنین کریمین آئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنی

---

[1] سوال:۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ آیت کریمہ انما یرید اللہ لیذھب عنکم کے نازل ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادر مبارک میں حضرت علی اور خاتون جنت اور حسنین کریمین کو داخل فرمایا اور بعض روایات میں آتا ہے کہ آیت تطہیر نازل ہونے سے پہلے چادر مبارک میں داخل فرمایا ان کے درمیان ظاہراً تعارض ہے۔

جواب:۔ یہ واقعہ دو مرتبہ ہوا ہے۔ ایک مرتبہ آیت کریمہ نازل ہونے سے پہلے اور دوسری مرتبہ آیت کریمہ نازل ہونے کے بعد۔ یہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو مرتبہ اس لیے کیا ہے تاکہ ظاہر ہو کہ یہ ایک اہم واقعہ ہے اور نیز آیت کریمہ نازل ہونے سے قبل جب ان حضرات کو چادر مبارک میں داخل فرمایا تھا تو ہوسکتا تھا کہ بعض لوگ یہ سمجھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ذاتی عمل فرمایا ہے اور جب آیت کریمہ نازل ہو چکی تو پھر ان حضرات کو چادر میں داخل فرما کر اس بات کی وضاحت کر دی گئی کہ یہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذاتی طور پر ہی عمل نہیں فرمایا بلکہ یہ حکم خداوندی کے تحت ہوا ہے گویا کہ آیت نازل ہونے سے پہلے جو حضور نے عمل فرمایا ہے اس عمل میں اور اللہ تعالیٰ کے حکم میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہی ہے، جب واقعہ متعدد ہوا تو تعارض نہ ہوا تعارض تو تب تھا جب ایک مرتبہ ہی واقعہ اور عمل ہوتا جب عمل اور واقعہ متعدد مرتبہ ہوا تو تعارض نہ ہوا۔

(مفتی غلام رسول)

چادر مبارک میں داخل فرمالیا پھر حضرت فاطمہ آئیں ان کو بھی داخل فرمالیا پھر حضرت علی آئے ان کو بھی داخل کرلیا پھر فرمایا انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا،

خاتمۃ المحققین سید یحییٰ بن عمر فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بیت کو پاک کرنے کا ارادہ کرلیا ہے۔ ارادہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں لہذا ارادہ بھی قدیم ہے اور قدیم میں تغیر و تبدل محال ہے، جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ازلی اور قدیم ہوا تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو اہل بیت اطہار کے پاک کرنے کا ارادہ فرمایا ہے وہ فی الواقع ہوگیا ہے، اس میں یہ وہم تک نہیں ہوسکتا کہ وہ واقعۃً نہ ہو سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں تبدیلی ناممکن اور محال ہے لہذا ہر مسلمان کو یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بیت سے رجس کو زائل کردیا ہے اور ان کو پاک کردیا ہے۔ صرف پاک ہی نہیں فرمایا بلکہ یطھرکم کے بعد تطھیر مصدر لاکہ اس کی طرف بھی اشارہ فرمادیا ہے کہ اہلِ بیت کو صرف پاک ہی نہیں کیا گیا بلکہ پاک کرنے کے بعد ان کو تمام پاکیزگیوں کا مصدر و منبع بھی بنادیا گیا ہے کہ جتنے پاک ہونے والے ہیں وہ اہلِ بیت اطہار کی وجہ سے ہی پاک ہوں گے۔ کوئی آدمی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ براہ راست پاک ہو جائے بلکہ جب تک ان کا توسل اختیار نہیں کرے گا وہ کبھی بھی پاک نہیں ہوگا۔

رشفۃ الصادی میں ہے کہ مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ آیت کریمہ میں اہلِ بیت سے مراد حضرت علی حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء اور ان کے دونوں بیٹے حسن اور حسین مراد ہیں اور آگے جو ان کی اولاد ہے وہ بھی اس میں داخل ہے کہ لفظ "اہلِ بیت" کا ان پر بھی صادق آتا ہے جبکہ احادیث نبویہ میں اس کی تصریح موجود ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے لیے دو چیزیں قابلِ تمسک چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم ان سے وابستہ رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے، ایک کتاب اللہ اور دوسری اپنی عترت و اہل بیت، یہ دونوں جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھے ملیں گے اور یہ بھی فرمایا کہ میری اگلی امت سے ہر آنے والے گروہ میں صاحب عدل ہوں گے جو میرے اہل بیت سے ہوں گے۔ اور متعدد احادیث میں یہ بھی ہے کہ آخر زمانہ میں مہدی موعود میری اہلِ بیت سے ہوں گے۔

ان احادیث سے واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل قیامت تک رہنے والی ہے تو ظاہر ہے کہ حضور کی تمام اولاد جو قیامت تک ہونے والی ہے وہ اس آیت تطہیر میں داخل ہے۔ جب تمام

اولاد آیت تطہیر میں داخل ہوئی تو ثابت ہوا کہ سادات کرام کا نسب حضور کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے طیب وطاہر ہے۔ اب سادات کا ہم کفو وہی ہوگا جو کہ عترت رسول سے ہوگا۔ لہٰذا اگر سید زادی نے اپنی مرضی اور ولی کی مرضی سے غیر کفو میں عجمی مرد کے ساتھ نکاح کیا تو نکاح منعقد نہیں ہوگا کیونکہ حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہ غیر کفو میں نکاح بنیادی طور پر منعقد نہیں ہوتا۔

علامہ شامی لکھتے ہیں کہ غیر کفو میں نکاح منعقد نہ ہونے کی وجہ اولیاء سے ضرر کا دفع کرنا ہے کیونکہ نکاح جب غیر کفو میں ہوگا تو اولیاء اور وارثوں کے لیے باعث عار ہوگا کیونکہ سیدہ کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہے اور یہ نسب مطرد للحکم ہے یعنی اس نسب والوں کا ہم کفو وہی ہوگا جو کہ اس نسب سے ہوگا۔ اور غیر سید عجمی مرد اس نسب کا ہم کفو نہیں ہوسکتا۔ اگر کسی سیدہ نے اپنی اور اپنے ولی کی رضا سے کسی غیر سید کے ساتھ نکاح کر بھی لیا تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوگا کیونکہ ولی اور اس کے ولی کی رضا سے نکاح غیر کفو میں ہونے سے جو عیب ہوگا وہ مرتفع نہیں ہوگا کیونکہ یہ عیب جیسے کہ عرف میں ہے اسی طرح یہ شرعاً میں بھی ہے جو کہ وقتی طور پر کسی کی رضامندی سے یہ مرتفع نہیں ہوسکتا۔ جب کفو کے لحاظ سے یہ عیب برقرار رہے گا تو بقول علامہ ابن ہمام کے جہاں کفو کے لحاظ سے عیب ہو وہاں کفو نہیں اور جہاں کفو نہیں وہاں نکاح نہیں ہوتا۔ پھر حسن بن زیاد کی روایت کو امام سرخسی، قاضی خان اور دیگر فقہاء نے مفتی بہا کہہ دیا ہے تو اب ظاہر مذہب والی روایت پر فتویٰ ہرگز نہیں ہوگا۔ بلکہ حسن بن زیاد کی روایت پر فتویٰ ہوگا جس کو لفظ "احتیاط"، "مختار" اور "فتویٰ" نے مضبوط اور لفظ "اصلاً" نے زیادہ معتبر اور معتمد علیہ بنادیا ہے کہ نکاح غیر کفو میں بالکلیہ منعقد نہیں ہوگا۔

جب فقہاء نے اس مسئلہ کی تصریح کردی ہے تو اب یہ کہتے رہنا یا سمجھتے رہنا کہ فتویٰ قرآن وحدیث[1] سے دینا چاہیئے

---

[1] جب میں پاکستان میں تھا اور میرا فتاویٰ جماعتیہ شائع ہوا تو ایک صاحب جو اپنے آپ کو فن حدیث میں ماہر سمجھتے تھے وہ تشریف لائے اور مسئلہ زیر بحث پر ہی انہوں نے گفتگو شروع کردی کہنے لگے کہ آپ نے اس مسئلہ میں کوئی حدیث پیش نہیں کی۔ میں نے کہا فقہی عبارات بھی حدیث سے مستنبط اور مستخرج ہیں، وہ کہنے لگے صریح حدیث چاہیئے، میں نے کہا کہ حدیث بیان کرنے والے کو اصطلاح فن حدیث میں کیا کہا جاتا ہے وہ کہنے لگے کہ محدث۔ میں نے کہا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو محدث کامل ہونے کے لیے رباعیات شرط قرار دیئے ہیں وہ کیا ہیں، وہ گھبرائے۔ میں نے عرض کی کہ فتویٰ کی شرائط سے یہ بھی ہے کہ کتب فقہ سے صریح جزئیہ فتویٰ میں ذکر کیا جائے قرآن وحدیث سے فتویٰ نہیں دیا جاتا۔ اب ہم ناظرین حضرات کی دلچسپی کے لیے وہ رباعیات ذکر کیے دیتے ہیں۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

صریح غلطی ہے کیونکہ فقہ میں جو مسائل ہیں وہ قرآن و حدیث سے ہی تو مستنبط ہیں۔ اصول کے مطابق فتویٰ فقہی جزئیات سے دیا جائے گا۔ اور قواعد[1] و ضوابط کے ساتھ فتویٰ دینا منع ہے اور فقہاء نے حسن بن زیاد کی روایت کو

ذکر البزازی فی المناقب عن الامام البخاری الرجل لا یصیر محدثا کاملا الا ان یکتب اربعا مع اربع کاربع مع اربع فی اربع عند اربع باربع علی اربع عن اربع لاربع وهذه الرباعیات لاتتم الا باربع مع اربع فاذا تمت له کلها هانت علیه اربع وابتلی باربع فاذا صبر اکرمه الله تعالیٰ فی الدنیا باربع واثابه فی الآخرة باربع. اما الاولی فاخبار الرسول صلی الله علیه وسلم وشرائعه واخبار الصحابة ومقادیرهم والتابعین واحوالهم وسائر العلماء وتواریخهم، مع اربع اسماء رجالهم وکناهم وامکنتهم وازمنتهم کاربع التحمید مع الخطب والدعا مع الترسل والتسمیة مع السورة والتکبیر مع الصلوات مع اربع المسندات والمرسلات والموقوفات والمقطوعات فی اربع فی صغره فی ادراکه فی شبابه فی کهولته عند اربع عند شغله عند فراغه عند فقره عند غناه باربع بالجبال بالبحار بالبراری بالبلدان علی اربع علی الحجارة علی الاخزاف علی الجلود علی الاکتاف الی الوقت الذی یمکن نقلها الی الاوراق. عن اربع عمن فوقه ودونه ومثله وعن کتاب ابیه اذا علم انه خطه لاربع لوجه الله تعالیٰ ورضاه وللعمل به ان وافق کتاب الله تعالیٰ ولنشرها بین طالبیها ولاحیاء ذکره بعد موته ثم لاتتم له هذه الاشیاء الا باربع من کسب العبد وهی معرفة الکتابة واللغة والصرف والنحو، مع اربع من عطاء الله تعالیٰ الصحة والقدرة والحرص والحفظ فاذا تمت له هذه الاشیاء هانت علیه اربع الاهل والولد والمال والوطن وابتلی باربع بشماتة الاعداء وملامة الاصدقاء وطعن الجهال وحسد العلماء، فاذا اصبر اکرمه الله تعالیٰ فی الدنیا باربع، بعز القناعة وهیبة النفس ولذة العلم وحیاة الابد واثابه فی الآخرة باربع بالشفاعة لمن اراد من اخوانه وبظل العرش حیث لا ظل الاظله والشرب من الکوثر وجوار النبیین فی اعلیٰ علیین۔ فان لم یطق احتمال هذه المشاق فعلیه بالفقه الذی یمکنه تعلمه وهو فی بیته قار ساکن لایحتاج الی بعد اسفار وطی دیار ورکوب بحار وهو مع ذلک ثمرة الحدیث ولیس ثواب الفقیه وعزه اقل من ثواب المحدث وعزه،

[1] قاعدہ وہ ہے جو متفرق بابوں کے فروعات کو جمع کرے اور ضابطہ وہ ہے جو ایک باب کے فروعات کو جمع کرے۔

(الاشباہ والنظائر ص۱۹۲)

(مفتی غلام رسول)

مفتی بہا قرار دیا ہے لہذا غیر کفوء میں نکاح نہیں ہوگا۔ اور نکاح نہ ہونے کی وجہ ہتک حرمت اہل بیت ہے ، فساد زمانہ نہیں ہے ۔ اسی وجہ سے حضرت خواجہ خواجگان گولڑوی المتوفی ۱۳۵۶ھ نے اس نکاح مذکورہ کے منعقد نہ ہونے کی وجہ اہل بیت کی ہتک قرار دی ہے۔ اپنے فتوئی میں فساد زمانہ کو علت نہیں بنایا اور نہ ہی فساد زمانہ کی بحث کی ہے اور نہ ہی عورت اور اس کے ولی کی رضا یا عدم رضا کا ذکر کیا ہے بلکہ فرمایا یہ مذکورہ نکاح بوجہ ہتک حرمت اہل بیت منعقد نہیں ہوا۔ لوگوں پر فرض ہے کہ وہ سیدہ کو عجمی سے جدا کریں۔ اگر نکاح منعقد ہونے کا احتمال بھی ہوتا تو آپ فسخ کرانے کا حکم فرماتے چونکہ منعقد نہیں ہوا تھا لہذا تفریق اور جدائی کرانے کا حکم کیا اور اصول کے مطابق آپ نے اس فتوئی میں حسن بن زیاد کی راجح روایت کا ذکر کردیا اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ایسے نکاح کے منعقد نہ ہونے پر فقہ کے متن بھرے پڑے ہیں۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ اس فتوئی دینے والے نے جو غیر کفوء میں نکاح کے جواز کا فتوئی دیا ہے اس نے صرف سادات پر ہی نہیں بلکہ تمام مسلمانوں پر ظلم شدید کیا ہے۔ اس لیے کہ صورت مذکورہ کا تعلق سیدزادی سے تھا جس سے اہل بیت کی توہین اور ہتک ہورہی تھی اور مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق اہلبیت کی عزت فرض ہے اور غیر کفوء میں نکاح کے جواز کا فتوئی دینے والے نے تمام مسلمانوں پر ظلم کیا ہے اور یہ نکاح بوجہ ہتک حرمت اہل بیت منعقد نہیں ہوا اور اس مذکورہ نکاح سے جیسے کہ عرف میں سادات کی توہین ہوئی ہے اسی طرح شرع میں بھی توہین ہوئی ہے کیونکہ شریعت نے اہل بیت کی تعظیم کو لازم قرار دیا ہے۔ اگر سیدہ نے اپنی اور اپنے ولی کی رضا سے غیر کفوء میں عجمی مرد کے ساتھ نکاح کرلیا تو لازماً خون کی ملاوٹ ہوگی اور خون کی ملاوٹ اس نسب طیب وطاہر میں جیسے کہ عرف میں باعث ننگ و عار ہے اسی طرح شرع میں بھی ننگ و عار ہے۔ یہ امر واضح ہے کہ عورت اور اس کے ولی کی رضا سے خون کی ملاوٹ رک نہیں سکے گی تو ظاہر ہے کہ جب ملاوٹ ہوگی ، تو ننگ و عار بھی ساتھ ہوگی یہ ننگ و عار ہرگز ہرگز ملاوٹ سے جدا نہ ہوگی، جب ننگ و عار کسی جگہ ہو تو وہاں کفوء نہیں ہوتی اور جہاں کفوء نہ ہو وہاں مفتیٰ بہا روایت کے مطابق بالکلیہ نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ اور حضرت امیر ملت پیر سید حافظ جماعت علی شاہ محدث علی پوری بھی اپنے ملفوظات میں اس نکاح کے منعقد نہ ہونے کی علت توہین اہل بیت ہی قرار دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں ایک طرف تو وہ درود شریف پڑھتے ہیں اور دوسری طرف سیدزادیوں سے نکاح کرتے ہیں یہ کیسے مسلمان ہیں۔ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ سیدزادی کا نکاح غیر سید کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔ حضرت امیر ملت کا یہ فرمانا کہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ سیدزادی کا نکاح غیر سید کے ساتھ نہیں ہوسکتا اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ نکاح چونکہ غیر کفوء میں ہے اور غیر کفوء میں نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ نیز سیدزادی کا نسب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف

منسوب ہونے کی وجہ سے طیّب و طاہر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم کفوٗ اور مثل کوئی نہیں ہے چنانچہ مولینا عبدالعلی بحرالعلوم المتوفی ۱۲۲۶ھ "میر زاہد رسالہ قطبیہ" کے حواشی میں لکھتے ہیں۔ لم یلد الدھر مثلہ من الازل و لم یولد الی الابد فلیس لہ من فی السمٰوات والارض کفوا احد یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح ازل سے لے کر ابد تک کوئی پیدا نہیں ہوا اور آسمانوں اور زمین میں کوئی آپ کا ہمسر اور ہم کفوٗ نہیں ہے اور ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہم کفوٗ کوئی نہیں ہے تو حضور کی اولاد کا بھی ہم کفوٗ کوئی نہیں ہے مگر وہی جو آپ کے نسب عترت میں سے ہو اس سے ظاہر ہے کہ سیدزادی کا ہم کفوٗ سید ہی ہوگا۔ لہذا سیدزادی کا نکاح غیر سید کے ساتھ نہیں ہوگا۔

صاحب رشفۃ الصادی لکھتے ہیں کہ سیدزادی کا نکاح غیر سید کے ساتھ جائز نہیں ہے اگرچہ عورت اور اس کا ولی دونوں راضی ہوں کیونکہ اس نسب طاہر کا حق اسی کو پہنچتا ہے جو حسنین کریمین کی طرف منسوب ہو۔ اور جو حسنین کریمین کی اولاد سے نہیں ہے وہ سیدزادی کا ہم کفوٗ نہیں ہو سکتا۔ لہذا سیدزادی کا نکاح غیر کفوٗ میں کسی عجمی مرد کے ساتھ ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا۔ صاحب رشفۃ الصادی نے تصریح کردی ہے کہ اگر سیدزادی اور اس کا ولی دونوں راضی بھی ہو جائیں تو پھر بھی نکاح نہیں ہوگا کیونکہ یہ نسب رسول دوسرے لوگوں کے نسبوں کی طرح نہیں ہے اسی وجہ سے حضرت امیر ملت محدث علی پوری المتوفی ۱۳۷۰ھ نے سیدہ اور اس کے ولی کی رضا یا عدم رضا کا ذکر تک نہیں کیا بلکہ مطلقاً فرمایا کہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ سیدزادی کا نکاح غیر سید کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ نکاح غیر کفوٗ میں ہے اور غیر کفوٗ میں نکاح بالکلیہ منعقد نہیں ہوتا اور آپ نے بھی نکاح غیر کفوٗ میں منعقد نہ ہونے کی علت ہتک حرمت اہلِ بیت ہی ذکر کی ہے کہ درود شریف پڑھنا دلیل عظمت ہے اور سیدزادی سے غیر سید عجمی مرد کا نکاح کرنا دلیل توہین و ہتک ہے۔ جہاں توہین و ننگ و عار ہو وہاں کفوٗ نہیں ہے اور جہاں کفوٗ نہیں ہے وہاں نکاح نہیں ہوتا۔ لہذا سیدزادی کا نکاح غیر کفوٗ میں عجمی مرد کے ساتھ ہرگز ہرگز منعقد نہیں ہوگا۔

ہم پہلے متعدد مرتبہ ذکر کر چکے ہیں کہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ شرف نسب ایک بہت بڑی فضیلت ہے۔ اور اس کی اہمیت پر قرآن و حدیث بھی شاہد ہیں۔ خصوصاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب اطہر کی عظمت تو اظہر من الشمس ہے اور حضور نے خود فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے قریش کے بہترین خاندان میں پیدا فرمایا اور سادات کرام کا نسب چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہے اور یہ شرافت نسبی صرف سادات کو حاصل ہے اور کسی کو نہیں ہے۔ لہذا سادات پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ یہ اپنی زندگی حضور صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق بسر کریں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب اقدس کی عزت کا خیال کریں۔
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے اہلِ بیت کو خدا سے ڈرنے کا حکم کرتا ہوں اور یہ بھی حکم کرتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کریں۔ اور اپنی امت کو اہلِ بیت کی اقتدار کی وصیت کرتا ہوں۔ میرے اہلِ بیت بروزِ قیامت میرا دامن پکڑے ہوں گے اور ان کے تابعدار ان کا دامن تھامے ہوئے ہوں گے۔ میرے اہلبیت تمہیں گمراہی کے دروازے میں داخل نہ کریں گے اور ہدایت کے دروازے سے باہر قدم نہ رکھنے دیں گے۔ اور اس سے ظاہر ہے کہ سادات کو ایسے عمل کرنے چاہئیں کہ وہ اسوہ حسنہ ثابت ہوں تاکہ لوگ ان کی اتباع کریں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ سادات کرام عملی صورت میں اتنے پیچھے ہوں کہ وہ لوگ جو از قسم خوارج اور نواصب ہیں سادات کرام کو موردِ طعن بناتے رہیں اور حقیقت بھی یہ ہے کہ سادات پر بوجہ اولادِ رسول ہونے کے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی زندگی شرع محمدی کے مطابق گذاریں۔
چنانچہ واقعات و روایات میں آتا ہے کہ حضرت حسن بصری المتوفیٰ ۱۱۰ھ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حج کے لیے گیا تو رات کو میں حرم شریف میں قیام کرتا تھا تاکہ تمام رات عبادت میں گذر سکے اور میں ہر رات کو دیکھتا کہ ایک صاحب تشریف لاتے ہیں اور سحری کے وقت کعبہ کے دروازہ کے سامنے دعا کے لیے ہاتھ بلند کرتے ہیں اور نہایت پُرسوز ان الفاظ میں دعا مانگتے ہیں۔

"اے اللہ تعالیٰ میں تیرا عاجز بندہ ہوں، اے اللہ تعالیٰ میری مغفرت اور بخشش فرما"

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ میں ان دعائیہ الفاظ سے متاثر ہو جاتا۔ ایک دن جب وہ دعا مانگ کر حرم سے باہر جانے لگے میں نے عرض کی "حضور" کی تعریف کیا ہے، فرمایا تمہاری کیا تعریف ہے، میں نے عرض کی میرا نام حسن ہے بصرہ کا رہنے والا ہوں۔ فرمایا میرا نام بھی حسن ہے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نواسہ ہوں میں نے عرض کیا حضور، آپ ایسے دعا مانگتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو گناہوں سے محفوظ رکھا ہوا ہے۔ فرمایا اے حسن بصری! کیا ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کریں کیا تم نے سنا نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام رات عبادت میں مصروف رہتے پاؤں مبارک میں ورم آجاتا، آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ آپ تو معصوم ہیں آپ کو اتنی عبادت کی کیا ضرورت ہے تو آپ نے فرمایا افلا اکون عبداً شکوراً، کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں۔ سادات کو چاہیئے کہ وہ حضور کی تعلیمات پر عمل کر کے دوسرے لوگوں کے لیے نمونہ ثابت ہوں۔ اگر سادات عمل و عقیدہ میں کوتاہی کرتے ہیں تو پھر بھی دوسرے لوگوں کو چاہیئے جو سادات کو نسبت حضور

کی طرف نسبی ہے اس کی وجہ سے حتی الامکان ان کی عزت و عظمت کا خیال رکھیں۔

شیخ محمد صبان مصری المتوفی ۱۲۰۶ھ لکھتے ہیں کہ ایک شخص کا بیان ہے کہ میں مدینہ منورہ کے سادات حسینیہ سے ان کے اظہار رفض کے باعث کدورت رکھتا تھا پس میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ روضہ منورہ کے سامنے تشریف فرما ہیں آپ نے میرا نام لے کر مجھے مخاطب فرمایا کیا معاملہ ہے کہ میں تجھے دیکھتا ہوں کہ تُو میری اولاد سے بغض رکھتا ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہرگز نہیں میں ان سے نفرت نہیں کرتا میری ناپسندیدگی کی وجہ اہلِ سنت کے خلاف ان کا تعصب ہے جو میں نے دیکھا ہے۔ حضور نے فرمایا کیا فقہی مسئلہ میں نافرمان بیٹا باپ کی طرف ہی منسوب نہیں رہتا۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ منسوب رہتا ہے۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا یہ میرا ایک نافرمان بیٹا ہے۔ جب میں خواب سے بیدار ہوا تو اس کے بعد امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں سے جس کی بھی میں ملاقات کرتا اس کی تعظیم بجالاتا۔ پس لازم ہے کہ اہلِ بیت سے اگر کوئی شخص فاسق ہو اور باعتبار فعل اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا جائے۔ لیکن پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت کے باعث اس کا ادب و احترام کیا جائے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ جو سادات عقیدہ اور عمل میں کوتاہی کرتے ہیں ان کا بھی ادب و احترام بھی لازم ہے کیونکہ ان کا ادب و احترام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ہے۔

امام ابوالشیخ اور امام دیلمی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری اولاد کے حقوق کی رعایت نہیں کرتا وہ منافق ہے۔

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اسلام قبول کر لیتا ہے اس کو اس کے بعد میری اہل بیت کی بھلائی کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں اس کی شفاعت کروں گا جو کہ میری اہلبیت کے معاملات کو پورا کرنے کی کوشش کرے جبکہ ان کو ضرورت ہو۔ (رشفۃ الصادی صہ۸)

اس سے ثابت ہوا کہ اہلِ بیت کے حقوق کی رعایت اور ان کے ضروریات کو پورا کرنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔ جو شخص ان کے حقوق کی رعایت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دین و دنیا میں نعم البدل کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک المتوفی ۱۸۲ھ کے بارے میں روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ایک سال جب میں نے حج کا ارادہ کیا تو پانچ سو دینار لے کر کوفہ کے بازار میں اونٹ خریدنے کے لیے گیا تو میں نے

دیکھا کہ ایک جگہ ایک عورت مردہ بطخ کے پر اور بال نوچ رہی ہے میں نے اس سے پوچھا اس مردہ بطخ کو کیا کرو گی تو وہ بولی "اے عبداللہ" ایسی باتوں کے پیچھے ہرگز نہ پڑو۔ اس کی بات سے میرا دل متاثر ہوا میں نے اصرار کیا تو وہ بولی اے عبداللہ تو نے مجھے راز کھولنے پر مجبور کر دیا ہے، میں سیدہ عورت ہوں چار یتیم بیٹیاں ہیں چند روز ہوئے ان کا باپ مرگیا ہے۔ یہ چوتھا دن ہے کہ ہم نے کچھ کھایا ہی نہیں، میں اس بطخ کو صاف کر کے لے جاؤں گی اور کھائیں گے۔ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں نے اسی وقت وہ پانچ سو دینار اس سیدہ کے قدموں میں رکھ دیئے، میں نے کہا کہ یہ اپنی ضروریات میں صرف کریں اور میں واپس چلا آیا۔ اونٹ نہ خریدا اور میرے دل سے اس سال حج کی خواہش نکل گئی اور میں اپنے گھر آگیا یہاں تک کہ لوگ حج کر کے واپس آنے شروع ہوگئے اور ہمارے شہر کے حاجی جب واپس آئے تو لوگ ان کے استقبال کے لیے نکلے میں بھی استقبال کے لیے نکلا حضرت عبداللہ[1] بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں جس حاجی سے ملتا اور اس کو کہتا کہ اللہ تمہارا حج قبول فرمائے اور تمہاری کوشش مشکور ہو۔ وہ مجھے کہتا کہ عبداللہ تمہارا بھی حج قبول ہو اور کوشش بھی مشکور ہو ہم اور آپ فلاں فلاں جگہ جمع ہوئے تھے۔ جن حاجیوں سے میں ملتا وہ مجھے ایسے ہی کہتے۔ میں تمام رات سوچتا رہا میں تو حج کے لیے گیا نہیں یہ کیا وجہ ہے۔ اچانک مجھے نیند آگئی اور میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ! تو حاجی لوگوں کی بات سے تعجب نہ کر کیونکہ تو نے میری اولاد میں سے ایک

---

[1] حضرت عبداللہ بن مبارک بن واضح ابو عبدالرحمان کی پیدائش ۱۱۸ھ ہجری ہے آپ امام ابو حنیفہ المتوفی ۱۵۰ھ کے شاگرد ہیں اور امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ، یحییٰ بن معین المتوفی ۲۳۰ھ، عبدالرحمٰن بن مہدی المتوفی ۱۹۸ھ، ابوبکر بن ابی شیبہ المتوفی ۲۳۵ھ اور عثمان بن ابی شیبہ المتوفی ۲۳۹ھ کے استاذ ہیں، یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارک ثقہ اور مضبوط ہیں اور مسلمانوں کے سردار ہیں۔ عبداللہ بن مبارک نے حضرت امام ابو حنیفہ کے علاوہ امام مالک المتوفی ۱۷۹ھ اور سفیان ثوری المتوفی ۱۶۱ھ سے بھی علم حاصل کیا۔ علامہ ابن خلکان ۶۸۱ھ لکھتے ہیں کہ جب ہارون الرشید رقہ شہر میں گئے تو وہاں عبداللہ بن مبارک بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ عبداللہ بن مبارک کے ساتھ بے شمار لوگ تھے، ہارون الرشید کی کنیز نے جب عبداللہ بن مبارک کے ساتھ بے شمار لوگ دیکھے تو ہارون الرشید سے پوچھا یہ کون ہیں جن کے ساتھ اتنے لوگ ہیں، ہارون الرشید نے کہا یہ خراسان کے عالم ہیں۔ کنیز نے کہا حکومت ہو تو ایسی ہو۔

(مفتی غلام رسول)

مصیبت زدہ عورت کی مدد کی تھی لہٰذا میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی کہ " تیری صورت کا ایک فرشتہ پیدا کرے جو قیامت تک ہر سال تیری طرف سے حج کیا کرے تو اب تیری اگر مرضی ہو حج کر اگر مرضی ہو نہ کر۔

زبیر بن عبدالرحمٰن بغدادی نے روایت کی ہے کہ جب امیر تیمور لنگ سخت بیمار ہوگیا تو ایک رات بہت پریشان ہوا، اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا۔ چند دن کے بعد جب افاقہ ہوا تو لوگوں سے امیر تیمور نے کہا کہ جب میں شدید بیمار ہوگیا تو عذاب والے فرشتے مجھے نظر آئے لیکن پھر کیا دیکھتا ہوں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تشریف لے آئے ہیں تو حضور نے فرشتوں سے فرمایا تم چلے جاؤ کیونکہ یہ میری اولاد سے محبت رکھتا تھا اور ان کے ساتھ احسان کرتا تھا۔

حضرت سلمان فارسی المتوفیٰ ۳۹ھ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص کا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت سے محبت کرے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود المتوفیٰ ۳۲ھ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا آلِ محمد کی ایک دن کی محبت سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے اور جو ان کی محبت پر مرا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

علامہ یوسف نبہانی لکھتے ہیں کہ سید اگر بے عمل بھی ہو تو اس کی عزت اور توقیر لازم ہے، اور یہ اعتقاد رکھنا چاہیئے کہ اس کے قیامت کے دن گناہ بخشے جائیں گے اور اس کے تقصیرات سے درگذر کیا جائیگا اگرچہ اسطرح ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو موت سے پہلے خالص توبہ کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ ارشاد ربانی ہے انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیراً، اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو تم سے ہر ناپاکی دُور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کردے۔ بے عمل سید کی عزت اس کے عمل اور عدم عمل کی بنا پر نہیں ہے بلکہ وہ تو انما ھو لعنصرہ الطاھر ونسبہ الزاھر وھذا موجود فی طالحھم کوجودہ فی صالحھم وفسق احدھم لا یخرجہ عن بیت النبوۃ وھم بشر غیر معصومین فلا یطرأ بذالک خلل فی نسبھم، صرف اس کے پاک اصل اور مبارک نسب کی بنا پر ہے اور یہ ان کے صالح کی طرح فاسق میں بھی موجود ہے، کسی کا بے عمل ہونا اسے بیتِ نبوت سے خارج نہیں کرتا کیونکہ یہ بے عمل بھی ایسے انسان ہیں جو معصوم نہیں ہیں لہٰذا یہ بے عملی ان کے نسب میں خلل انداز نہیں ہوگی اور جس شخص کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اہلِ بیت اطہار اور حضرت علی کے خانوادے سے ہوگی اس کی بے عملی اسے اس نسب عالی سے خارج نہیں کرے گی۔ جب نسب برقرار ہے تو پھر اگر بے عمل بھی ہو تو نسب کے لحاظ سے عزت کرنی لازم ہوگی

نیز جب لوگ کسی ولی اور صالح آدمی کی اولاد کی عزت اس وجہ سے کرتے ہیں کہ وہ ولی کی اولاد ہے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد جو حضور کی طرف بحیثیت نسب منسوب ہے اس کی عزت بطریق اولیٰ لازم ہوگی (الشرف المؤبد ص۶۶ ۳)

بہرکیف سادات سے کوئی بے عمل ہو تو اس کی بے عملی کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کا ادب و احترام لازم اور ضروری ہے۔ کیونکہ اس کا ادب و احترام بوجہ نسب ہوگا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت کرام سے ہے، یہ درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب و احترام ہے۔ سادات چونکہ اہل بیت کرام سے ہیں لہٰذا ان کے ساتھ یہ بھی حسن اعتقاد رکھنا چاہیئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کرام کو پاک کرنے کا ارادہ کیا ہے تو وہ فی الواقع ہوگیا ہے۔ اگر سادات سے کوئی عمل میں کوتاہی کرتا ہے تو اللہ اسکو موت سے پہلے اسے توبہ کی توفیق عطا فرما کر پاک کردے گا۔ لہٰذا ہر صورت میں ان کا ادب و احترام لازم اور ضروری ہے۔

ان روایات مذکورہ بالا سے معلوم ہوا کہ سادات اگرچہ عقیدہ اور عمل میں کوتاہی بھی کریں تو پھر بھی حتی الامکان ان کا احترام لازم اور ضروری ہے کیونکہ اہل بیت کا احترام اس اعتبار سے کیا جاتا ہے کہ وہ ذریت اور اولادِ رسول ہیں اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد بھی ان کے حق میں وہی ادب اور سلوک روا رکھنا چاہیئے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات ظاہری میں رکھا جاتا تھا۔ جیسے کہ قاضی ابوبکر بن عربی کا قول ذکر ہوچکا ہے۔ بُعدِ زمانہ سلسلہ ادب و احترام پر کسی طرح اثر انداز نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ اولاد کا اپنے باپ سے خونی رشتہ کا سلسلہ تو منقطع نہیں ہوسکتا خواہ کتنی دُور تک ہی کیوں نہ چلا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ صحیح روایت ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس قول، کان ابوھما صالحا، اور ان دونوں کا باپ نیک تھا کے بارے میں فرمایا وہ دونوں لڑکے اپنے باپ کی صلاح و خیر کی وجہ سے محفوظ ہے خود ان کے صلاح و خیر کا اللہ تعالیٰ نے ذکر نہیں کیا۔ روایت ہے کہ ان دونوں لڑکوں کا باپ جس کو قرآن نے صالح کہا ہے وہ ساتویں یا نویں پشت میں ان کا دادا تھا جب اس صالح آدمی کی وجہ سے جو اتنی نیچے اور دُور اولاد ہے محفوظ رہی ہے تو اولاد نبی کیسے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے محفوظ نہ ہوگی اگرچہ کتنے ہی واسطے درمیان میں کیوں نہ ہوں۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام المتوفی ۱۴۸ھ نے فرمایا ہے ہمارا اسی طرح پاس لحاظ رکھو جیسے ان دو یتیموں کا پاس حضرت خضر علیہ السلام نے کیا تھا۔ کیونکہ ان دونوں لڑکوں کا باپ صالح

اور نیک تھا۔

حضرت علی بن حسین علیہ السلام سے بھی روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ ہم عترت رسول ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر آپ کی عترت کا لحاظ رکھو۔ نیز صاحب رشفۃ الصادی لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق کے بارے میں یہ صحیح روایت ہے کہ ابوبکر نے فرمایا اے اہل بیت! واللہ تمہاری صلہ رحمی مجھے اپنے قرابت داروں کی صلہ رحمی سے زیادہ عزیز ہے کیونکہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرابت رکھتے ہو اور یہ بھی فرمایا کہ اے لوگو! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاسداری ان کے اہل قرابت میں کرو۔ (رشفۃ الصادی ص۱۲۰)

جب مطلق شرف انتساب سبب احترام ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام اولاد جو قیامت تک ہونے والی ہے ان کا احترام فرض اور ضروری ہے۔

غرضیکہ جیسے کہ سادات کا احترام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ہے اسی طرح سادات کے نسب کا بھی احترام ضروری ہے۔ لہذا کسی غیر سید کو یہ سوچنا بھی نہ چاہیئے کہ وہ سادات کی لڑکیوں سے نکاح اور شادی کرے گا۔ اگر دوسری جانب سے کسی سیدزادی نے اپنی اور اپنے ولی کی رضا سے کسی غیر سید مرد کے ساتھ نکاح کیا تو وہ نکاح منعقد ہی نہ ہوگا کیونکہ سیدزادی کے لیے قرابت رسول مطرد للحکم ہے۔ اس کا ہم کفو وہی ہوگا جو اس کی طرح قرابت رسول رکھتا ہو۔ جہاں اطراد ہو وہاں سیدزادی اور اس کے ولی کی رضا کا شرعاً اعتبار نہیں ہے بلکہ وہاں علت مؤثرہ کا اعتبار ہوتا ہے۔ ایک دو افراد کی وقتی رضامندی سے علل مناسبہ اور ان کے احکام میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ سادات کے نسب کے علاوہ دیگر نسبوں میں چونکہ اطراد نہیں ہے لہذا دیگر نسبوں والے اگر باہمی رضامندی سے غیر کفو میں نکاح کر لیتے ہیں تو ہو جاتا ہے لیکن سیدزادی کا نسب چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہے اس کا ہم کفو صرف اور صرف وہی ہوگا جو اپنے نسب کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہے۔ اگر غیر سید ہے تو پھر سیدزادی کے ساتھ نکاح کرنے سے اگرچہ سیدزادی اور اس کا ولی راضی بھی ہوں تو ان کی رضا سے ننگ و عار ختم نہیں ہوگا بلکہ اضافہ اور تذلیل و تضحیک ہوگی۔ اسی وجہ سے فقہاء کرام اور خواجۂ خواجگان پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی

۱؎ امام بخاری عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے فرمایا ارقبوا محمداً صلی اللہ علیہ وسلم فی اهل بیتہ (فتح الباری ص۹۵ ج۷) (مفتی غلام رسول)

علیہ الرحمۃ اور امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری نور اللہ مرقدہ نے کہا کہ یہ مذکورہ نکاح بنیادی طور پر منعقد ہی نہیں ہوگا۔ نیز صاحب رشفۃ الصادی نے تصریح کی ہے کہ ہمارے سادات علوی حسنی و حسینی کا یہ قدیم دستور رہا ہے اور اب بھی ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کی شادی شریف صحیح النسب ہی سے کرتے ہیں اس نسب عظیم کی حفاظت کے لیے وہ غیر شریف سے شادی کی اجازت نہیں دیتے اگرچہ عورت اور اس کا ولی دونوں راضی ہوں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس نسب طاہر کا حق اسی کو پہنچتا ہے جو حسنین کریمین کی طرف منسوب ہو یہ حق نہ صرف کسی عورت کو ہے نہ اس کے ولی کو اور سارے اولاد حسنین کا راضی ہونا ممکن نہیں ہے۔ آج تک اسی پر عمل ہے یہ لوگ بہترین نمونہ اور قابل تقلید ہیں کیونکہ ان میں فقہاء، صلحاء، اقطاب و اولیاء ہیں جن کی مخالفت ہمارے لیے جائز نہیں یہ اس چیز میں جس کی انہوں نے اساس رکھ دی ہے اور جس پر وہ عمل پیرا رہے ہیں ہمیں صرف ان کی سیرت پر چلنا اور ان کی اقتداء کرنا چاہیئے انہیں ایسے اختیارات اور ایسی نگاہیں حاصل ہیں کہ فقیہ ان کے اسرار کو نہیں پہنچ سکتا۔ (رشفۃ الصادی ص۴۷)

حقیقت یہ ہے جہاں تک نسب کا تعلق ہے وہ جیسے شرع میں معتبر ہے اسی طرح عرف میں بھی معتبر ہے، اسی لیے حضرت زینب بنت جحش نے کہا تھا کہ "انا خیر منہ نسباً" میں زید بن حارثہ سے نسب میں بہتر ہوں۔ اور یہ بھی "وانا ایم قریش" کہ میں قریش کی شریف زادی ہوں اور زید کا نسب گھٹیا ہے اور میرے ساتھ نسب میں وہ کسی طرح برابر نہیں ہے۔ اور صاحب معارف القرآن نے بحوالہ حدیث ذکر کیا ہے کہ نکاح کفوء میں ہونا چاہیئے اور جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں غیر کفوء میں ہوئے ہیں وہ مسئلہ کفاءت پر اثر انداز نہیں ہیں جیسے کہ پہلے تفصیلاً گذر چکا ہے اور فقہاء حنفیہ نے اس حدیث کو بنیاد بنا کر فرمایا کہ غیر کفوء میں نکاح نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی پہلے گذر چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب کا ہم کفوء وہی ہوگا جو حضور کی عترت سے ہوگا اور جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت سے نہیں ہوگا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عترت کے نسب کا ہم کفوء نہیں ہوگا۔ اگر سید زادی نے اپنی اور اپنے ولی کی رضا سے غیر سید مرد کے ساتھ نکاح کر لیا تو خون کی ملاوٹ کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت کے نسب کی توہین و تذلیل ہوگی، یہ توہین و تذلیل جیسے عرف میں ہوگی اسی طرح شرعاً بھی ہوگی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت کا نسب بوجہ تخصیص علیحدہ احکام رکھتا ہے، اور اس نسب میں نکاح غیر کفوء میں ہونے سے تذلیل اور توہین برقرار رہتی ہے اور نکاح غیر کفوء میں ہونے کی وجہ سے ننگ و عار ختم نہیں ہوتا اور جہاں ننگ عار ختم نہ ہو وہاں نکاح غیر کفوء میں منعقد نہیں ہوتا، یہی صاحب رشفۃ الصادی کا مطلب ہے کہ اس نسب طاہر کا حق صرف اسی کو پہنچتا ہے جو حسنین کریمین کی طرف منسوب ہو یہ حق کسی ایک عورت

اور اس کے ولی کا نہیں ہے بلکہ یہ حق تمام اولادِ حسنین یعنی سادات کا ہے اور ظاہر ہے کہ تمام سادات کسی سیدزادی کا نکاح غیر کفوء میں کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہو سکتے بلکہ یہ ناممکن ہے۔ لہٰذا اگر سیدزادی اور اس کا ولی راضی بھی ہو جائے تو یہ نکاح غیر کفوء میں منعقد نہیں ہوگا۔ اور رہی یہ بات جو بعض فقہاء نے ظاہر روایت کے خلاف ذکر کیا ہے ان کے متعلق صاحب رشفۃ الصادی لکھتے ہیں کہ وہ فقیہ ان بڑے بڑے آئمہ جو سادات میں فقہاء، صلحاء، اقطاب اور اولیاء ہوئے ہیں، کے اسرار کو نہیں پہنچ سکتے۔ کیونکہ یہ مذکورہ سادات فقہاء، صلحاء، اقطاب، اولیاء ظاہر روایت کے موافق کہ عجمی مرد عربیہ عورت سے ہم کفوء نہیں ہو سکتا۔ اور حسن بن زیاد کی مفتیٰ بہا روایت کے مطابق فتویٰ دے رہے ہیں کہ غیر کفوء میں جہاں عیب اور توہین برقرار ہے نکاح نہیں ہو سکتا اور جو فقیہ ظاہر روایت کے خلاف ذکر کرتا ہے یا یہ کہتا ہے کہ عجمی عالم اور عجمی بادشاہ یا مغل پٹھان سیدزادی کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے یہ اس فقیہ کے تفردات سے ہے جو کہ غیر معتبر ہے۔ یہ فقیہ بوجہ متفرد ہونے اور نادر روایت کے ذکر کرنے کے ان اسرار تک نہیں پہنچ سکتا جہاں ظاہر روایت اور مفتیٰ بہا روایت والوں کی رسائی ہوئی ہے لہٰذا ظاہر روایت اور حسن بن زیاد کی مفتیٰ بہا روایت کے مطابق غیر کفوء میں نکاح بنیادی طور پر منعقد نہیں ہوگا۔ اگر سیدزادی نے غیر سید مرد کے ساتھ باہمی رضامندی کے بعد نکاح کیا تو یہ نکاح غیر کفوء میں ہونے اور ہتکِ حرمتِ اہلِ بیت اطہار برقرار رہنے کی وجہ سے بنیادی طور پر منعقد نہیں ہوگا۔ ان اسرار میں سے جہاں بقول صاحب رشفۃ الصادی یہ فقیہ نہیں پہنچ سکتا، ایک سرِ لطیف یہ بھی ہے کہ صرف کفوء اور غیر کفوء کی عموماً بحث کرتے رہنا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب اطہر کی تخصیص نہ کرنا یہ بھی اس فقیہ کی ایک سطحی بات ہے باوجودیکہ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہم کفوء اور مثل کوئی نہیں ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب اطہر کا بھی کوئی مثل نہیں ہے، چنانچہ ابن حجر مکی، بحرالعلوم عبدالعلی اور دیگر سادات سے فقہاء، صلحاء، اقطاب اور اولیاء کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب کو مطرد للحکم تسلیم کیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کو مطرد للحکم تسلیم کرنا یہ ایک سرِ لطیف تھا جس کی طرف یہ فقیہ جو کہ نادر روایت کا سہارا لے کر فتویٰ دے رہا ہے نہیں پہنچ سکا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کا نسب مطرد للحکم ہوا تو اب ظاہر ہے اگر سیدزادی باہمی رضامندی کے بعد نکاح غیر کفوء میں غیر سید مرد کے ساتھ کرے تو یہ نکاح بنیادی طور پر ہرگز ہرگز منعقد نہیں ہوگا۔ اور یہ خیال کرنا کہ صاحب رشفۃ الصادی نے زیر بحث مسئلہ پر کوئی قرآن کی آیت یا حدیث پیش نہیں کی یہ ایک غلط فہمی ہے کیونکہ فتویٰ میں فقہی اقوال کا اعتبار کیا جاتا ہے جیسا کہ پہلے تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے، چنانچہ فقہاء اور علماء نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص کریمہ میں سے یہ

بھی ہے کہ آپ کی صاحبزادی (سیدہ فاطمۃ الزہراء) کی اولاد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بحیثیت نسب منسوب ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم کفو اور مثل کوئی نہیں ہے اسی طرح حضور کی اولاد کا بھی ہم کفو کوئی نہیں مگر وہی جو آپ کے نسب عترت میں سے ہو یہ ایک مستنبطہ اور متخرجہ اطرادی علت ہے۔ اسی علت اطرادی کی وجہ سے صاحب رشفۃ الصادی نے کہا اگر سیدزادی اپنی اور اپنے ولی کی رضا سے غیر کفو میں نکاح کرے گی تو نکاح منعقد نہ ہوگا۔ جب سادات کرام کا مخصوص نسب اپنے احکام اور خصائص کے پیش نظر مطرد للحکم ہوا تو پھر اگر سیدزادی کا نکاح سید کے ساتھ ہوا تو منعقد ہوگا اگر سیدزادی نے باہمی رضامندی کے بعد نکاح غیر کفو میں کسی مرد کے ساتھ کیا تو ہرگز ہرگز منعقد نہیں ہوگا۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

وعلمہا اتم واحکم فی کل باب

حررہٗ مفتی غلام رسول

دارالعلوم قادریہ جیلانیہ

لنڈن - برطانیہ

شخصیات کے اسماء

بلا ترتیب حروف تہجی

امام ابوحنیفہ المتوفی سنہ ۱۵۰ھ
امام ابویوسف المتوفی سنہ ۱۸۲ھ
امام محمد المتوفی سنہ ۱۸۹ھ
ابن نجیم المتوفی سنہ ۹۷۰ھ
فخرالدین زیلعی المتوفی سنہ ۷۶۲ھ
شاہ ولی اللہ المتوفی سنہ ۱۱۷۶ھ
ہارون الرشید المتوفی سنہ ۱۹۳ھ
ابن رستم المتوفی سنہ ۲۱۱ھ
ابن سماعہ المتوفی سنہ ۲۳۳ھ
ابواللیث سمرقندی المتوفی سنہ ۳۷۳ھ
ابوالعباس المتوفی سنہ ۴۴۶ھ
شمس الائمہ سرخسی المتوفی سنہ ۵۰۰ھ
ابوذر ہروی المتوفی سنہ ۴۰۴ھ
علامہ خلیلی المتوفی سنہ ۴۴۶ھ
ابوالقاسم قشیری سنہ ۴۶۵ھ
شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی المتوفی سنہ ۱۲۳۹ھ
ابوعبداللہ بن مندہ المتوفی سنہ ۳۰۱ھ

علامہ عبدالغنی المتوفی سنہ ۴۰۹ھ
ابوعلی حافظ نیشاپوری المتوفی سنہ ۴۳۴ھ
ابوالعباس محمد بن یعقوب الاصم
ابوعبداللہ بن یعقوب الاخرم
ابوالعباس بن محبوب
ابوعمرو عثمان بن سماک
ہشام بن عروہ المتوفی سنہ ۱۴۶ھ
عکرمہ بن ابراہیم
ابن حزم اندلسی المتوفی سنہ ۴۵۶ھ
علامہ بغوی المتوفی سنہ ۵۱۶ھ
مبشر بن عبید
علامہ نوح بن مصطفےٰ قونوی حنفی المتوفی سنہ ۱۰۷۰ھ
ابوموسیٰ اشعری المتوفی سنہ ۴۴ھ
مقداد بن اسود المتوفی سنہ ۳۳ھ
زبیر بن عبدالمطلب
ضباعہ بنت زبیر
ابوہند

حضرت بلال المتوفی سنہ ۱۸ھ
اسامہ بن زید المتوفی سنہ ۵۴ھ
فاطمہ بنت قیس
ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ المتوفی سنہ ۱۲ھ
سالم بن معقل
ولید بن عتبہ بن ربیعہ سنہ ۲ھ
زینب بنت حسن مثنیٰ
ولید بن عبدالملک المتوفی سنہ ۹۵ھ
فاطمہ بنت حسن مثنیٰ
معاویہ بن عبداللہ
ملیکہ بنت حسن مثنیٰ
جعفر بن مصعب بن زبیر
ام قاسم بنت حسن مثنیٰ
مروان بن ابان بن عثمان
حضرت خضر علیہ السلام
حضرت ابوطالب المتوفی سنہ ۱۰ نبوت
فاطمہ بنت اسد
سفیان بن عیینہ المتوفی سنہ ۱۹۸ھ
شعبہ بن حجاج المتوفی سنہ ۱۶۰
حافظ ابومسعود دمشقی ابراہیم بن محمد المتوفی سنہ ۴۰۰ھ
ابوعلی غسانی
ولی الدین عراقی المتوفی سنہ ۸۲۱ھ
ابوبکر مرغینانی المتوفی سنہ ۵۹۳ھ

ابن عابدین شامی المتوفی سنہ ۱۲۵۲ھ
امام مالک المتوفی سنہ ۱۷۹
امام احمد بن حنبل المتوفی سنہ ۲۴۱ھ
امام شافعی المتوفی سنہ ۲۰۴
حسن بن زیاد المتوفی سنہ ۲۰۴
امام زفر المتوفی سنہ ۱۵۸ھ
امام خصاف المتوفی سنہ ۲۶۱
ابوجعفر طحاوی المتوفی سنہ ۳۲۱ھ
ابوالحسن کرخی المتوفی سنہ ۳۴۰
شمس الآئمہ حلوائیؒ المتوفی سنہ ۴۴۸ھ
فخرالاسلام بزدوی المتوفی سنہ ۴۸۳ھ
قاضی خان المتوفی سنہ ۵۹۳ھ
صدر شہید المتوفی سنہ ۵۳۶ھ
علامہ جصاص المتوفی سنہ ۳۷۰ھ
ابوالحسن قدوری المتوفی سنہ ۴۲۸ھ
علامہ نسفی المتوفی سنہ ۷۱۰ھ
تاج الشریعۃ المتوفی سنہ ۶۷۳ھ
عبداللہ موصلی المتوفی سنہ ۶۸۳ھ
ابن ساعاتی المتوفی سنہ ۶۹۴ھ
شمس الآئمہ کردری المتوفی سنہ ۶۴۲ھ
علامہ حصیری المتوفی سنہ ۶۳۶ھ
ابن جریر المتوفی سنہ ۳۱۰ھ
ابن منذر المتوفی سنہ ۳۱۸ھ

ابن ابی حاتم المتوفی سنہ ۳۲۷ھ
امام حاکم المتوفی سنہ ۴۰۵ھ
امام بیہقی المتوفی سنہ ۴۵۸ھ
امام بزار المتوفی سنہ ۲۹۲ھ
امام طبرانی المتوفی سنہ ۳۶۰ھ
ابن سعد المتوفی سنہ ۲۳۰ھ
برہان الدین حلبی المتوفی سنہ ۱۴۸ھ
ابن مردویہ المتوفی سنہ ۴۱۰ھ
علامہ قرطبی المتوفی سنہ ۶۷۱ھ
اسماعیل حقی المتوفی سنہ ۱۱۳۷ھ
حضرت علی المتوفی سنہ ۴۰ھ
سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء المتوفاۃ سنہ ۱۱ھ
ابن سیرین المتوفی سنہ ۱۱۰ھ
حضرت عمر فاروق المتوفی سنہ ۲۴ھ
علامہ آلوسی المتوفی سنہ ۱۲۷۰ھ
ابن حجر عسقلانی المتوفی سنہ ۸۵۲ھ
امام نووی المتوفی سنہ ۶۷۶ھ
ابن حجر مکی المتوفی سنہ ۹۷۴ھ
ابوالشیخ المتوفی سنہ ۳۶۹ھ
امام دیلمی المتوفی سنہ ۵۰۹ھ
صفیہ بنت عبدالمطلب المتوفاۃ سنہ ۲۰ھ
سعد بن ابی وقاص المتوفی سنہ ۵۵ھ
امام حسن مجتبیٰ المتوفی سنہ ۵۰ھ

امام حسین الشہید سنہ ۶۱ھ
امام مسلم المتوفی سنہ ۲۶۱ھ
حضرت ابوہریرہ المتوفی سنہ ۵۸ھ
امام ترمذی المتوفی سنہ ۲۷۹ھ
امام بخاری المتوفی سنہ ۲۵۶ھ
حضرت عائشہ صدیقہ المتوفاۃ سنہ ۵۷ھ
ابوسعید خدری المتوفی سنہ ۷۴ھ
فخر الدین رازی المتوفی سنہ ۶۰۶ھ
علامہ سیوطی المتوفی سنہ ۹۱۳ھ
امام موسیٰ کاظم المتوفی سنہ ۱۸۳ھ
امام ابوداؤد المتوفی سنہ ۲۷۹ھ
حضرت ام سلمہ المتوفاۃ سنہ ۶۲ھ
عبدالرحمٰن جامی المتوفی سنہ ۸۹۸ھ
حضرت ابن عباس المتوفی سنہ ۶۸ھ
ابن مغازلی الشافعی المتوفی سنہ ۵۲۴ھ
حضرت عباس المتوفی سنہ ۳۲ھ
حضرت عبداللہ بن عمر المتوفی سنہ ۷۳ھ
قاضی عیاض المتوفی سنہ ۵۴۴ھ
زید بن ثابت المتوفی سنہ ۴۵ھ
عمر بن عبدالعزیز المتوفی سنہ ۱۰۱ھ
عبداللہ بن حسن مثنیٰ المتوفی سنہ ۱۴۵ھ
جعفر بن سلیمان عباسی المتوفی سنہ
محی الدین ابن عربی المتوفی سنہ ۶۳۸ھ

بایزید بسطامی المتوفی ۲۶۱ھ

امام جعفر صادق المتوفی ۱۴۸ھ

امام موسیٰ رضا المتوفی ۲۰۳ھ

امام کرخی المتوفی ۲۰۰ھ

عبدالوہاب شعرانی المتوفی ۹۷۳ھ

سلیمان بن شعیب کیسانی المتوفی سنہ

ابوبکر بن عیاش المتوفی سنہ

حضرت علی الخواص المتوفی ۹۳۹ھ

محب الدین طبری شافعی المتوفی ۶۹۴ھ

حضرت زینب بنت علی المتوفاۃ سنہ

حضرت ام کلثوم بنت علی المتوفاۃ ۴۹ھ

جعفر بن عبداللہ المتوفی ۸۰ھ

محمد بن جعفر المتوفی سنہ

حضرت زینب بنت رسول المتوفاۃ ۸ھ

حضرت رقیہ بنت رسول المتوفاۃ ۲ھ

حضرت ام کلثوم بنت رسول المتوفاۃ ۹ھ

محمد بن علی صبان مصری المتوفی ۱۲۰۶ھ

شجاع بن ولید المتوفی ۲۰۴ھ

حضرت ام حبیبہ المتوفاۃ ۴۲ھ

ابویعلی المتوفی ۳۰۷ھ

عمران بن فضل المتوفی سنہ

امام دارقطنی المتوفی ۳۸۵ھ

بقیہ بن ولید المتوفی سنہ

محمد بن فضیل المتوفی سنہ

ابن عدی المتوفی ۳۶۵ھ

علی بن عروہ المتوفی سنہ

عثمان بن عبدالرحمان سنہ

امام بزار المتوفی ۲۹۲ھ

سلیمان بن ابی الجون المتوفی سنہ

ابن قطان المتوفی ۱۹۸ھ

ابن معدان المتوفی سنہ

معاذ بن جبل المتوفی ۱۸ھ

ابوسفیان المتوفی ۳۳ھ

علامہ ابن ہمام المتوفی ۸۶۱ھ

امام نسائی المتوفی ۳۰۳ھ

ابن ماجہ المتوفی ۲۷۳ھ

یحییٰ بن معین المتوفی ۲۳۰ھ

سید شہاب الدین المتوفی سنہ

علامہ قاسم بن قطلوبغا المتوفی ۸۷۹ھ

علامہ طرطوسی المتوفی ۷۵۸ھ

علامہ سید حموی المتوفی ۱۰۹۸ھ

محمد بن یوسف گنجی شافعی المتوفی ۶۵۸ھ

شمس الدین مفتی بخارا المتوفی ۹۶۲ھ

شہاب الدین دولت آبادی المتوفی سنہ

نجم الدین زاہدی المتوفی ۶۵۶ھ

علی حدادی المتوفی ۸۰۰ھ

نورالدین سمہودی المتوفی سنہ ۹۱۱ھ

فخرالدین رومی المتوفی سنہ

فضل اللہ محمد بن ایوب المتوفی سنہ

فاضل لطف اللہ المتوفی سنہ

ابی مکارم المتوفی

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی المتوفی سنہ ۱۳۴۰ھ

ابراہیم قندوزی المتوفی سنہ ۱۲۹۴ھ

علامہ علاؤالدین المتوفی سنہ ۱۰۸۸ھ

امام عبدالرزاق المتوفی سنہ ۲۱۱ھ

جابر بن عبداللہ المتوفی سنہ ۷۸ھ

علامہ زرقانی المتوفی سنہ ۱۱۲۸ھ

علامہ داؤد انطاکی المتوفی سنہ ۱۰۰۸ھ

عمران بن حصین المتوفی سنہ ۵۲ھ

حضرت بریدہ اسلمی المتوفی سنہ ۶۲ھ

عبداللہ بن مالک بن بحینہ المتوفی سنہ ۵۴ھ

امام زہری المتوفی سنہ ۱۲۵ھ

حضرت براء بن عازب المتوفی سنہ ۷۲ھ

اسامہ بن زید المتوفی سنہ ۵۴ھ

حبشی بن جنادہ المتوفی سنہ

شرف الدین طیبی المتوفی سنہ ۷۴۳ھ

حضرت انس بن مالک المتوفی سنہ ۹۰ھ

سیدہ خدیجۃ الکبریٰ المتوفاۃ سنہ ۱۰ نبوت

حضرت ابوایوب انصاری المتوفی سنہ ۵۰ھ

سلمان فارسی المتوفی سنہ ۳۹ھ

حذیفہ بن یمان المتوفی سنہ ۳۶ھ

تاج الدین سبکی المتوفی سنہ ۷۷۱ھ

شاہ عبدالحق محدث دہلوی المتوفی سنہ ۱۰۵۲ھ

اسماء بنت عمیس المتوفاۃ سنہ

زبیر بن عبدالرحمٰن بغدادی المتوفی سنہ

امیر تیمور لنگ المتوفی

ام فضل بنت حارث المتوفاۃ

یعلی بن مرہ المتوفی

محمد بن حنفیہ المتوفی سنہ ۷۳ھ

زید بن حارثہ المتوفی سنہ ۸ھ

حکیم بن حزام المتوفی سنہ ۶۰ھ

زینب بنت جحش المتوفاۃ سنہ ۲۰ھ

حضرت ابوبکر صدیق المتوفی سنہ ۱۳ھ

امیمہ بنت عبدالمطلب المتوفاۃ سنہ

ام کلثوم بنت علی المتوفاہ سنہ ۴۹ھ

محمد یعقوب کلینی المتوفی سنہ ۳۲۹ھ

محقق طوسی المتوفی سنہ ۵۶۱ھ

زین الدین بن علی احمد سنہ ۹۶۶ھ

جمال مکی شیعی المتوفی

یزید بن معاویہ، م سنہ ۶۴ھ

عبداللہ بن جحش المتوفی سنہ ۳ھ

عمر بن قتادہ المتوفی سنہ

حضرت عقیل بن ابی طالب المتوفی (امارت معاویہ میں وفات ہوئی)

عون بن جعفر المتوفی سنہ

حضرت حفصہ المتوفاۃ ۵۴ھ

ابوالعاص بن ربیع المتوفی سنہ

عثمان بن عفان المتوفی ۳۵ھ

فاطمہ صغریٰ المتوفاۃ ۱۱۰ھ

حسن مثنیٰ المتوفی ۹۷ھ

خالد بن ولید المتوفی ۲۱ھ

پیر سید جماعت علی شاہ المتوفی ۱۳۷۰ھ

فضالہ بن عبید المتوفی ۵۳ھ

امام راغب اصفہانی المتوفی ۵۰۳ھ

ثابت بن قیس المتوفی ۱۲ھ

حضرت سالم المتوفی ۱۲ھ

زید بن ارقم المتوفی ۶۶ھ

مسیلمہ کذاب مقتول ۱۲ھ

سہیل بن عمرو المتوفی ۱۸ھ

اسید بن حضیر المتوفی ۲۰ھ

سعد بن عبادہ المتوفی ۱۶ھ

قاضی ابوبکر المتوفی ۵۴۳ھ

ہشام بن عبدالملک المتوفی ۱۲۵ھ

معاویہ بن سفیان المتوفی ۶۰ھ

عبدالملک بن مروان المتوفی ۸۶ھ

امام زین العابدین المتوفی ۹۴ھ

ہمام بن غالب فرزدق المتوفی ۱۱۱ھ

علی بن عیسیٰ المتوفی سنہ

خواجہ گولڑوی المتوفی ۱۳۵۶ھ

حسن بصری المتوفی ۱۱۰ھ

عبداللہ بن مبارک المتوفی ۱۸۲ھ

مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی المتوفی ۱۳۶۷ھ

علامہ بزازی المتوفی ۸۲۷ھ

عبدالرحمٰن بن مہدی المتوفی ۱۹۸ھ

ابوبکر بن ابی شیبہ المتوفی ۲۳۵ھ

عثمان بن ابی شیبہ المتوفی ۲۳۹ھ

سفیان ثوری المتوفی ۱۶۱ھ

ابن خلکان المتوفی ۶۸۱ھ

عبداللہ بن مسعود المتوفی ۳۲ھ

عبدالعلی بحر العلوم المتوفی ۱۲۲۶ھ

علامہ ابن قیم المتوفی ۷۵۱ھ

عبداللہ بن عمرو بن عثمان المتوفی سنہ

عقبہ بن حارث المتوفی سنہ

حارثہ بن شراحیل

سعدیٰ بنت ثعلبہ

جعفر بن محمد المتوفی سنہ

(مفتی غلام رسول)

ان کتابوں کی فہرست

جن سے

حسب ونسب

کی ترتیب میں استفادہ کیا گیا

کتاب	مصنف
قرآن پاک	
تفسیر کبیر	امام فخر الدین رازی المتوفی سنہ ۶۰۶ھ
تفسیر روح المعانی	محمود بن عمر زمخشری المتوفی سنہ ۵۳۸ھ
تفسیر کشاف	محمود بن عمر زمخشری المتوفی سنہ ۵۳۸ھ
تفسیر جامع البیان	ابو جعفر محمد بن جریر طبری المتوفی سنہ ۳۱۰ھ
تفسیر در منثور	علامہ سیوطی المتوفی سنہ ۹۱۱ھ
اسباب النزول	علامہ ابو الحسن واحدی المتوفی سنہ ۴۶۸ھ
عرائس التیجان	احمد بن محمد ثعلبی المتوفی سنہ ۴۲۷ھ
تفسیر ابن کثیر	عماد الدین ابن کثیر المتوفی سنہ ۷۷۴ھ
تفسیر روح البیان	علامہ اسمٰعیل حقی المتوفی سنہ ۱۲۲۷ھ
تفسیر قرطبی	محمد بن احمد قرطبی المتوفی سنہ ۶۷۴ھ
تفسیر مدارک	عبد اللہ بن احمد المتوفی سنہ ۷۱۰ھ
تفہیم القرآن	سید ابو الاعلیٰ مودودی سنہ ۱۳۹۹ھ
معارف القرآن	مفتی محمد شفیع دیوبندی المتوفی سنہ ۱۳۹۶ھ
ضیاء القرآن	پیر محمد کرم شاہ صاحب ازہری

تفسیر خزائن العرفان	مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی المتوفی ۱۳۶۷ھ
صحیح بخاری	محمد بن اسماعیل بخاری المتوفی ۲۵۶ھ
صحیح مسلم	مسلم بن حجاج قشیری المتوفی ۲۶۱ھ
سنن ترمذی	محمد بن عیسیٰ ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ
سنن ابن ماجہ	ابن ماجہ قزوینی المتوفی ۲۷۳ھ
نسائی	احمد بن شعیب نسائی المتوفی ۳۰۳ھ
ابوداؤد	ابوداؤد سجستانی المتوفی ۲۷۹ھ
شرح معانی الآثار	ابوجعفر طحاوی المتوفی ۳۲۱ھ
مشکل الآثار	ابوجعفر طحاوی المتوفی ۳۲۱ھ
کتاب الآثار	امام محمد المتوفی ۱۸۹ھ
مسند احمد بن حنبل	مسند احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ
مستدرک	امام حاکم المتوفی ۴۰۵ھ
الادب المفرد	امام بخاری المتوفی ۲۵۶ھ
مسند طیالسی	ابوداؤد طیالسی المتوفی ۲۰۴ھ
سنن دارمی	ابواحمد دارمی المتوفی ۲۸۰ھ
سنن دارقطنی	علی بن عمر دارقطنی المتوفی ۳۸۵ھ
سنن کبریٰ	امام احمد بن حسین بیہقی المتوفی ۴۵۸ھ
حلیۃ الاولیاء	حافظ ابونعیم اصبہانی المتوفی ۴۳۰ھ
فتح الباری	حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ
طبقات ابن سعد	محمد بن سعد المتوفی ۲۳۰ھ
تاریخ بغداد	احمد بن علی الخطیب بغدادی المتوفی ۴۶۲ھ
اسد الغابہ	عزالدین ابن اثیر المتوفی ۶۳۰ھ
الاستیعاب	حافظ ابوعمر ابن عبدالبر المتوفی ۴۶۳ھ

الاصابہ	حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ
تہذیب التہذیب	حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ
میزان الاعتدال	شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ
خصائص للنسائی	احمد بن شعیب نسائی المتوفی ۳۰۳ھ
مجمع الزوائد	حافظ نور الدین ہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ
کنز العمال	علامہ متقی ہندی المتوفی ۹۷۵ھ
فیض القدیر	عبد الرؤف مناوی المتوفی ۱۰۳۱ھ
کنوز الحقائق	عبد الرؤف مناوی المتوفی ۱۰۳۱ھ
ریاض النضرہ	محب الدین طبری المتوفی ۶۹۴ھ
ذخائر عقبیٰ	محب الدین طبری المتوفی ۶۹۴ھ
صواعق محرقہ	شہاب الدین ابن حجر ہیثمی المتوفی ۹۷۴ھ
مرقاۃ شرح مشکوٰۃ	علی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ
مشکوٰۃ المصابیح	علامہ ولی الدین المتوفی ۷۳۷ھ
مقدمہ فتاویٰ ہندیہ	سید امیر علی
معرفۃ الصحابہ	ابو محمد المخزومی الحلبی المتوفی ۷۰۳ھ
الامامۃ والسیاسۃ	مسلم بن قتیبہ المتوفی ۲۷۰ھ
عمدۃ القاری	حافظ بدر الدین عینی المتوفی ۸۵۵ھ
صحیح ابن حبان	ابو حاتم محمد بن حبان المتوفی ۳۵۴ھ
تاریخ کبیر ابن عساکر	علامہ ابن عساکر المتوفی ۵۶۶ھ
البدایہ والنہایہ	علامہ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ
تاریخ طبری	علامہ ابن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ
تاریخ اسلام	حافظ ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ
مواہب لدنیہ	علامہ قسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ

کتاب	مصنف
شرح مواہب لدنیہ	علامہ زرقانی المتوفی سنہ ۱۱۲۸ھ
تاریخ الخلفاء	علامہ سیوطی المتوفی سنہ ۹۱۱ھ
جامع صغیر	علامہ سیوطی المتوفی سنہ ۹۱۱ھ
کفایۃ الطالب	علامہ یوسف گنجی شافعی المتوفی سنہ ۶۵۶ھ
طیبی شرح مشکوٰۃ	علامہ شرف الدین طیبی المتوفی سنہ ۷۴۳ھ
معجم صغیر	امام طبرانی المتوفی سنہ ۳۶۰ھ
مناقب الاخیار	علامہ ابن اثیر المتوفی سنہ ۶۳۰ھ
الکبائر	حافظ ذہبی المتوفی سنہ ۷۴۸ھ
معرفۃ علوم الحدیث	امام حاکم المتوفی سنہ ۴۰۵ھ
لسان المیزان	ابن حجر عسقلانی المتوفی سنہ ۸۵۲ھ
مناقب علی بن ابی طالب	ابن مغاذلی شافعی المتوفی سنہ ۵۴۴ھ
کشف الظنون	حاجی خلیفہ المتوفی سنہ ۱۰۶۷ھ
شرح جامی	علامہ عبد الرحمن جامی المتوفی سنہ ۸۹۸ھ
فروع کافی	یعقوب کلینی المتوفی سنہ ۳۲۹ھ
کتاب الابصار	ابوجعفر طوسی المتوفی سنہ ۵۶۱ھ
تہذیب الاحکام	ابوجعفر طوسی المتوفی سنہ ۵۶۱ھ
محیط المحیط	المعلم بطرس البستانی، م سنہ ۱۳۰۰ھ
مصباح اللغات	علامہ بلیاوی
بحر الرائق	علامہ زین الدین ابن نجیم المتوفی سنہ ۹۷۰ھ
تبیین الحقائق	علامہ زیلعی المتوفی سنہ ۷۴۲ھ
طحطاوی	علامہ طحطاوی المتوفی سنہ ۱۲۳۱ھ
مبسوط	امام سرخسی المتوفی سنہ ۵۰۰ھ
شرح وقایہ	عبید اللہ بن مسعود المتوفی سنہ ۷۴۷ھ

درمختار	علامہ ابو الدین المتوفی سنہ ۱۰۸۸ھ
عقد الجید	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی سنہ ۱۱۷۶ھ
منحۃ الخالق	علامہ ابن عابدین شامی المتوفی سنہ ۱۲۵۲ھ
نشر الطیب	اشرف علی تھانوی المتوفی سنہ ۱۳۶۲ھ
نسیم الریاض	شہاب خفاجی المتوفی سنہ ۱۰۶۹ھ
شفا	قاضی عیاض المتوفی سنہ ۵۴۴ھ
لطائف المنن	عبد الوہاب اشعرانی المتوفی سنہ ۹۷۳ھ
طوبیٰ	بلیغ الدین شاہ
جواہر العقدین	نور الدین سمہودی المتوفی سنہ ۹۱۱ھ
لمعہ دمشقیہ	جمال الدین شیعی المتوفی سنہ
روضۃ البہیۃ	زین الدین عاملی المتوفی سنہ ۹۶۶ھ
مسالک الافہام	
تلخیص المراد	
فقہ القرآن	علامہ عمر احمد عثمانی
تذکرۃ الحفاظ	حافظ ذہبی المتوفی سنہ ۷۴۸ھ
مدارج النبوت	شاہ عبد الحق محدث دہلوی المتوفی سنہ ۱۰۵۲ھ
نور الانوار	شیخ احمد ملا جیون المتوفی سنہ ۱۱۳۰ھ
ہدایہ	ابوبکر مرغینانی المتوفی سنہ ۵۹۳ھ
کنز الدقائق	ابو البرکات نسفی المتوفی سنہ ۷۱۰ھ
حواشی الاشباہ والنظائر	سید حموی المتوفی سنہ ۱۰۹۸ھ
عمدۃ الرعایہ	عبد الحی المتوفی سنہ ۱۳۰۴ھ
فتح القدیر	علامہ ابن ہمام المتوفی سنہ ۸۶۱ھ
فتاویٰ قاضی خان	فخر الدین قاضی خان المتوفی سنہ ۵۹۲ھ

فتاویٰ عالمگیری	مکتوب بامر السلطان محمد اورنگ زیب المتوفی سنہ ۱۱۱۸ھ
فتاویٰ رضویہ	اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی المتوفی سنہ ۱۳۴۰ھ
فتاویٰ جماعتیہ	مصنّف (حسب و نسب) مفتی غلام رسول
اصول شاشی	اسحاق بن ابراہیم نظام الدین شاشی المتوفی سنہ ۳۲۵ھ
حاشیہ تبیین الحقائق	علامہ احمد شلبی المتوفی سنہ ۱۰۲۱ھ
رد المحتار	ابن عابدین شامی المتوفی سنہ ۱۲۵۲ھ
مقدمہ ہدایہ	سیّد امیر علی المتوفی
مسند عبد بن حمید	امام عبد بن حمید المتوفی سنہ ۲۴۹ھ
نور الابصار	مؤمن بن حسن الشبلنجی المتوفی سنہ
فتاویٰ مہریہ	پیر مہر علی شاہ گولڑوی المتوفی سنہ ۱۳۵۶ھ
ترجمان السنۃ	
رشفۃ الصادی	سیّد شہاب الدین المتوفی سنہ
الاشباہ والنظائر	علامہ ابن نجیم المتوفی سنہ ۹۷۰ھ
ذیل اللئالی	علامہ سیوطی المتوفی سنہ ۹۱۱ھ
ینابیع المودۃ	ابراہیم قندوزی المتوفی سنہ ۱۲۹۴ھ
لباب النقول	علامہ سیوطی المتوفی سنہ ۹۱۱ھ
اسعاف الراغبین	محمد بن علی صبان الحنفی المتوفی سنہ ۱۲۰۶ھ
تذکرہ خواص الامۃ	علامہ یوسف سبط ابن جوزی المتوفی سنہ ۶۵۴ھ
مقتل حسین	موفق بن احمد خوارزمی المتوفی سنہ ۵۶۸ھ
العجالۃ الزرنبیہ فی سلالۃ الزینبیہ	علامہ سیوطی المتوفی سنہ ۹۱۱ھ
کتاب النوادر	سلیمان بن احمد طبرانی المتوفی سنہ ۳۶۰ھ
التذکرہ اولی الالباب	علامہ داؤد بن عمر انطاکی المتوفی سنہ ۱۰۰۸ھ
الیواقیت والجواہر	علامہ شعرانی المتوفی سنہ ۹۷۳ھ
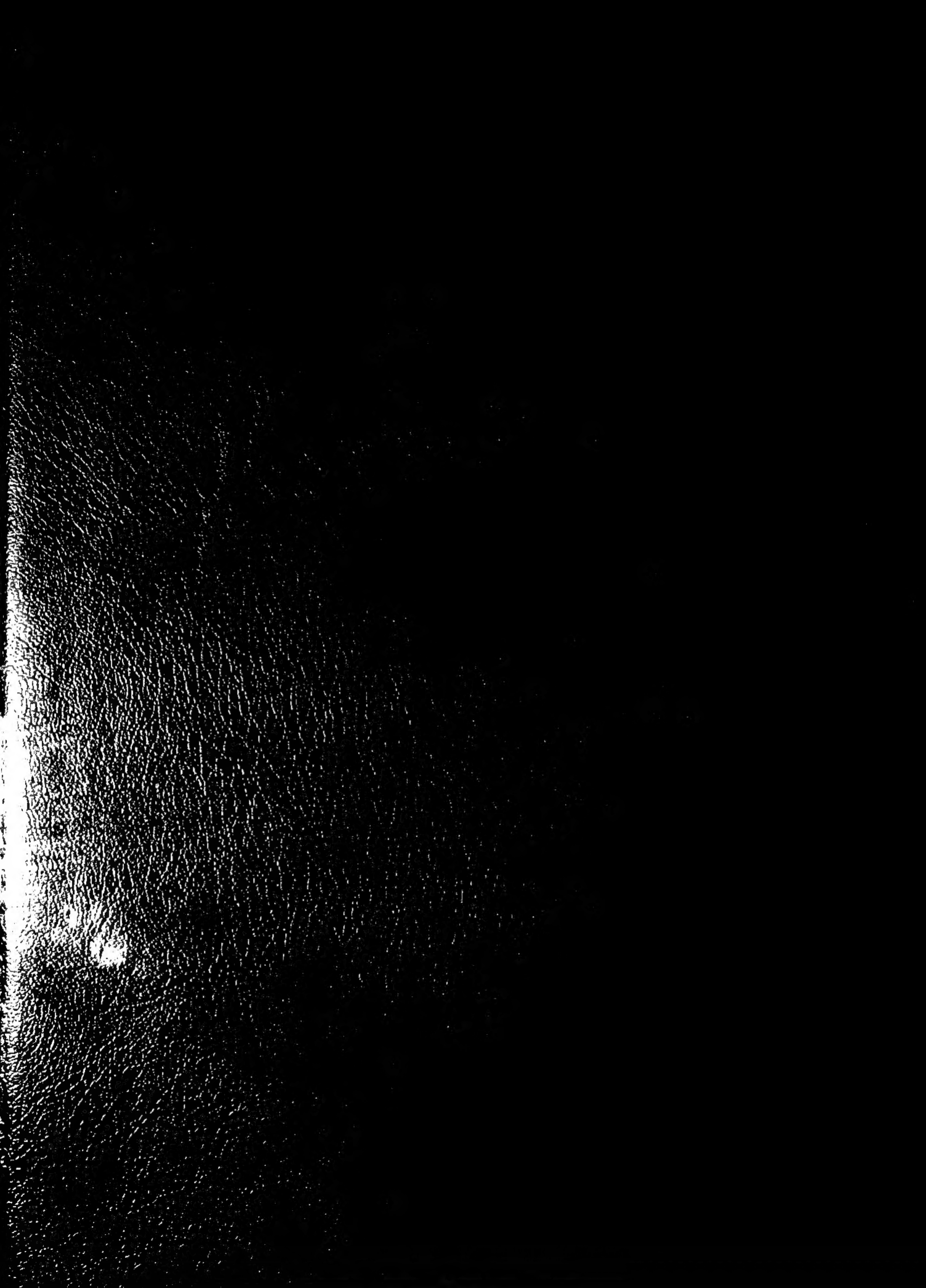
فتاوی کبریٰ	علامہ ابن حجر مکی المتوفی ۹۷۴ھ
کشف الغمہ	علامہ شعرانی المتوفی ۹۷۳ھ
بستان المحدثین	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی المتوفی ۱۲۳۹ھ
ملفوظات مہریہ	پیر سید مہر علی شاہ المتوفی ۱۳۵۶ھ
ملفوظات امیرملت	پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری المتوفی ۱۳۷۰ھ
تلخیص ذہبی	حافظ شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ
اردو شرح صحیح مسلم	علامہ سعیدی۔
معلم الاصول اردو شرح اصول الشاشی	علامہ صدیقی فاضل دیوبند
روضۃ الشہداء	ملا حسین واعظ کاشفی المتوفی ۹۱۰ھ
الفاروق	علامہ شبلی المتوفی سنہ
خصائص کبریٰ	علامہ سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ
الشرف المؤبد	علامہ یوسف نبہانی المتوفی ۱۳۵۰ھ

مفتی غلام رسول

(لندن)

مصنف کی دیگر تصانیف

- فتاویٰ جماعتیہ (حصہ اوّل)
- فتاویٰ جماعتیہ (حصہ دوم)
- نور الفرقدین علی رفع الیدین
- سنت سید الانام علی القرأۃ خلف الامام
- انوار الشریعت
- السلطان القوی
- القول المسعود
- القول التنقیح علی العمل بالتلفیق
- التعاقب علی التعاقب
- القول علی المقالہ
- مجدّدِ دین وملّت حضرت امیر ملت
- سیرت انوار
- السہم الحق فی کبد مختار الحق
- الصاعقۃ الوہاب
- الصدقات حرام علی السادات
- خلل اندازی نماز کے متعلق فتویٰ